حکایاتِ پنجاب

حصّۂ سوم

مُرتّبہ
آر۔ سی۔ ٹمپل
مُترجمہ
میاں عبدالرشید

مجلسِ ترقّیِ ادب، لاہور

طبع اول : ۱۹۶۲ء

تعداد : ۱۱۰۰

ناشر : سید امتیاز علی تاج (ستارۂ امتیاز)
ناظم مجلس ترقیٔ ادب ، لاہور

مطبع : ریڈنگ پرنٹنگ پریس ، آردو بازار لاہور

مہتمم : نذر محمد آپل

فہرست

عنوان	صفحہ
پیش لفظ	۱ تا ۸۰
انتالیسویں حکایت:	
مرزا و صاحباں	۸۱
چالیسویں حکایت:	
سسی اور پنوں	۹۷
اکتالیسویں حکایت:	
پرتھی راج اور ملکاں	۱۱۲
بیالیسویں حکایت:	
ہری چند کی کہانی	۱۲۴
تینتالیسویں حکایت:	
شمس تبریز کی کہانی	۱۳۸
چوالیسویں حکایت:	
شاہ قمیس کی کہانی	۱۵۱
پینتالیسویں حکایت:	
سرور اور نیر	۱۵۸
چھیالیسویں حکایت:	
راجا دھرو کی کہانی	۱۷۵

عنوان	صفحہ

سینتالیسویں حکایت :

جالندھر کے پیر	۱۹۳
(۱) شیخ محمود	۱۹۸
(۲) شیخ احمد غوث	۲۰۳
(۳) شیخ پیر ولی	۲۰۳
(۴) شیخ درویش	۲۰۶
(۵) شیخ درویش کی کرامات کا بیان	۲۰۷
(۱) شیخ درویش کی پہلی کرامت	۲۰۷
(۲) شیخ درویش کی دوسری کرامت	۲۰۸
(۳) شیخ درویش کی تیسری کرامت	۲۰۹
(۴) شیخ درویش کی چوتھی کرامت	۲۱۰
(۶) شیخ درویش کی مزید کرامات	۲۱۲
(۷) شیخ ولی داد	۲۱۳
(۸) سید عبداللہ تنوری	۲۱۵
(۹) شاہ عبدالغفور	۲۲۰
(۱۰) امام ناصرالدین سیرانی	۲۲۱
(۱۱) عاقل شاہ سیرانی	۲۲۳
(۱۲) اعظم شاہ	۲۲۵
(۱۳) صوفی احمد	۲۲۷
(۱۴) سید کبیر	۲۳۱
(۱۵) محمد صفا	۲۳۲

اڑتالیسویں حکایت :

راجا رسالو کے متعلق دو گیت	۲۳۳
(۱) راجا رسالو کا گیت	۲۳۵
(۲) راجا اور مالن کا گیت	۲۳۹

انچاسویں حکایت :

رانی کوکلاں کی کہانی	۲۴۱

عنوان	صفحہ
پچاسویں حکایت :	
امر سنگھ سکنہ گڑھ میڑتا . .	۲۵۱
اکیاونویں حکایت :	
پرتھی سنگھ والی جودھ پور . .	۲۵۹
باونویں حکایت :	
گکے کا گیت . .	۲۶۷
ترپنویں حکایت :	
سخی سرور کی کرامات . .	۲۹۰
چونویں حکایت :	
بستی شیخ درویش کی بنیاد رکھنا .	۳۰۴
پچپنویں حکایت :	
سید آسموں سکنہ بارھا باویں .	۳۰۷
چھپنویں حکایت :	
سیس پال اور پردمن . .	۳۱۲
ستاونویں حکایت :	
سیس پال اور کشن . .	۳۲۳
اٹھاونویں حکایت :	
بانا سر کی کہانی . . .	۳۳۳
آنسٹھویں حکایت :	
ملتان کی ابتدا . . .	۳۶۰

پیش لفظ جلد سوم

آج سے تقریباً بیس برس پہلے میں نے یہ ارادہ کیا تھا کہ جو کہانیاں پنجاب میں سنائی جاتی ھیں اور جن کا مجموعہ میرے پاس موجود ھے، میں اسے مع ترجمہ بالاقساط شائع کر دوں۔ یہ کام پہلے دو برس باقاعدگی سے اور پھر دو برس قدرے بے قاعدگی سے جاری رھا۔ اس کے بعد چھ برس تک میں ان حکایات کو طویل وقفوں کے بعد ھی شائع کر سکا۔ اب دس برس سے میں نے کوئی حکایت شائع نہیں کی۔ اس بے قاعدگی کا سبب ھندوستان میں میری ملازمت کی ذمہ‌داریاں تھیں، کیوں کہ جہاں تک ھندوستان کے متعلق کتابیں لکھنے کا تعلق ھے: 'سرکاری ملازم ارادہ کرتا ھے، مگر حکومت اسے فسخ کر دیتی ھے'۔ اس سلسلے میں میرا تجربہ بھی وھی ھے، جو دوسرے سرکاری ملازموں کا ھے، کیوں کہ حکایات کے متعلق میرے اس خود ساختہ کام کے دوران پہلے میرا تبادلہ دوبارہ میرے پرانے صوبہ آسام میں ھو گیا اور پھر مجھے جزائر انڈیمان بھیج دیا گیا۔ ان دونوں مقامات پر مجھے ایسے ماحول میں کام کرنا پڑا جس کا پنجاب سے دور کا تعلق بھی نہ تھا۔ علاوہ ازیں وھاں میری ذمہ‌داریاں اس قدر زیادہ تھیں کہ مجھے ذرہ بھر فرصت نہیں ملتی تھی۔ ایسے حالات میں یہ حکایات شائع کرنے کا کام کسی صورت بھی سرانجام نہیں دیا جا سکتا تھا۔ ھندوستان میں شروع ھی سے ایسا ھوتا رھا ھے۔ سر ولیم جونز کی کتاب ''فارسی زبان کی گرائمر'' کے تیسرے ایڈیشن مطبوعہ ۱۸۲۳ء کے دیباچے میں بھی یہ الفاظ ملتے ھیں: ''چونکہ ملازمت کی ذمہ داریوں نے میری ساری توجہ اپنی طرف کھینچ لی ھے اور میں نہ صرف مشرقی ادب کو چھوڑنے پر مجبور ھوگیا ھوں، بلکہ مجھے اس کے پرانے آثار کو بھی، جہاں تک ممکن تھا، اپنی یاداشت سے محو کر دینا پڑا ھے؛ اس لیے مجھے اس ایڈیشن پر نظر ثانی کرنے، اس کا انڈکس تیار کرنے اور اسے چھپوانے کا کام مسٹر رچرڈسن کے سپرد کرنا پڑا ھے''۔

اس لیے جو کام ہو چکا ہے میں نے اسی پر اکتفا کرنے کا فیصلہ کیا ہے ۔ میں جتنی حکایات جمع کر چکا تھا، ان میں سے صرف نصف کو چھاپ سکا ہوں ۔ یہ محض اتفاق ہے کہ ان تین جلدوں میں جو حکایات اور کہانیاں چھپ چکی ہیں ، ان کی تعداد ۵۹ ہے اور میرے پاس کہانیوں کا جو کل مجموعہ ہے ، اس میں ان کی تعداد ۱۱۸ ہے ۔

اگرچہ مجھے اب کوئی اُمید نہیں کہ میں کبھی باقی حکایات کو چھاپ سکوں گا لیکن شاید یہاں ایسی بقایا حکایات جو طباعت کے لیے جزواً تیار ہیں اور ایسی جن کا ابھی نہ مطالعہ کیا گیا ہے نہ ترجمہ ، ان سب کی فہرست دینا مفید ثابت ہو ۔ کوئی اور شخص اس کام کو جو میں نے شروع کیا ہے ، اختتام تک پہنچائے یا نہ پہنچائے مگر یہ فہرست ان لوگوں کے لیے جو ادب کی اس صنف میں دلچسپی رکھتے ہیں ، پنجاب کی غیر مرقومہ حکایات کی دولت کی جانب راہ نمائی کا کام سر انجام دے گی ۔

وہ حکایات جو طباعت کے لیے جزواً تیار ہیں :

۶۰ - راجا ہرناکس کی کہانی ۔
۶۱ - باوا فرید کی ایک کرامت ۔
۶۲ - شاہ بہاول شیر کی کہانی ۔
۶۳ - دلا بھٹی کی کہانی ۔
۶۴ - اورنگ زیب اور گورو گوبند سنگھ ۔
۶۵ - رنجیت سنگھ اور مظفر خان والیٔ ملتان ۔
۶۶ - راجا رتن سین والیٔ چتوڑ ۔
۶۷ - چتوڑ کے بھورا اور بادل کا گیت ۔
۶۸ - شو کی شادی ۔
۶۹ - بندہ بیراگی کی کہانی ۔
۷۰ - ادھم فقیر کی کہانی ۔
۷۱ - رانی مورنی کی کہانی ۔
۷۲ - گگا کا ایک گیت ۔

وہ حکایات جن کا ابھی تک ترجمہ نہیں ہوا :

۷۳ - جرا سندھ کی کہانی ۔

۷۴ - جموں کا برج راج اور گلیر کا گومنڈا ۔
۷۵ - جموں کے مان دیو کی کہانی ۔
۷۶ - ھری سنگھ نلوہ کا جنگی گیت ۔
۷۷ - خواص خاں کا گیت ۔
۷۸ - ڈھولا اور سمی کی کہانی ۔
۷۹ - راجا جگدیو کی ایک روایت ۔
۸۰ - راجا رسالو کی ایک کہانی ۔
۸۱ - جیمل اور فتا کی کہانی ۔
۸۲ - جودھ پور کے راجا جسونت کے متعلق ایک گیت ۔
۸۳ - میراں سید حسین ولی کے متعلق ایک گیت ۔
۸۴ - ھری چند کی کہانی ۔
۸۵ - داؤد بادشاہ کی کہانی ۔
۸۶ - شو اور ایک جلاھا ۔
۸۷ - راجا جوبی ناس کی کہانی ۔
۸۸ - مرزا اور صاحباں کی کہانی ۔
۸۹ - اورنگ زیب کے متعلق ایک کہانی ۔
۹۰ - راجا امر سنگھ کی کہانی ۔
۹۱ - اکبر اور جمیل بیگ ۔
۹۲ - راجا کارگ کی کہانی ۔
۹۳ - تارا اعظم کا گیت ۔
۹۴ - دکن کا داؤد خاں ۔
۹۵ - راجا مان سنگھ والیٔ امبر ۔
۹۶ - راجوری کی جنگیں ۔
۹۷ - رنجیت دیو والیٔ جموں کی کہانی ۔
۹۸ - سچیت سنگھ والیٔ جموں کا گیت ۔
۹۹ - امر سنگھ کا گیت ۔
۱۰۰ - راجا جیسلمیر کی کہانی ۔
۱۰۱ - راجا بھیم کی کہانی ۔
۱۰۲ - سکندر ذوالقرن اور شیر جنگ بادشاہ ۔
۱۰۳ - دیا رام گوجر کی کہانی ۔

۱۰۴ - راجا جگدیو کی ایک روایت -
۱۰۵ - جیمل اور فتا کا گیت -
۱۰۶ - بھاؤ کی کہانی -
۱۰۷ - کالی گڑھ کی کہانی -
۱۰۸ - جیمل اور فتا کی لڑائیاں -
۱۰۹ - چندر بھان کی کہانی -
۱۱۰ - رانی نوٹنکی اور ایک پنجابی لڑکا -
۱۱۱ - جگدیو کے متعلق ایک اور روایت -
۱۱۲ - رانا سالدیو والیٔ گڑھ میڑتا کی کہانی -
۱۱۳ - قصور کی تاریخ -
۱۱۴ - بکرماجیت کی کہانی -
۱۱۵ - مغرب خاں کی کہانی -
۱۱۶ - راجا نل کی کہانی -
۱۱۷ - راجا چاند کی کہانی -
۱۱۸ - راجا بھرتری کی کہانی -

اس جلد کو بھی انھی خطوط پر تیار کیا گیا ہے ، جن کے مطابق پہلی دو جلدیں تیار کی جا چکی ہیں - صرف اتنا فرق ہے کہ اس میں ایک انڈکس تین ضمنی جلدوں کے لیے اور ایک ضمنی انڈکس اس پیش لفظ کے لیے ایزاد کر دیا گیا ہے - طباعت کی ضرورتوں نے مجھے اس طرح دو انڈکس تیار کرنے پر مجبور کیا ہے ، حالانکہ اگر ساری کتاب کے لیے ایک ہی انڈکس بنا دیا جاتا تو اس سے پڑھنے والے کو زیادہ سہولت رہتی - میں نے کوشش کی ہے کہ یہ انڈکس ہر بات کے لیے صحیح راہ نمائی کا کام سر انجام دیں - میں ان باتوں کو خاص طور سے نمایاں کرنا چاہتا تھا ، کیوں کہ اس کام کی نوعیت ایسی ہے کہ ، اس کے متعلق بہت سی باتیں ، جو کوئی طالب علم معلوم کرنا چاہے گا ، غیر ضروری امور کے نیچے دبی ہوئی اور بعض اوقات ان کی وجہ سے چھپی ہوئی ہوں گی -

اب میں طلبہ کے لیے وہ نکات پیش کرتا ہوں جن کے بارے میں یہ حکایات میری رائے میں قیمتی شہادت پیش کرتی ہیں - میں عام نتائج

پر اصرار نہیں کروں گا کیوں کہ میں اپنے اس کام کو ابتدائی تحقیقی کام ھی رکھنا چاھتا ھوں ۔ ایسا کام جس میں صرف ابتدائی واقعات پیش کیے گیے ھوں— تاکہ وہ حضرات جو میرے کام کو اس قابل سمجھیں ، اس کے مطالعے سے خود نتائج اخذ کریں ۔ میں صرف یہ چاھتا ھوں کہ موجودہ اور سابقہ جلدوں کے انڈکس تیار کر کے اور ان کے پیش لفظ لکھ کے ، اپنی قابلیت کے مطابق ایسے حضرات کی مدد کر دوں تاکہ وہ جو معلوم کرنا چاھیں بآسانی معلوم کر سکیں ۔

''حکایات پنجاب'' کی لوک کہانیوں کو مختصر اور قابل فہم طریق سے پیش کرنے کی کوشش میں ، مقبول عام کہانیوں کے دوسرے محققوں کی طرح مجھے بھی ایک مشکل درپیش رھی ھے——اور وہ یہ کہ انہیں بہترین طور سے کیسے پیش کیا جا سکتا ھے ۔ اگر ھم خاص علمی انداز اختیار کرتے ھوئے حقائق کو سختی سے ترتیب دیں تو نہ صرف مضمون خشک ھو جائے گا بلکہ عین ممکن ھے کہ اسے سمجھنے میں بھی غلطی ھو جائے ، کیوں کہ اس مضمون کی نوعیت ایسی ھے کہ اس پر خالص منطق کا اطلاق نہیں کیا جا سکتا ۔ سب سے پہلی بات تو یہ ھے کہ ان کہانیوں میں باقاعدگی نہیں اور ان کے خیالات غیر واضح اور الجھے ھوئے سے ھیں ۔ اس لیے ان لوک کہانیوں کے نکات ایک دوسرے سے خلط ملط ھیں اور انہیں بالکل جدا جدا نہیں کیا جا سکتا ؛ یعنی ایک بات کو کسی واضح اور محسوس بنیاد تک نہیں لےجایا جا سکتا، کیوں کہ ھر بات کی جڑیں کئی بنیادوں میں پھیلی ھوئی ھیں؛ اس لیے اسے بالعموم کئی مختلف عنوانات کے تحت لایا جا سکتا ھے ۔ عوام کے ذھن میں جھانکنا مشکل ھے، مگرجہاں تک یہ ممکن ھے، اس کے لیے سب سے زیادہ یقینی طریق یہ ھے کہ ان کہانیوں کے عنوانات کی ایک سادا اور کھلی سی فہرست تیار کر لی جائے اور اس میں مختلف نکات کو ، جیسے جیسے وہ عوامی منطق کے مطابق عوامی سلسلۂ فکر سے پیدا ھوتے چلے جاتے ھیں ، شامل کر لیا جائے ۔ یہی وہ طریقہ ھے جسے ھر اس شخص کو ، جو یہ کام اپنے ذمے لیتا ھے ، بالآخر اختیار کرنا پڑتا ھے اور مجھے امید ھے کہ قارئین اس طریق کو پسند فرمائیں گے ۔

مقامی تاریخ اور زبان کے لحاظ سے ان حکایات کی اھمیت سابقہ

جلدوں میں واضح کی جا چکی ہے۔ اس کے علاوہ یہ حکایات ہندوستانی لوک کہانیوں کی مشینری کا قریب‌قریب مکمل نقشہ پیش کرتی ہیں۔ یہ نقشہ کہاں تک مکمل ہے، اسے ماہرین میرے آئندہ ریمارکس اور اوپر بیان کردہ طریق کے مطابق تیار کردہ فہرستوں سے معلوم کر سکتے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ ان فہرستوں سے بعض قارئین اندازہ کر سکیں گے کہ ہندوستانی حکایات کے مجموعے اس مقصد کے لیے کس قدر وسیع اور زرخیز میدان مہیا کرتے ہیں۔ اسی طرح یہ فہرستیں ان حضرات کے لیے بھی مفید ثابت ہوں‌گی جو دنیا کے اور خطوں کی لوک کہانیوں کی تہ تک پہنچنے کے متمنی ہیں۔

انسانی ذہن کی قوتیں، باوجود بظاہر متنوع ہونے کے، درحقیقت بہت محدود ہیں اور انہیں صرف چند قابلیتوں تک محدود کیا جا سکتا ہے۔ توجہ اور تطبیق ذہن کی دو ایسی قوتیں ہیں جن کے تحت ذہن کی باقی تمام قوتوں کو بآسانی لایا جا سکتا ہے۔ یاد داشت اور مشاہدہ دونوں توجہ کے تحت آ جاتے ہیں اور ریاضی، منطق اور گرائمر کو تطبیق کے تحت لایا جا سکتا ہے۔ اگرچہ لوگوں کو اس بات کا احساس نہیں مگر وہ ریاضی کے قواعد کے مطابق بات چیت کرتے ہیں، کیونکہ گفتگو کے حقائق کو فی‌الواقعہ ریاضی کی اصطلاحات میں زیادہ وضاحت سے بیان کیا جا سکتا ہے، اور اب جب میں نے لوک کہانیوں کی ترکیب کو بظاہر قدرتی طریق کے مطابق ان کی جڑوں کی مدد سے جاننے کی کوشش کی، تو مجھے گرائمر کی مبتدا اور خبر کی ابتدائی تقسیم کی طرف رجوع کرنا پڑا۔۔۔یعنی کس موضوع پر بات ہو رہی ہے اور کیا بات ہو رہی ہے؟ لوک کہانیوں کے اس موضوع کی تقسیم کچھ اس طرح ہو جاتی ہے: ہیرو، ہیروئن اور شروع کی خبر، واقعات نتیجہ اور بس۔ یہاں تک واضح تقسیم ختم ہوئی؛ اگرچہ ہیرو فطری بھی ہیں اور فوق‌الفطرت بھی، اور ہیروئنوں کو بھی ان کی عجیب و غریب خصوصیتوں کے لحاظ سے مختلف قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے، اور ان عنوانات کے تحت مزید بے شمار ضمنی عنوانات بھی قائم کیے جا سکتے ہیں؛ مگر یہاں انہیں صرف سہولت کے اعتبار سے موجودہ عنوانات کے تحت رکھا گیا ہے؛ ورنہ غالباً ان کی بالکل مختلف طریق سے تقسیم بھی اسی قدر درست ہوتی۔ علاوہ ازیں بہت سی باتوں کو بآسانی

کئی ایک عنوانات کے تحت لایا جا سکتا ہے۔ اس سلسلے میں اپنے طریق کار کی وضاحت کے بعد، اب میں یہاں وہ فہرستیں پیش کرتا ہوں:

اول۔مبتدا

(۱) ہیرو

(الف)۔ فطری

۱۔ حمل اور پیدائش بطور کرامت

(الف) ماں کو عجیب و غریب طریقے سے حمل ٹھہر جانا۔

۲۔ متبادل بچہ

۳۔ ایسا بچہ جس کی پیدائش مقدر تھی

(الف) انتقام لینے والا ہیرو۔
(ب) مقید ہیرو۔

۴۔ تہمت زدہ بچہ

۵۔ افعال اور صلاحیتیں

۶۔ پہچان

(الف) آنے والے ہیرو کے نشانات۔
(ب) پیش گوئی کا پورا ہونا۔

۷۔ ساتھی—انسان اور جانور

(الف) غیر مشروط وفاداری۔
(ب) پیدائش کا خاندان۔

۸۔ لڑکے

(الف) اولاد نرینہ کے لیے ٹوٹکے۔

(ب) - فوق الفطرت

۱ - غیر فانی

(الف) دوبارہ ظاہر ہونا -

(ب) اولیاء -

(ج) بھوت -

(د) ارواح -

(ہ) دیوتا -

(و) چھوٹے دیوتا -

(ز) نامور بہادر -

(ح) راکھشس اور شیاطین -

۲ - فوق الفطرت نگاہ رکھنا

۳ - کرامات

(الف) کرامات کے لیے تفویض کردہ اختیارات -

(i) نیابت کے ذریعے کرامات -

(ب) دوبارہ زندہ کر دینا -

(ج) صحت مند کر دینا -

(i) بیماری دور ہو جانا -

(ii) فوائد حاصل ہونا -

(۱) بیٹے -

(۲) بارش -

(د) غیر مختتم کرامات -

(i) غیر معمولی بہتات -

(ہ) فوق الفطرت ذریعے سے نقصان پہنچانا -

(i) بد دعا -

(ii) خواب میں پریشان کرنا -

(و) ذخیرہ شدہ کرامات -

(ز) کرامات کے متعلق مقامی لوگوں کا نظریہ -

(ح) خفیہ کرامات -

۴ ۔ جادو اور کرامات

(الف) همدردانه جادو

(i) پتلا ۔

(ii) رسوم کے مطابق انسانی گوشت کھانا ۔

(iii) وہ اشیا جن میں کسی انسان کی جان ہو ۔

(۱) حیوانات ۔

(۲) درخت ۔

۵ ۔ ٹونے

(الف) روحانی ٹونے ۔

(i) سانپ کا کاٹنا ۔

٦ ۔ دعا

(الف) ایمان ۔

۷ ۔ کسی کی مدد طلب کرنا

(الف) غائب کو پکارنا ۔

۸ ۔ کفارہ

(الف) گالی ۔

(ب) چڑھاوے ۔

(ج) شراب کا گھونٹ ۔

(د) رسوم کے مطابق سخاوت ۔

(i) خیرات

(ii) بھیک ۔

۹ ۔ پیش گوئی

۱۰ ۔ صورت تبدیل کر لینا ۔

(الف) بھیس بدلنا ۔

(i) بدن تبدیل کر لینا ۔

۱۱ ـ آواگون

(الف) ستی ـ

۱۲ ـ جوگیوں کے بدل

(الف) سوانح سے متعلق ـ
(ب) شیاطین ـ
(ج) چھوٹے دیوتا ـ
(د) راکھشس ـ
(ہ) دیو ـ
(و) سمندری بلائیں ـ
(ز) جل پریاں ـ
(ح) سانپ ـ
(*i*) خصائص اور قوتیں ـ
(*ii*) کرامتیں ـ
(*iii*) ابتدا ـ

۱۳ ـ حلول ارواح

(الف) جانور جو انسانی صفات حاصل کر چکے ہوں ـ
(*i*) باتیں کرنے والے ـ
(*ii*) احسان شناس ـ
(*iii*) انتقام لینے والے ـ
(ب) اشیا جو انسانی صفات پا چکی ہوں ـ
(*i*) باتیں کرنے والی ـ
(*ii*) سحر زدہ
(۱) دائرے ـ
(۲) خطوط ـ
(۳) ہار ـ
(۴) تسبیحیں ـ
(۵) ہتھیار
(۶) جادو کے اعداد ـ

(۷) مقدس پانی ۔
(*i*) خون ۔
(*ii*) دودھ ۔
(*iii*) امرت ۔
(*iv*) پانی کا پوتر ہونا ۔
(۸) کراماتی سواری ۔
(*i*) بہادرانہ چھلانگ ۔
(*ii*) ہوا میں آڑنا ۔
(*iii*) پروں والے جانور ۔
(*iv*) پروں والی اشیا ۔
(*v*) منتقل ہونے والی مورتیں اور مقبرے ۔
(۹) طلسماتی گانا ۔
(*i*) طلسماتی ساز ۔
(۱۰) بال اور ان کی طاقتیں ۔
(الف) ڈاڑھی کا تقدس ۔
(۱۱) نظر نہ آنا ۔
(۱۲) جادو کا طریقہ ۔
(۱۳) برھمن ۔
(*i*) بھوتوں کے زیر اثر ہونا ۔
(*ii*) بھوت نکالنا ۔

(دوم)—ہیروئن

(الف) ۔ خصوصیات

۱ ۔ ہیرو کی شریک کار

۲ ۔ عورتوں کے متعلق مقامی لوگوں کے نظریات

۳ ۔ ممنوعات

۴ - خصوصیات

(الف) نزاکت -

(ب) دلآویزی -

۵ - نشانیاں

٦ - فائدہ پہنچانے والی ہیروئنیں

(الف) پریاں -

(i) غیر مرئی پیغام رساں -

(ii) دوسرے عالم کی دلھنیں -

۷ - ضرر رساں ہیروئنیں

(الف) مصائب لانے والی -

(ب) دوسری بیویاں -

(ج) سوتیلی مائیں -

(د) کٹنیاں -

(i) دانش مند عورتیں -

(۱) قوتیں -

(۲) خواص -

(ہ) راکھشسنیں -

(i) ناگن ہیروئن -

۸ - ایسے بچے جو کہیں سے مل جائیں

(الف) انڈے میں موجود ہیروئن -

(ب) حسن خفتہ -

(i) غیر ملکی یا خلاف رواج دلھنیں -

(ب) عجیب و غریب خصوصیات

۱ - پاک دامنی -

۲ - نیکی

(الف) مرد بمقابلہ عورت ۔
(ب) مذکر اور مؤنث کا مخلوط علاقہ ۔

۳ ۔ نیکی کو قائم رکھنا

۴ ۔ مصائب

(الف) شناخت کے سلسلے میں امتحانات ۔
(i) پیش گوئی کا پورا ہونا ۔
(ii) پادشاهی یا بزرگی کے نشانات ۔
(iii) زیارت کی مہریں ۔
(ب) ناممکن کام ۔
(i) سوئمبر ۔
(ii) پہیلیاں ۔
(۱) اشاروں میں باتیں ۔
(iii) رسوم کے مطابق جؤا ۔

(دوم)—خبر

(الف) ۔ آغاز

۱ ۔ قسمت آزمائی

۲ ۔ غیب کی آوازیں

۳ ۔ پیش گوئی

(الف) قسمت بتانا ۔
(ب) جنم پتری ۔

۴ ۔ تقدیر

(الف) پہلے سے مقدر ۔
(ب) نوشتۂ قسمت ۔

۵ ۔ خواب جن سے آئندہ کی خبر معلوم ہو

(الف) تعبیر ۔

٦ ۔ فال

(الف) خدائی نظر ۔
(ب) شگون ۔

۷ ۔ خوش قسمتی

(الف) افعال ۔
(ب) اوقات ۔
(ج) علم نجوم ۔

۸ ۔ بد قسمتی

(الف) برا اتفاق ۔
(ب) گناہ ۔
(i) بیوگان
(ii) رسمی غلاظت ۔
(۱) کوڑھ ۔
(۲) کوڑھیوں کا علاج ۔
(iii) دختر کشی ۔
(iv) کفارہ ۔
(v) گناہ سے پاک کرنا ۔
(۱) رسوم کے مطابق اشنان کرنا ۔

(ب) ۔ واقعات

۱ ۔ زیورات

(الف) زیورات کی ابتدا ۔
(i) لعل ۔
(ii) موتی ۔
(ب) پھول ۔
(ج) قہقہے، آنسو اور گفتگو ۔

۲ ۔ عیاریاں

۳ ۔ رسوم

(الف) شادی ۔
(i) سگائی ۔
(ب) لے پالک ۔
(ج) وراثت ۔
(د) چیلا بنانا ۔
(ہ) سلسلے میں داخل کرنا ۔
(i) کان چھیدنا ۔
(و) ماتم ۔
(ز) روایات کے مطابق ۔
(i) مقابلے کی دعوت دینا ۔
(ii) بے عزتی ۔

۴ ۔ گھریلو رسوم

۵ ۔ عقائد

(الف) جانور ۔
(ب) غیر مرئی اجسام ۔
(ج) سورج یا چاند گرھن ۔
(د) انسانی بدن ۔
(ہ) طوفان ۔
(و) مقدس ہستی ۔

٦ ۔ عقائد پر مبنی رواج

(الف) مقبروں کے پہلو ۔
(ب) پناہ ۔
(i) حرم ۔
(ii) جائے حفاظت ۔
(iii) مہمان نوازی ۔

(ج) نام سے پکارنا ۔
(د) قیدیوں کو رہا کرنا ۔
(ہ) شاہی چتر ۔
(i) شوکت کے نشان ۔

(ج) ۔ نتائج

۱ ۔ شاعرانہ انصاف

۲ ۔ انتقام

(الف) سزا ۔
(i) عذاب ۔
(ب) رسوم کے مطابق خود کشی ۔
(i) اپنے آپ کو سزا دینا ۔
(ج) اجتاعی سزائیں ۔

اب ہم اس قابل ہیں کہ اس موضوع کی مختلف النوع تفاصیل کو چھیڑ سکیں اور ان سے بعض مخصوص نتائج اخذ کر سکیں مگر اس سلسلے میں ہمارے پاس مواد اس قدر زیادہ ہے کہ ہمیں بہت ہی اختصار سے کام لینا پڑے گا ۔ سب سے پہلے تو یہ دیکھنا چاہیے کہ بالعموم ہیرو کی پیدائش کسی مبارک دن ہوتی ہے اور اس کا حمل بھی کراماتی طور پر ٹھہرتا ہے اور وہ اپنی ماں کے شکم میں اگر فوق الفطرت طور سے نہیں تو کم از کم ایک خاص مدت تک ضرور رہتا ہے ۔ راجا جگدیو کی مثال میں اسے دوسرے کی جگہ دے دی جاتی ہے اور اس سے ہمیں ایک پرانے رواج کا پتا چلتا ہے کہ شاہزادوں کے نام درج رجسٹر کیے جاتے تھے ؛ ایک دوسری حکایت میں وہ وسعت قلبی سے خود ایثار کرتا ہے ۔ لوک کہانیوں میں بالعموم بچوں کو بدلنے کی وجہ نقصان پہنچانے کا جذبہ ہوتا ہے ۔ جہاں تک مجھے علم ہے ، محض اتفاق سے ایسا ہو جانا ایک غیر معمولی بات ہے - ایک حکایت میں وہ ایسا بچہ ہے جسے بڑے ہو کر اپنی میزبان کے بیٹے کو بچانے کی خاطر ایک راکھشس کو مارنا ہے اور

راکھشس بھی اپنے اس انجام سے ، جو اس کے لیے مقدر ہو چکا ہے ، آگاہ ہے ۔ ایسے واقعات میں وہ بدلہ چکانے والے ہیرو ہی کی ذرا مختلف صورت میں ظاہر ہوتا ہے ، جسے اس دنیا کی برائیوں کو درست کرنے پر مامور کیا گیا ہے اور یہ عقیدہ تمام دنیا کے مذہبی لوگوں میں عام پایا جاتا ہے ۔ موجودہ مجموعے میں یہ خیال بالعموم کچھ اس طرح کی صورت اختیار کرتا ہے کہ بچے کے مقدر میں لکھا ہے کہ وہ بڑا ہو کر اپنے والدین کو قتل کرے ۔ والدین اس انجام سے بچنے کے لیے اپنے ایسے بچے کو کسی تہ خانے میں مقید کر دیتے ہیں مگر انہیں اس سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا ۔ ایسا ہیرو ہر جگہ مصائب کا شکار ہوتا ہے ، جس کا سبب حسد یا کینہ ہے ، جسے ناکام محبت جنم دیتی ہے ۔ ہندوستانی بلکہ تمام مشرق لوک کہانیوں میں بے وفا بیویوں کے واقعات عام ہیں ؛ دو تو راجا رسالو کی کہانی ہی میں ہیں۔ایک اس کی سوتیلی ماں لوناں کے متعلق اور دوسرا اس کی اپنی بیوی کوکلاں کے متعلق ۔ بہر حال وہ احسان مند جانور کو بالآخر اپنے فائدے کے لیے استعمال کرتا ہے اور اپنے آپ کو ہیروئن کا خاوند بتا کر اس کے پاس پہنچ جاتا ہے ۔ اسے غیر معمولی قوت یا کمالات حاصل ہیں ؛ اس کی پہچان تقریباً ہر بار کسی نہ کسی قسم کی کرامت سے ہوتی ہے ؛ کئی بار اس میں وہ نشانات ملتے ہیں جو آنے والے ہیرو کے متعلق پہلے سے مشہور تھے ؛ یا اسے ایسے کام سرانجام دینے پڑتے ہیں ، جن کے متعلق مشہور تھا کہ انہیں صرف وہی انجام دے سکے گا ، اور یہ بھی ایک طرح سے پیش گوئی کا پورا ہونا ہے ۔ ویسے یہ نشانات اپنی جگہ بالکل معمولی ہوتے ہیں ، غیر معمولی نہیں ہوتے ۔ مثلاً اس کے گھوڑے کی پچھاڑی کی رسیاں بندھ جائیں گی ، یا اس کی تلوار خود بخود دیووں کو قتل کرے گی ، یا اس کا تیر سات تھالوں کو چھید دے گا ۔ وہ دو بانسوں کے اوپر رکھی ہوئی سونے کی تھالی کو گرا دیتا ہے ، یا وہ کسی ایسے درخت پر سے آم گرا دیتا ہے جہاں تک پہنچنا بہت دشوار ہے ۔

ہیرو کے ساتھی بھی روایتی ہوتے ہیں۔انسان ، جانور ، پرندے اور کیڑے مکوڑے ۔ وہ اس سے باتیں بھی کرتے ہیں اور مشکلات میں اس کی مدد بھی کرتے ہیں ۔ مثلاً راجا پارگ (پریکشٹ) کے پاس

ایک باز ہے جو اس کی جان بچاتا ہے۔ راجا رسالو کا طوطا اسے کئی بار اس کی محبوب عورتوں سے ملاتا ہے۔ راجا جگدیو جب مہم جوئی پر نکلتا ہے تو اس وقت اس کے ساتھ ایک گھوڑا اور ایک خادم ہوتے ہیں ، مگر پھر کامیابیوں کے بعد اسے بیوی ، باندی اور کئی خدمت گار بھی مل جاتے ہیں ۔ ہیرو کے انسان ساتھی اسے کئی بار چھوڑ بھی جاتے ہیں ؛ غالباً یہ حالات اس لیے پیدا کیے جاتے ہیں تاکہ ہیرو کی شان بڑھائی جائے ، مگر اس کے جانور ساتھی اس کے ساتھ پوری وفاداری کرتے ہیں اور بسا اوقات اپنے آقا کے لیے جان تک قربان کر دیتے ہیں ۔ ایسے واقعات نہ صرف ہندوستانی بلکہ تمام دنیا کی لوک کہانیوں میں ملتے ہیں ۔ ہیرو کے ساتھی بالعموم اس کے ساتھ ہی پیدا ہوتے ہیں اور ہر جگہ ان کی یہ قدرتی خصوصیت دکھائی جاتی ہے ۔ ہیرو اور اس کا گھوڑا یا اس کا وفادار دوست ایک ہی وقت اور مقام میں پیدا ہوتے ہیں ۔ اس سے عام لوگوں کی توجہ اس طرف مبذول کرانی مقصود ہوتی ہے کہ ان کی تقدیر بھی یکساں ہے ۔

ہندوستانی آبادی میں غالباً سب سے گہرا عقیدہ یہ پایا جاتا ہے کہ بیٹا ہونا نجات کا یقینی ذریعہ ہے ، اس لیے ہندوستانی لوک کہانیوں میں سب سے زیادہ واقعات اس قسم کے ہیں کہ کسی کے ہاں کرامت یا خوش قسمتی سے ایسا بیٹا پیدا ہوا جس نے بعد میں بڑے بڑے کارنامے سرانجام دیے ۔ کوئی اور ایسا واقعہ نہیں جس پر اتنی لوک کہانیاں مبنی ہوں ۔ یہاں کے لوگوں پر بیٹے کی خواہش کا اثر اس سے کہیں زیادہ ہے جو ان لوک کہانیوں سے ظاہر ہے ۔ گورو گگا کی کہانی میں راجا جیور اپنی بیوی سے کہتا ہے : ''بیٹے کے بغیر نجات نہیں ، جیسا کہ تمام مقدس کتابوں میں لکھا ہوا ہے ؛ ہماری زندگی دنیا میں اکارت گئی''۔ رانی باچھل جواب دیتی ہے : ''راجا ! میرے دل کی بات غور سے سنو ؛ میں بیٹے کے بغیر اسی طرح بے تاب ہوں ، جیسے رات کے وقت چکوی بے تاب ہوتی ہے ۔ اے راجا ! چکوی کی طرح مجھے دن رات چین نہیں ۔ ہمارے صحن میں کوئی بچہ نہیں کھیلتا اور میرا دل (غم سے) پر ہے''۔ راجا دھرو کی کہانی میں یہی بات زیادہ زور سے پیش کی گئی ہے : ''اجودھیا میں ایک مشہور راجا

اتان پات تھا ؛ اس کی رانی بانجھ تھی اور اسے اولاد کی کوئی امید نہ تھی ؛ وہ ناامید اور غمگین تھا ۔ اس کی رانی اسے ہمیشہ کہتی : ''راجا ! ہمارے ہاں کوئی لڑکا نہیں اور محل سونا ہے ، باغ خشک ہے، مالی کوئی نہیں''۔ ''رانی ! سوت مصیبت ہے اور دل جلاتی ہے ۔ جب تمھارا دل جلے گا ، پھر سمجھوگی ۔ رانی ! اگر تم دل سے ایسا چاھتی ہو تو میں دوسری رانی لا کر دل کا چین حاصل کر لیتا ہوں''۔ ''راجا دوسرا بیاہ کر لو ، میں اس کے خلاف کچھ نہیں کہوں گی ۔ محل میں ضرور ایک لڑکا ہونا چاھیے جو تخت کا وارث ہو ۔ راجا ! جس کے گھر میں دودھ اور پوت ہو ، اسے کوئی غم نہیں اور وہ چین کی نیند سوتا ہے ۔ بیٹے کے بغیر حکم اور عزت خالی چیزیں ہیں ، اس لیے راجا تمھارے لیے اور بیاہ کر لینا بہتر ہے''۔ یہ خواہش اس قدر قوی ہے کہ عورت اس کے لیے موت کو بھی برداشت کرنے کے لیے تیار ہے ۔ کسانوں میں اس خواہش کے اتنا عام ، اتنا قوی اور اتنا اہم ہونے کا اثر صرف ان کہانیوں اور حکایتوں میں ہی نہیں بلکہ ان کی روز مرہ زندگی کے واقعات پر بھی ہے اور بسا اوقات یہ چیز اہم صورت اختیار کر لیتی ہے ۔ عورتیں اپنی اس خواہش کی وحشیانہ تکمیل کی خاطر قتل تک کا ارتکاب کرتی ہیں ۔ دوسروں کے گھروں کو آگ لگا دیتی ہیں ، اور مجھے دو ایسے واقعات کا ذاتی علم ہے ۔ ایک نچلے طبقے کی عورت نے جس کے ہاں صرف لڑکیاں تھیں ، اپنی ہمسائی کی چھوٹی سی لڑکی کو مار ڈالا تاکہ اس کا خون دیوی کے بھینٹ چڑھا کر وہ اگلے حمل پر اپنے لیے لڑکا حاصل کر سکے ۔ اعلیٰ طبقے کی ایک بانجھ عورت نے اسی مقصد کے لیے اپنے ہمسائے کے گھر کو آگ لگا دی ۔

ہندوستان کے دیہات میں جتنے بھی ٹونے ٹوٹکے مشہور ہیں— اور ان کا کوئی شمار نہیں—ان کو بانجھ عورتیں یا بے اولاد آدمی ہی استعمال کرتے ہیں تاکہ وہ اپنی اس مشکل سے نجات پا سکیں ۔ ان کے نزدیک ہر فوق الفطرت طاقت خواہ وہ کوئی بڑا دیوتا ہو یا چھوٹا ، ہیرو ہو یا ولی ، دانا عورت ہو یا کٹنی ، جادو گر ہو یا شیطان ، دیو ہو یا راکھشس ، — انھیں بیٹا بخش سکتی ہے ۔ نہ

دینے والوں کے متعلق اعتقاد کی کوئی حد ہے ، نہ ان کے دینے کی طاقت کی کوئی حد سمجھی جاتی ہے اور یہ چیز ہندوستانی لوک کہانیوں کی ابتدا ھی سے ان میں پائی جاتی ہے ۔ اگرچہ اس مقصد کے لیے کئی قسم کے حیرت انگیز ٹوٹکے استعمال کیے جاتے ھیں مگر کہانیوں میں بالعموم اسی طریق کا ذکر آتا ہے کہ عورت کو ، جو ماں بننے والی ہے ، کھانے کے لیے کچھ دیا جاتا ہے — خواہ وہ پھول ہو ، یا پھل یا چاول ، یا اناج ، یا کوئی اور اس قسم کی چیز ۔ ان حکایات میں اس مقصد کے لیے دعاؤں اور فقیروں کی دخل اندازی کا بھی ذکر آتا ہے ۔ غالباً متبرک مقامات کی شہرت بڑھانے کے لیے ان سے ایسے واقعات منسوب کیے گئے ھیں ۔ ایسے مایوس لوگوں کی خواھشات پوری کرنے کے لیے جگہ جگہ متبرک کنویں ، جوھڑ ، تالاب ، مقبرے ، روضے ، قبریں اور دیگر جگہیں ملتی ھیں جہاں پر ایسے حاجت مندوں سے بطور فیس روپے وصول کیے جاتے ھیں ۔

نذروں ، نیازوں ، ٹوٹکوں اور جوگیوں اور فقیروں کی دعاؤں سے جو بیٹے پیدا ھوتے ھیں وہ بالعموم خاص قوتیں لے کر آتے ھیں اور بڑے ھو کر ھیرو بنتے ھیں ۔ جب تک یہ معلوم نہ ھو کہ ایک ہندوستانی کے نزدیک بیٹے کی کس قدر اھمیت ہے ، مثال کے طور پر بلوچ ھیرو ، جارو کے اس واقعے کے سامعین پر اثر کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا ، جس میں اس نے اپنی ایک احمقانہ قسم پوری کرنے کے لیے اپنے دو بیٹوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا ۔

خالصتاً فرضی ھیرو کے علاوہ ، مگر ان کے ساتھ گہرا تعلق رکھنے والے ایسے ھیرو یا شخصیتیں بھی ھیں جن کی ذات کے گرد بہت سے افسانے جمع ھو چکے ھیں ۔ شمالی ھند میں بہت سے ایسے مقبول خلائق جوگی اور ولی ھیں جو ھیرو کا درجہ رکھتے ھیں اور اس لحاظ سے ان کا گروہ خاصا اھم ہے ۔ شمالی ھند میں جوگی ، دیوتا یا ولی کو بالکل وھی درجہ حاصل ہے جو جنوبی ھند میں شیطان یا دیو کو ہے ۔ جہاں تک لوک کہانیوں میں ھیرو بنانے کا تعلق ہے ، اس لحاظ سے ان دونوں میں کوئی فرق نہیں اور ان کے متعلق کہانیوں کو اس طرح خلط ملط کر دیا جاتا ہے کہ انہیں ایک

دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا ۔ خواہ وہ ہندو ہو یا مسلمان یا محض فطرت کا کوئی مظہر ہو ؛ ولی ہو یا شیطان یا کوئی اور فوق الفطرت ہستی۔ ان کے متعلق ایک ہی طریق سے کہانیاں چلتی ہیں ۔ ہندوستانی لوک کہانیوں میں ایسے ہیروؤں کی عادات ، کمالات ، خصوصیات کارنامے اور زندگی کے حالات ایک جیسے ہوتے ہیں اور ان کی تہ میں وہی بنیادی تصورات پائے جاتے ہیں ۔ ایسے ہیرو کا کوئی خاص مذہب یا فرقہ نہیں ہوتا بلکہ اس کا تعلق اس مظاہر پرستی سے ہوتا ہے جو تمام ہندوستانی کسان طبقے میں یکساں پایا جاتا ہے ۔ مجھے ہندو گورو گورکھ ناتھ یا شمالی ہند کے مسلمان فقیر سخی سرور اور جنوبی ہند کے بے دین کوٹی اور چنیا میں کوئی فرق نظر نہیں آتا ۔ ان سب میں ایک جیسی خصوصیات پائی جاتی ہیں اور ان کا مجموعی لحاظ سے مطالعہ زیادہ آسان ہے ۔

ان حکایات میں راجاؤں اور لا دین ہیروؤں کی نسبت مقدس ہستیاں زیادہ ممتاز نظر آتی ہیں اور ان کی خصوصیات اور ان کے بارے میں اعتقادات خوب واضح کیے گئے ہیں ۔ چنانچہ جالندھر کے پیروں کی یاد کے گرد جو عجیب و غریب کہانیاں جمع ہو گئی ہیں ، اس میں ایک ہندو جوگی اور مسلمان پیر میں مقامی تفوق کے لیے مقابلے کے حالات بھی ہیں ۔ اس وقت یہاں یہ دکھانا مقصود ہے کہ ان دونوں کی خصوصیات اور قوتیں بالکل ایک جیسی بتائی گئی ہیں ۔ وہ دونوں فوق الفطرت قوتوں کے مالک ہیں اور ان کے درمیان مقابلے کے نتائج کا دار و مدار صرف اس بات پر ہے کہ کہانی بیان کرنے والا کس مذہب یا فرقے سے تعلق رکھتا ہے ۔

مر کر زندۂ جاوید ہو جانا اور پھر دوبارہ ظاہر ہونا ، ایسے تصورات ہیں جو تمام نسل انسانی میں عام ملتے ہیں ، مگر ہندوستانی متبرک ہستیوں میں یہ اوصاف بہت زیادہ پائے جاتے ہیں ۔ صرف گورو گگا ہی ، جسے ہندو اور مسلمان دونوں ولی سپاہی مانتے ہیں ، ظاہر پیر کا لقب نہیں رکھتا ، بلکہ ان صفحات میں ایک ایسی کہانی بھی ہے جہاں ایک لڑائی میں دونوں طرف سے ہندو اور مسلمان جوگی اور فقیر حصہ لیتے ہیں ؛ ایک دوسرے کو مارتے اور زندۂ جاوید

ہو جاتے ہیں ۔ مگر زندۂ جاوید ہونے کے علاوہ دوسرے معاملات میں ہم دیوتاؤں اور پیروں اور جوگیوں کو عوام کے ساتھ بہت ملا جلا پاتے ہیں اور ہمیں ایک سے زیادہ ایسی مثالیں ملتی ہیں جہاں ہندو نقطۂ نگاہ سے معبود کی خصوصیات کو بھی ایسی ہستیوں سے نسبت دی گئی ہے ؛ جیسے مثلاً گورو گورکھ ناتھ ہے جسے مجرد تصور کا درجہ دے دیا گیا ہے ۔ اس کے برعکس بعض کہانیوں میں شو اور پاربتی جیسے اعلیٰ ترین دیوی دیوتاؤں کو عام فانی انسانوں کے درجے پر لایا گیا ہے ۔

زندگیٔ جاوید ، یعنی یہ دل سوز امید کہ کوئی شخصیت پوری کی پوری موت سے مامون ہے ، اس کا تصور دنیا بھر کے انسانوں میں پایا جاتا ہے ، مگر ایسے ہندوستانی تصور میں پیروں کو بھوتوں اور ارواح سے بہت زیادہ خلط ملط کر دیا گیا ہے ۔ جیسے باقی دنیا میں بھوتوں کو یہ طاقت دی گئی ہے کہ وہ بالخصوص آدھی رات کو نظر آ جاتے ہیں ، یہاں پیروں کو وہی طاقت حاصل ہے ۔ ''آدھی رات پیروں کا وقت ہے'' ان کہانیوں میں یہ جملہ کئی بار آتا ہے ۔ بعض دفعہ یہ پیر خواب میں بھی نظر آتے ہیں اور میرا خیال ہے کہ وہ اس لیے خواب میں نظر آتے ہیں تا کہ کہانی کو آگے چلنے میں مدد ملے ۔

اگر ان زندۂ جاوید ہستیوں — یعنی ایک طرف بھوتوں ، ارواح اور اور دوسری طرف بڑے چھوٹے دیوتاؤں اور بہادر لوگوں — کے واقعات کا ، جیسے وہ ان کہانیوں میں ملتے ہیں ، بغور مطالعہ کیا جائے تو ہمیں اس بات کا مزید ثبوت ملے گا کہ عوامی تصور میں ان کا آپس میں بنیادی لحاظ سے کوئی فرق ہے اور نہ جوگیوں اور ولیوں کا، جنھیں ان ہی کی طرح زندۂ جاوید سمجھا جاتا ہے ۔ یہ سب ، باقی اور فانی ، ایک ہی جیسے کام کرتے ہیں ، ایک سی خصوصیات اور قوتیں رکھتے ہیں اور انھیں ایک ہی مقصد سے لوک کہانیوں میں لایا جاتا ہے ۔ ان کے عنوانات یا کمالات میں جو فرق نظر آتا ہے وہ محض ظاہری ہے اور مخالف مذہبی فلسفوں کے مختلف پہلوؤں پر زور دینے کے باعث ہے ۔ مثال کے طور پر جہاں بھوت اور ارواح کا ذکر ہو،

وہ کہانی مسلمانوں کے ماحول سے متعلق ہوگی اور جہاں دیوی، دیوتا یا سور بیر آئیں، اس کہانی کا تعلق ہندو ماحول سے ہوگا۔ اگر کہانی کا تعلق ہندو مت سے پہلے کے ایام سے ہو یا اس کا تعلق ہندو مت کے مخالف عقائد سے ہو تو وہ کہانی مظاہر فطرت یا بھوت پریت سے تعلق رکھتی ہوگی؛ مگر بنیادی لحاظ سے ان کہانیوں کا تعلق ایک ہی قسم سے ہوگا اور ان کے ہیرو ایسے ہوں گے جنھیں جوگی یا پیر یا بھوت یا ارواح قرار دیا جا سکے: البتہ وہ ایسے پیر ہوں گے جن پر مسلمانی کا لبادہ نہ ہوگا۔

بھوتوں اور روحوں کے تصور سے انھیں بعض زندہ انسانوں میں سے، جن پر انھوں نے اپنا اثر ڈال رکھا ہے، نکالنے کا تصور پیدا ہوتا ہے، مگر ان کہانیوں میں اس کا ذکر صرف ایک بار آتا ہے۔ حالانکہ باقی ہر قسم کے کراماتی اور طلسماتی علاجوں کا ذکر بکثرت ملتا ہے — اور وہ بھی بالواسطہ، مگر یہ بالواسطہ اشارہ بھی اپنے اندر خاص اہمیت رکھتا ہے۔ ایک ہندو جوگی ایک مسلمان خاندان کو دوائیوں اور جڑی بوٹیوں کی مدد سے بھوتوں اور بد روحوں سے نجات دلاتا ہے[1]۔ یہ بات قابل غور ہے کہ وہاں بھوت جن تھے جن کا تصور اسلام کا لایا ہوا ہے اور بد روحیں بھوت تھیں جن کے تصور کا تعلق ہندو مت سے ہے۔

ہندوستانی کہانیوں میں زندگیٔ جاوید کی ذرا بدلی ہوئی صورت عارضی موت ہے جس کا ذکر ان کہانیوں میں بار بار آتا ہے۔ راجا جگدیو کی کہانی میں اس کا خاص مذکور ہے؛ راجا ہری چند کی کہانی میں بھی اس کی طرف حقیقت پسندانہ اشارہ موجود ہے۔ اس سے صاف نظر آتا ہے کہ اس تصور کو عوام قبول کر چکے ہیں۔

ہندوستانی کہانیوں میں فوق‌الفطرت شخصیتوں کو، بعض دوسرے عام انسانوں کی طرح اندرونی نگاہ یا غیب جاننے کی صلاحیت بھی حاصل ہوتی ہے۔ وہ خفیہ عداوت اور غیر ثابت شدہ معصومیت

---

۱ - لوگوں کو جڑی بوٹیاں اور گولیاں دیتا ہے اور جن اشخاص پر جن اور بھوت کا اثر ہو، ان کا علاج کرتا ہے۔

کو ثابت کرنے کے علاوہ ان دیکھے چور بھی معلوم کر سکتے ہیں۔ تھیوسافی اور رہبانیت پسند بدھ مت کے بعض قائدین بھی یہ دعویٰ رکھتے ہیں ؛ یقیناً وہ اس بارے میں اور زیادہ علم رکھتے ہوں گے۔

فوق الفطرت ہستیوں کے متعلق یہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ انھیں بعض پیدائشی قوتیں حاصل ہوتی ہیں ، جن میں سے کرامات کی قوت سب سے اہم ہے۔ ولیوں کے پاس اس قدر زیادہ کرامات باور کی جاتی ہیں کہ کرامات ہی کو ولایت کا ثبوت سمجھا جاتا ہے ؛ روحانی آدمیوں کے نزدیک ان کی کرامات کا امتحان لینا کوئی برائی نہیں۔ ہر شخص جو کسی ولی سے ملتا ہے وہ اس کا امتحان لینے میں حق بجانب سمجھا جاتا ہے۔ یہ قوت کسی دوسرے کی طرف سے بخشی ہوئی بھی ہو سکتی ہے، اور ہمیں ان کہانیوں میں بہت سی ایسی مثالیں ملتی ہیں جہاں ایک ولی نے کسی اور کے ذریعے کرامات دکھائیں۔ ضروری نہیں کہ جس کے ذریعے کرامات دکھائی جائیں وہ فوق الفطرت ہستی ہو یا انسان ہو۔ نذر نیاز کی اشیا یا مقدس اشیا یا کسی ولی کی اشیا اس مقصد کے لیے کافی ہیں۔ کسی ولی کے کنویں یا چشمے سے بیماری دور ہو سکتی ہے ؛ یا اس کی بانسری، یا نادہ، یا گھوڑا، یا اس کی اور جان‌دار یا بے جان چیزیں اس کی کوئی معمولی سی خواہش بھی پوری کر سکتی ہیں۔ مقبروں اور روضوں پر جو کرامات ظہور میں آتی ہیں ان کا تعلق اسی صنف سے ہے۔ ہندوستان میں ایسی کرامات عام ہیں ؛ ان کی عمومیت نے اس خوبصورت خیال کو جنم دیا ہے کہ عاشق اپنی فوت شدہ محبوبہ کی قبر میں زندہ داخل ہو کر نظروں سے غائب ہو جاتا ہے۔ ہیر اور رانجھا کے عظیم افسانۂ محبت میں یہی ہوتا ہے اور میرا خیال ہے کہ وہاں یہ خیال ایک نسبتاً قدیم‌تر، مگر اسی قدر مشہور کہانی 'سسی پنوں' سے مستعار لیا گیا ہے۔ پہلے رانجھا کو ایسے ولی کا درجہ دیا جاتا ہے جس سے کرامات ظہور میں آتی ہیں ، پھر وہ ہیر کی قبر پر جا کر خدا سے دعا مانگتا ہے : ''یا اسے زندہ کر دے یا مجھے مار دے ؛ اے رب ! تیرے لیے سب کچھ آسان ہے ؛ تو زبردست اور رحمت والا ہے''۔ کہتے ہیں اس کے بعد ہیر کی قبر پھٹ گئی اور رانجھا اس کے اندر چلا گیا۔

جہاں تک انسانوں سے کرامات ظاہر ہونے کا تعلق ہے ، جالندھر کے ایک پیر کی مندرجہ ذیل قابل غور کہانی سے کسی نمائندے یا واسطے کے ذریعے کرامات کا ظاہر ہونا صاف نظر آتا ہے : '' 'شیر شاہ فوت ہو گیا ؛ میں اسے کہاں دفن کروں ؟' اور اس (بھائی) نے باوا جان سے عرض کی : 'مرنے والا مر چکا ہے ، میں اب کیا کروں ؟' پیر نے مراقبے سے سر اٹھایا اور کہا : 'جو بھی یہاں آئے تھے ، سب صحیح سلامت واپس جائیں گے ، خدا کا یہی حکم ہے ۔ تم کوڈے شاہ کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ وہ اس پر اپنا ہاتھ پھیر دے'۔ وہ حکم کے مطابق کوڈے شاہ کے پاس دوڑے گئے ؛ اسے باوا جان کا پیغام دیا اور اسے اپنے ساتھ لائے ۔ کوڈے شاہ نے کہا : 'دوستو ! میں تو ان کا غلام ہوں ؛ باوا جان خود ہی زندہ کرتے ہیں مگر نیک نامی مجھے دے دیتے ہیں'۔ جب کوڈے شاہ نے لاش پر اپنا ہاتھ پھیرا تو اس میں زندگی کی رو دوڑ گئی اور وہ بالکل تندرست ہو گیا ''۔

جب کرامات کو ولیوں کی صفت سمجھ لیا جائے ، پھر انسان اس چیز کو قبول کرنے کے لیے بھی تیار ہو جاتا ہے کہ یہ روحانی بزرگ اپنے ذاتی وقار کے لیے ، اپنی اور اپنے مریدوں کی حفاظت کے لیے ، یا ان کے متعلق جو کہانیاں ہیں ان کی ضروریات کے مطابق ہر کام کرنے کی طاقت رکھتے ہیں ۔ اس کے باوجود بسا اوقات کہانی بیان کرنے والے کی جدت طرازی پڑھنے والے کو حیرت میں ڈال دیتی ہے ۔ نرسا بھگت کی مشہور کہانی میں یہ اچھوتا خیال پایا جاتا ہے کہ دیوتا ایک دستاویز کے عوض چیک کی طرح رقم ادا کرتے ہیں ۔ شاہ قمیس کی کہانی میں شاہ مذکور فرماں روائے وقت کو ڈرانے کے لیے اپنی آستین میں شیر چھپا کر لے جاتا ہے ۔ ایک اور مثال میں ایک قدیم الخیال ہندو جوڑا ، جو آپس میں جدا تھے ، انھیں دوبارہ زندہ کرنے کے بعد گورو ان کا جائز بیاہ کرا دیتا ہے ، حالانکہ یہ بات مسلمہ ہندو رواج کے بالکل خلاف ہے ۔

مگر ہندوستانی کرامات کے متعلق سب سے زیادہ سبق آموز اور قابل غور کہانی وہ ہے جو مشہور راجا جے سنگھ سوامی والئی جے پور

کے سائنسی اور علم نجوم کے متعلق تجربات سے پیدا ہوئی ہے۔ یہ راجا آج سے صرف ڈیڑھ سو برس پیشتر ہوا ہے مگر اس کا واقعہ قدیم حکایات میں شامل ہو چکا ہے۔ راجا جگدیو کی کہانی سے اس واقعے کا اقتباس یہاں نقل کرنا غیر مفید نہ ہوگا: ''اب راجا جے سنگھ کا ایک اپنا چاند تھا، جسے وہ آسمان پر لٹکایا کرتا تھا تاکہ اس کے شہر میں روشنی رہے۔ جب راجا جگدیو اس شہر میں آیا تو اس چاند کو حسب معمول روشن کیا گیا۔ اس نے اسے دیکھا تو اس کے متعلق دریافت کیا۔ لوگوں نے اسے بتایا کہ یہ ایک مصنوعی چاند ہے جسے راجا جے سنگھ نے تیار کیا ہے۔ یہ سنتے ہی اس نے راجا سے ایک عملی مذاق کرنے کا فیصلہ کیا۔ پہلے اس نے یہ معلوم کیا کہ چاند بنانے والے کہاں رہتے ہیں؛ پھر ان کے پاس اپنا ملازم بھیجا کہ وہ آ کر اسے بھی راجا جے سنگھ کے چاند کی طرح کا ایک چاند بنا دیں۔ چاند بنانے والے تیلی کا انجام سن چکے تھے (راجا جگدیو نے اس تیلی کو مار ڈالا تھا، جس نے اس کے ملازم کو تیل دینے سے انکار کیا تھا۔) اس لیے وہ مارے ڈر کے انکار نہ کر سکے اور خادم کے ساتھ راجا جگدیو کے گھر پہنچ گئے۔ جب وہ آئے تو راجا جگدیو نے ان سے پوچھا کہ تم ایک چاند بنانے کا معاوضہ کیا لو گے؟ انہوں نے جواب دیا: 'جو آپ کا جی چاہے'؛ چنانچہ اس نے انہیں پانچ صد سونے کی مہریں دیں اور حکم دیا کہ جے سنگھ کی طرح کا چاند بنا دو، اور انہوں نے اسے ایک ایسا چاند بنا دیا جو تیل کے بغیر آسمان پر روشنی کرتا تھا۔ سارے شہر میں شور مچ گیا۔ راجا جے سنگھ نے اپنے وزیر سے کہا: 'سورج نکل آیا ہے'۔ جب چاند سازوں نے دوسرا چاند چڑھایا تو راجا کو اس کے متعلق خبر ہو گئی اور اس نے دریافت کیا: 'کس نے ایسا کام کیا ہے؟' اس کے ملازموں نے اسے بتایا کہ یہ اس شخص کے حکم سے ہوا ہے جس نے تیلی کو مار ڈالا تھا''۔

پیروں کی عظمت، نیز ان مقبروں کی مقبولیت کے لیے، جن کی آمدنی پر بھاٹ اور داستان گو پلتے ہیں، ضروری ہے کہ یہ لوگ اپنی اور اپنے مریدوں کی حفاظت کرنے کے قابل ہوں؛ اس لیے ان کہانیوں میں پیروں کے ایسے حیرت انگیز واقعات کثرت کے ساتھ ملتے ہیں۔

وہ آگ میں رہ کر نقصان سے بچ سکتے ہیں اور کسی تکلیف کے بغیر کئی کئی دن بھوکے رہ سکتے ہیں؛ تیر، پتھر، گولی، خنجر وغیرہ ان پر کچھ اثر نہیں کرتے، وہ اپنی بیڑیاں توڑ کر پھینک سکتے ہیں، انہیں پھانسی پر نہیں لٹکایا جا سکتا، وہ جانوروں کو رام کر سکتے ہیں، ان پر قابو پا سکتے اور انہیں آسانی سے مار سکتے ہیں؛ بلکہ اتنے معمولی ذاتی کاموں کے لیے کہ پرندے ان کے باغ سے دور رہیں، وہ اپنی فوق الفطرت قوتیں کام میں لاتے ہیں۔ ایک جگہ شاہ قمیس صرف اس لیے کہ اپنے گھوڑے کو مسجد میں رکھ سکے اور مسجد ناپاک نہ ہو، اس گھوڑے کو چالیس دن تک بول و براز سے روکے رکھتا ہے۔ راجا رسالو اپنی رانی کے سینے پر کیتلی رکھ کر چاول پکا لیتا ہے اور صرف کھانا کھانے کے لیے پتھر سے پانی حاصل کرتا ہے؛ علاوہ ازیں وہ اپنی محبوبہ تک پہنچنے کے غیر مستحسن کام کے لیے مقفل دروازوں کو چابیوں کے بغیر کھول لیتا ہے۔ ان تمام واقعات کے بعد انہی کہانیوں میں یہ پڑھ کر حیرانی ہوتی ہے کہ ناپسندیدہ کاموں یا اپنی بڑائی کے اظہار کے لیے کرامات دکھانا غلط بات ہے۔ مشکلات میں اپنی حفاظت کے لیے اپنے ارد گرد مریدوں یا وحشی جانوروں کا ہجوم جمع کر لینا غالباً اسی خیال کی ذرا تبدیل شدہ صورت ہے کہ تمام سخت آزمائشوں میں غائبانہ فوق الفطرت مدد لے لینی چاہیے اور یہ خیال دنیا بھر کے عوام کے دماغوں پر بری طرح سے چھایا ہوا ہے۔ یہ چیز ہماری توجہ اس طرف مبذول کرتی ہے کہ پیروں اور ولیوں وغیرہ سے جو کرامات منسوب کی جاتی ہیں، ان کا مطالعہ کرتے وقت اس بات کا خیال رکھنا بہت زیادہ دلچسپی کا باعث ہوگا کہ یہ کرامات کس حد تک لوگوں کے ان اعتقادات کے مطابق ہیں، جن کا اظہار لوک کہانیوں میں ہوتا ہے؛ نیز وہ کس حد تک لوک کہانیوں پر مبنی ہیں اور کس حد تک خود لوگوں کی خواہشات اور توقعات ان کا باعث بنتی ہیں۔ چنانچہ ہم مندرجہ ذیل کرامات کو جو بار بار پیش آتی ہیں، حیات جاوداں اور اس کے ضمنی تخیلات سے منسوب کر سکتے ہیں:- مردے کا زندہ ہو جانا، بت کا زندہ ہو جانا، ایک مادر زاد ولی بچے کا کھیل کی ضرورت کے لیے لکڑی کے گھوڑے کو دوڑا لینا یا دیوار کو گھوڑا بنا کر بھگانے

پھرنا ، انسانی بدن کی راکھ سے اسی انسان کا دوبارہ زندہ ہو جانا ، جس دولھا اور دلھن کو کوئی جانور یا قبر نگل گئی تھی ، ان کا پھر زندگی کی طرف لوٹ آنا اور وہ گھوڑا اور بکرا جن کا گوشت کھایا جا چکا ہے ، ان کا دوبارہ صحیح و سلامت ہو جانا اسی فکر کی دور از کار توسیع ہے ۔ اسی طرح سوکھے ہوئے باغ ، درخت یا جنگل کا ہرا ہو جانا بھی اسی خیال کی مختلف صورت ہے ۔ دوب گھاس کو ہمیشہ کے لیے ہرا کر دینا اور پھل دار درختوں کا بے وقت پھل لے آنا بھی اسی بنیادی خیال کی ارتقائی صورت ہے ۔

جہاں مرے ہوئے کو زندہ کیا جا سکتا ہے ، وہاں بیمار کو صحت مند بنانا کوئی مشکل کام نہیں اور جیسا کہ بجا طور سے توقع کی جا سکتی ہے ، یہ حکایات اس قسم کی کرامات سے بھری پڑی ہیں ؛ بلکہ ہر پیر کا تجارتی مال ہی یہ چیز ہے ۔ میری رائے میں ان باتوں کا تعلق بھی صحت بحال کرنے ہی کے ساتھ ہے ۔ برکت دینا ، اچھا نصیبہ لانا ، خواہشات پوری کرنا ، ہر قسم کی مدد مہیا کرنا ، بالخصوص اپنے مریدوں اور معتقدوں کو ؛ اسی طرح ان پیروں کو خاص طور سے یہ طاقت حاصل ہوتی ہے کہ وہ ہندوستانی کسانوں کی سب سے بڑی خواہش کہ ان کے بیٹے ہوں جو ان کے بعد ان کے وارث ہو سکیں ، پوری کر سکیں ۔ ایسے واقعات ان کہانیوں میں بار بار پیش آتے ہیں مگر اس کے ساتھ پیروں کی مدد سے زندگی میں ترقی اور اعلیٰ مراتب حاصل کرنے کے واقعات بھی ملتے ہیں ۔ اسی کے ساتھ دیہاتی کسانوں کی ایک اور نعمت بارش اور سمندری سفر کرنے والوں کی ضرورت باد موافق اور ڈوبنے سے حفاظت کی خواہشات بھی آ جاتی ہیں ، اس لیے پیر یہ سب کچھ کر سکتے ہیں ۔ پنجاب جیسی سر زمین میں جہاں بڑے بڑے خطرناک دریا بہتے ہیں ، دریاؤں کا عبور کرنا لوگوں کی زندگیوں میں ایک کٹھن کام متصور ہوتا ہے ؛ چنانچہ ہمیں ایسے پیر بھی نظر آتے ہیں جو دریا کو جلدی سے عبور کرنے کے لیے اپنے کشکول کی کشتی اور ڈنڈے سے چپو بنا لیتے ہیں ۔ اس خاص کرامت کا تعلق کراماتی ذرائع حمل و نقل کے عام اعتقاد سے ہے ۔

دولت ، جس میں خوراک کی بہتات بھی شامل ہے ، اور اس کے

حصول کی خواهش دنیا میں هر جگه پائی جاتی ہے ؛ چنانچه همیں ایسے پیر بھی ملتے هیں جو مدفون خزانے دریافت کر سکتے هیں ، هر چیز کو سونے میں تبدیل کر سکتے هیں اور هیرے جواهرات اور زیورات مہیا کر سکتے هیں ؛ ایسے پیر بھی ملتے هیں جن کے لیے سورج مچھلی بھون دیتا ہے اور جو اپنے مریدوں کے لیے اپنی کرامت سے کھانا مہیا کر دیتے هیں ؛ مگر حرص محض ضروریات سے بہت زیادہ کی طالب هوتی ہے ، اس لیے ان افسانه طرازوں کو انسانی طبیعت کی اس کمزوری کی تسکین کے لیے پیروں سے اس قسم کی کرامتیں بھی منسوب کرنی پڑیں : جیسے ختم نه هونے والا خزانه ، یا ایسا برتن جس میں سے خوراک ختم نه هو ، یا ایسے تھیلے جن سے اناج ختم نه هو ، یعنی ''روٹیوں اور مچھلیوں'' جیسی کہانیاں — نیز چھپے هوئے خزانے دریافت کرنا ، سونا اور جواهرات اور دیگر قیمتی اشیاء مہیا کرنا اور وہ بھی اپنے مصلے کے نیچے سے ۔ جب چیزیں ناقابل ختم مقدار میں مہیا کی جائیں گی تو قدرتاً اس سے اگلا قدم ایسے وجود هوں گے جن کی کھانے پینے کی استعداد بھی لامحدود هوگی ؛ چنانچه همیں هیروؤں ، دیوتاؤں ، راکھشسوں وغیرہ میں پرخوری کی عجیب و غریب مثالیں نظر آتی هیں ۔ راکھشس میں جو همیشه هیرو کا دشمن هوتا ہے ، یه بات بالعموم پائی جاتی ہے ۔

فائدہ پہنچانے کے ساتھ هی قدرتاً نقصان پہنچانے کی فوق الفطرت طاقت بھی آ جاتی ہے اور اس کی دلچسپ اور عجیب و غریب صورتیں هیں ؛ اسی کے ساتھ پیروں کی بددعا ، خوابوں میں پریشان کرنا اور ڈرانا بھی آ جاتا ہے : ''وہ جو مدد کر سکتا ہے ، نقصان بھی پہنچا سکتا ہے''۔ ''خدا هی دیتا ہے اور خدا هی لے لیتا ہے''۔ اس قسم کے فقرے عام ملتے هیں اور ان سے هیروؤں کی شان بڑھانے کا کام لیا جاتا ہے ۔ حکایات میں ان باتوں کو بالعموم لایا جاتا ہے اور ان پر هر ممکن زور دیا جاتا ہے ۔ پیر مدد بھی کرتے هیں ، نقصان بھی پہنچاتے هیں ؛ دیتے بھی هیں اور لے بھی لیتے هیں اور اسی لمحے دوبارہ واپس بھی دے دیتے هیں ۔ اپنے دشمنوں کے تمام کنوؤں کا پانی اپنے دوستوں کے کنوؤں میں لے آنا ، جیسے گورکھ ناتھ سے منسوب کیا گیا ہے، ایسا کام

ہے جس کی پنجاب کی خشک اور بے آب زمین میں بہت قدر ہوگی ۔ اسی طرح پنجاب کے بھوکے اور حریص کسان سخی سرور کی اس سزا کی اہمیت بھی خوب سمجھیں گے کہ انھوں نے اپنے ایک نافرمان مرید سے کھایا ہوا کھانا اگلوا لیا اور اس کے سونے کے برتنوں کو دوبارہ پیتل کے بنا دیا ۔

جس طرح عنایات دوسروں کے ذریعے کی جا سکتی ہیں ، بالکل اسی طرح دوسروں کے ذریعے نقصان بھی پہنچایا جا سکتا ہے ۔ اس تصور کے مطابق ایک شہر کو آگ لگ جانے کا سبب یہ ہے کہ وہاں حاکم نے ایک ولی کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دی تھیں ۔ اور آخر میں ، جیسے بھاٹوں اور مراثیوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے گیتوں کے ذریعے ولیوں کی شان بڑھائیں اور لوگوں کے دلوں میں یہ بات ڈالیں کہ یہ لوگ نقصان بھی پہنچا سکتے ہیں ، اسی طرح وہ اس کو بھی لازمی سمجھتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کی انفرادیت قائم رکھیں، کیوں کہ وہ بالعموم ان کے اپنے ولی ہوتے ہیں - اس لیے بعض ولیوں سے بعض کرامات مخصوص کر دی گئی ہیں ۔ مثال کے طور پر دھنا بھگت کا تعلق پتھر سے خدا بنانے کی کہانی سے ہے، روڈے شاہ کا کمال یہی ہے کہ اس نے دوب گھاس کو خشک موسم میں بھی ہرا کر دیا ہے ، گورو گگا اپنی ماں کے پیٹ کے اندر سے بات کرتا ہے ، سخی سرور کا تعلق ان متعدد کرامات سے ہے جو وہ اپنے مزار پر دکھاتے ہیں اور گورکھ ناتھ سے ''کارو کی سر زمین'' میں کراستوں کا ایک طویل سلسلہ ظاہر ہوتا ہے ۔

اگرچہ ولیوں کی کہانیاں عام ہیں مگر ان سے جو اتنی زیادہ کرامات ظاہر ہوتی ہیں ، اس کا باعث مقامی لوگوں کا لطیف چیزوں کی طرف خاص ذہنی طرز عمل ہے ۔ ہندوستان میں کرامت سے لوگوں کو زیادہ حیرانی نہ ہوگی، بلکہ لوگ اسے کسی حد تک روزمرہ زندگی کا عام واقعہ سمجھتے ہیں ؛ وہاں ہر روز کرامات ہوتی رہتی ہیں ، ہر گاؤں میں ایسی مثالیں پیش آتی ہیں ، ہر شخص ایسے لوگوں کو جانتا ہے جنھوں نے اپنی آنکھوں سے ایسے واقعات دیکھے ہیں ؛ یہاں تک کہ یورپین لوگ بھی اپنے ارد گرد مفروضہ کرامات کے واقعات کا لحاظ

رکھے بغیر اپنے مقامی ہمسایوں کے خیالات اور رواجوں سے واقف نہیں ہو سکتے ؛ بلکہ یہاں عام خیال ہے کہ خود یورپین لوگوں سے بھی ایسے واقعات پیش آتے ہیں ۔ مثلاً یہ عام طور سے مشہور ہے کہ سر ہنری لارنس کو فیروز پور (پنجاب) میں ایک ولی کی خواہش پوری کرنی پڑی کیوں کہ اس ولی کی روحانی طاقت کے باعث اسے نیند میں ڈرا دینے والے واقعات پیش آئے ۔ تقریباً اسی قسم کی کہانی انبالا چھاؤنی میں میرے متعلق مشہور ہے اور میں نے خود اس بچے کے بیٹے سے بات چیت کی ہے ، جس کے متعلق یہ مشہور ہے کہ سخی سرور نے اسے دانی جٹی کی خاطر مردہ سے زندہ کر دیا تھا ؛ اب اسی دانی جٹی کے گیت پنجاب بھر میں گائے جاتے ہیں ۔ جس شخص سے میں نے بات کی تھی ، اسے اور اس کے ہمسایوں کو اپنے باپ اور دادی کے ان واقعات کے بارے میں ذرہ بھر شبہ نہ تھا ۔ انھیں کبھی خیال تک نہ آیا تھا کہ اس واقعے کے بارے میں شبہ بھی کیا جا سکتا ہے ۔ رام سنگھ کوکا جس نے برطانوی حکومت کے خلاف ایک معمولی سی نیم مذہبی بغاوت کی تھی اور اس جرم کی پاداش میں قید کر دیا گیا تھا اور جسے راقم‌الحروف ذاتی طور سے جانتا ہے ، اس کے متعلق عام مشہور ہے کہ اس نے فیروز پور میں اپنے ایک چیلے کی جائداد کو بچانے کی خاطر اس کے مکان کے شہتیر کی لمبائی میں اضافہ کر دیا تھا ۔ مجھے اس مبینہ کرامت کے واقع ہونے کے دس برس کے اندر ہی وہ شہتیر دکھایا گیا تھا اور دکھانے والوں کو اس واقعے کے متعلق ذرہ بھی شبہ نہ تھا ۔ جہاں ایسے حالات ہوں وہاں ولیوں اور جوگیوں کی کرامات کے موضوع پر جو کچھ لکھا گیا ہے ، وہ تعجب کا باعث نہیں ہو سکتا ۔

اب تک ہم نے کرامات کے متعلق لکھا ہے ، جن کی اہمیت کا راز ان کی اشاعت میں ہے ؛ مگر بھاٹ اور افسانہ گو اس بات کو ہرگز نہیں بھولے کہ چھپی ہوئی یا ظاہر نہ کی گئی کرامات کی ان کے اپنے لیے کس قدر اہمیت ہے ، کیوں کہ وہ اس کے ذریعے عوام کے تصور کو اپنے ذاتی فائدے کے لیے استعمال کر سکتے ہیں ۔ جالندھر کے پیروں کے گرد جو کرامات جمع ہو گئی ہیں ، ان میں ایک خاص کہانی

''صوفی احمد جالندھری کی ظاہر اور خفیہ کرامات'' کے بیان کے متعلق بھی ہے۔ دوسری کہانی میں بیماری اور خاندانی پاگل پن کا باعث شاہ قمیس کی خفیہ کرامات کو ظاہر کر دینا بتایا گیا ہے۔ جب ہم یہ خیال کرتے ہیں کہ خفیہ کرامات کی طاقت رکھنے کا اثر ہندوستان کے سادا اور جاہل عوام کے ذہنوں پر کس قدر ہے، تو ہمیں یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہاں کی لوک کہانیوں میں ان باتوں کا اور زیادہ تذکرہ ہونا چاہیے تھا؛ البتہ اگر ان واقعات کے بیان کو بےضرورت تجسس کی سزا کے تصور کی بگڑی ہوئی صورت قرار دیا جائے تو پھر اور بات ہے اور دنیا بھر کی لوک کہانیوں میں یہ تصور عام ملتا ہے؛ جیسے مثلاً بلیوبئرڈ کی بیویوں کی کہانیوں میں مگر پھر اس کے متعلق یہ خیال ہوگا کہ خود یہ تصور بھی ایک ممانعت پر مبنی ہے۔

کرامات وہ حیرت انگیز واقعات ہیں جو قانون کے مطابق ہوں اور جادو خلاف قانون حیرت انگیز واقعات کا نام ہے۔ خود یہ واقعات، خواہ وہ کرامات سے ظہور میں آئیں یا جادو سے، بہت حد تک ایک جیسے ہوتے ہیں اور ہندوستان میں ایک ہی مقصد کے لیے انہیں عمل میں لایا جاتا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ایک قسم کے واقعات درست اور پاکیزہ ہیں اور دوسری قسم کے غلط اور ناپاک۔ کرامات کے ذریعے حیرت انگیز واقعات انجام دینا اچھا ہے مگر جادو کے ذریعے وہی نتائج بروئے کار لانا برا ہے؛ اور چونکہ بھاٹ کی نظروں میں سب ہیرو، خواہ وہ روحانی لوگ ہوں یا دنیادار، قابل احترام شخصیتیں ہیں، اس لیے کوئی تعجب نہیں کہ ان کہانیوں میں جادو کا ذکر بہت کم ہے؛ بلکہ لاتعداد حیرت انگیز واقعات جو ان کہانیوں میں پیش آتے ہیں، ان کے لیے جادو کو کہیں کہیں بہت کم استعمال کیا گیا ہے۔ ایک جگہ ناگوں کی ایک لڑکی سے ضرور جادو منسوب کیا گیا ہے مگر وہ بھی صرف ایک بھاری پتھر کو دور کرنے کے لیے۔ یہی کام اگر کوئی روحانی آدمی کرتا تو اسے کرامت کہا جاتا۔ ایک اور جگہ اسے گورو گورکھ ناتھ سے منسوب کیا گیا ہے، حالانکہ اس واقعے کے جو حالات ہیں، ان کے مطابق ناگا شہزادی کے واقعے کو کرامت کہنا زیادہ درست تھا؛ ویسے بھی ان صفحات میں گورو گورکھ ناتھ کے متعلق

بےشمار کرامات بیان کی گئی ہیں ۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بیاٹ کرامت اور جادو کو خلط ملط کر گیا ہے ۔

جہاں تک ہمدردانہ جادو کا تعلق ہے ، یہ کرامت کی تفویض کردہ قوت ہی کا دوسرا نام ہے ؛ اس لیے اسے دوسرے کے ذریعے علاج کہا جا سکتا ہے ۔ اس کی مثال راجا ڈھول کی کہانی میں ملتی ہے ، جہاں ایک گدھے کی ٹانگ کو داغنے سے ایک قیمتی اونٹ کی ٹوٹی ہوئی ٹانگ درست ہو جاتی ہے ۔ زندہ یا صحت مند ہو جانا یعنی علاج ؛ اور اس کے برعکس پتلے کو جلانے یا اس کا کوئی عضو کاٹنے کے ذریعے کسی کو تباہ کرنا یا نقصان پہنچانا بھی اسی خیال ہی کی توسیع ہے ۔

جب عوام کے ذہن میں کوئی اعتقاد راسخ ہو جاتا ہے تو پھر اس کی بنیاد پر وحشیانہ اور ظالمانہ رسوم بھی پیدا ہو جاتی ہیں ۔ ہندوستان اور دیگر کئی ممالک میں مفید جادو کے بےضرر تخیل نے انسانی قربانی کی رسم کو جنم دیا ہے ؛ ان کہانیوں سے بھی اس کا واضح ثبوت ملتا ہے ۔ ایک جگہ فقیر ایک مشہور طبیب کا بدن کھا جاتے ہیں تاکہ انہیں بھی اس کی شفا دینے کی طاقت حاصل ہو جائے ۔ اور بلوچی ہیرو اپنے دشمن کی پسلیوں کا گوشت بھون کر کھاتے ہیں تاکہ اس کی لڑنے کی قوت حاصل کر لیں ۔

مفید جادو میں اعتقاد کی ایک بےضرر قسم نے جہاں اور بہت سی خوبصورت اور عجیب و غریب رسموں کو جنم دیا ہے ، وہاں اس نے ایک اور صورت بھی اختیار کی ہے جس کی دریافت کا فخر آج سے کئی برس پیشتر ''جاگتے کی کہانیوں'' کے متعلق لکھنے کے دوران میں مجھے حاصل ہوا اور میں نے اسے ''راہ نمائے زندگی'' کا نام دیا ۔ اب اسے لوک کہانیاں لکھنے والوں کے فنی امور میں ''علامت زندگی'' کے تحت خاص جگہ حاصل ہوچکی ہے، مگران حکایات میں اس کے متعلق زیادہ کچھ سننے میں نہیں آیا ؛ ہاں ایک جگہ ایک ہیرو کو جب ایک لڑکی بطور دلھن پیش کی جاتی ہے تو اس کے ساتھ ایک آم کا پودا بھی دیا جاتا ہے۔ جب درخت پھل لائے گا ، اس وقت وہ لڑکی شادی کی عمر کے قابل ہو جائے گی ۔ اس سے کسی حد تک یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ یہ درخت اس کی زندگی کی علامت ہے ۔ یہ رسم ہم انگریزوں کے لیے اور زیادہ

دلچسپی کا باعث ہو سکتی ہے کیوں کہ ہمارے ہاں انگلستان میں بچوں کی پیدائش کی یادگار کے طور پر درخت، بالخصوص پھل‌دار درخت لگانے یا خاندان کے بعض بچوں کو کسی درخت کے ساتھ منسوب کرنے کا عام رواج ہے ؛ بلکہ خود راقم‌الحروف سے بھی ایسا واقعہ پیش آ چکا ہے ۔ میرے اور میرے ہم عمروں کے ساتھ منسوب کردہ درخت ابھی تک ہمارے پرانے گھر میں موجود ہیں ، اس لیے ممکن ہے کہ دنیا بھر میں مقامی اور ملکی واقعات کی یادگار منانے کے سلسلے میں درخت لگانے کی یہ رسم، جسے اب ہم علامتی درختوں کی رسم کہتے ہیں، مثلاً میرے خاندانی گھر کے باہر ، جس کا ذکر ابھی اُوپر آ چکا ہے ، انقلابی آیلم اور بہت سے مشہور شاہ بلوط اور آیش اور ژیو کے درخت۔ اس کا تعلق کسی حد تک مفید جادو کے بنیادی تخیل سے ہو ۔

جب ہم کرامات یا جادو کے ذریعے واقعات کا ہونا تسلیم کر لیتے ہیں تو آسے ان کے تسلیم شدہ یا قدیم طریقوں کو تسلیم کرنا بھی لازم آتا ہے ، جس سے منتروں یا تعویذوں کا وسیع موضوع سامنے آ جاتا ہے ، مگر ان کہانیوں میں ان کے متعلق کوئی خاص تفصیل نہیں ، کیوں کہ انھیں ایسے معروف معاملات سمجھا گیا ہے ، جن کے متعلق سب جانتے ہیں ۔ ان کے متعلق صرف اتنی ہی تفصیل دی جاتی ہے جو کراماتی افعال کو مختصراً بیان کرنے کے لیے ضروری ہو ؛ اور جو تفصیل دی جاتی ہے ، اسے یہاں کے اوہام پسند کسان دافع‌الامراض تعویذ گنڈوں ہی کا حصہ سمجھتے ہیں۔ یہاں کے لوگوں کے دلوں میں تعویذ گنڈوں کو جو اہمیت حاصل ہے وہ اس بات سے اور واضح ہو جائے گی کہ ان کے نزدیک تعویذ گنڈوں کا مصرف زیادہ تر یہی ہے کہ وہ سانپ کے کاٹنے سے محفوظ رکھیں یا سانپ کے کاٹے سے شفا دیں ، کیوں کہ ہندوستانی کسان کو سب سے زیادہ خوف زدہ کرنے والی چیز یہی ہے ، اور سانپ کے معاملے میں وہ اپنے آپ کو بالکل مجبور پاتا ہے اور فوق‌الفطرت مدد لینے پر مجبور ہو جاتا ہے ۔ یہ تعویذ گنڈے اصل کرامات سے اس قدر ملتے جلتے ہیں کہ انھیں در اصل کراماتی علاج ہی کی ایک قسم سمجھنا چاہیے ۔ سانپوں کے علاوہ خود منتر کرنے والوں کے ضرر سے بچنے کے لیے بھی

تعویذ گنڈے موجود ہیں ۔ بدنی ضرر سے بچنے کے لیے جو چیزیں بنائی جاتی ہیں ، ان میں صرف تلسی کے منکوں کی مالا ہے ۔

تعویذ گنڈوں یا منتر کرنے والوں کے متعلق تفاصیل نہ ملنے سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ یہ چیزیں بہت کم ہیں ، یا عوام ان میں کوئی خاص دلچسپی نہیں لیتے ، بلکہ معاملہ اس کے برعکس ہے ؛ خود انھی حکایات میں ـــــ لال بیگ کے 'شجروں' سے اس کا ثبوت ملتا ہے ۔ لال بیگ خاک روبوں کا گورو یا ہیرو ہے، ہندوستان کے خاک روبوں نے اپنا ایک الگ مذہب بنا رکھا ہے جس کی اپنی رسوم ہیں ۔ اصل میں انھوں نے تمام اوہام و مذاہب سے ، جن سے انھیں واسطہ پڑا ہے ، بعض اشخاص کے حالات لے کر انھیں جمع کر لیا ہے اور ان کی رسوم میں یا تو ان حالات کو دہرایا جاتا ہے اور یا بہت سے مقبول عوام منتر پڑھے جاتے ہیں ۔

نیک آدمیوں کی دعا یا سفارش سے انسانی معاملات میں فوق الفطرت دخل اندازی ایک پسندیدہ عقیدہ ہے جو ہر جگہ پایا جاتا ہے ۔ ان حکایات میں یہ دعویٰ کہیں نہیں کیا گیا کہ روحانی لوگ یا ہیرو خود یہ کرامات دکھاتے ہیں ، سخی سرور مردہ گھوڑے کو دعا سے زندہ کرتے ہیں ۔ شیخ درویش دعا سے سفید بالوں کو سیاہ کرتے ہیں ، شاہ قمیس دعا سے کنواں نمودار کرتے ہیں ، راجا رسالو دعا سے مردہ بدن کو زندہ کرتا ہے ، ہندو کٹنی خدا سے دعا مانگتی ہے اور سر کٹا ہندو راجا جگدیو زندہ ہو جاتا ہے ؛ دھنا بھگت اپنے یقین سے پتھر کو دیوتا بنا دیتا ہے ، ایک پیر کا مرید، پیر کو اپنے آقا کے غصے سے بچانے کی خاطر دعا مانگتا ہے تو خالی تھال اور گھڑا خوراک اور پانی سے بھر ہو جاتے ہیں ۔ پنجابی فقیر روڈے شاہ سے جتنی کرامات منسوب ہیں ان سب کے متعلق یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ براہ راست دعا کے بعد ''دربار الٰہی کے حکم سے'' ہوئیں۔ یہ اور اس قسم کی اور بہت سی مثالیں صاف ظاہر کرتی ہیں کہ کراماتوں کے متعلق یہ نہیں سمجھا جاتا کہ وہ کسی شخص کے اپنے کمال سے ظہور میں آتے ہیں بلکہ وہ اس شخص کی دعا کے باعث اللہ کے حکم سے ہوتی ہیں ۔

عام طور سے دعا کو کرامت کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے اور ان حکایات میں بعض دلچسپ کہانیاں ملتی ہیں۔ اوپر بیان کردہ مثالوں کے علاوہ ولیوں کی دعاؤں سے آدمی اور جانور ہی نہیں بلکہ درخت اور باغ بھی ہرے ہو جاتے ہیں، کھوئی ہو بینائی مل جاتی ہے، کٹے ہوئے اعضا درست ہو جاتے ہیں، بیٹا ہوتا ہے، کشتی ڈوبنے سے بچ جاتی ہے اور خوراک کی غیر محدود مقدار پیدا ہوتی ہے۔ یہ خاصی طویل فہرست ہے، مگر ہندو اور مسلم شخصیتوں کی دعاؤں کے نتیجے کے طور پر جو واقعات یہاں بیان کیے گئے ہیں، جیسے انسانوں اور جانوروں کو زندہ کر دینا، پیاسوں کے لیے پانی مہیا کرنا اور بھاری پتھر کو ہلا کر ایک طرف کر دینا، ان کے یہ عین مطابق ہے۔ ان حکایات میں بالعموم، مگر ہمیشہ نہیں، ہندو اور مسلمان دونوں مذاہب کے عقائد خلط ملط سے ہیں؛ البتہ راجا رسالو کی کہانی میں رانی اچھراں خاص الفاظ میں چاند سے مدد کی طالب ہوتی ہے: ''اے چاند! میں تیری چاندنی میں اپنے بستر پر سوئی ہوں؛ اب میں اپنے پلنگ کے پایوں کو سینے سے لگاتی ہوں اور روتی ہوں''۔ اس سے بھی عجیب تر الفاظ ایک دوسری مثال میں ملتے ہیں جہاں چراغوں سے دعا مانگی گئی ہے: ''سارے چراغ جلا دو اور چراغوں (کے دیوتاؤں) سے یوں کہو: 'اے سنہری چراغو! میری بات سنو؛ آج میں اپنی محبوبہ سے مل رہا ہوں، آج ساری رات جلتے رہنا[۱]''۔

فوق الفطرت اور غائب محافظ سے مدد مانگنے اور اس کی موجودگی چاہنے میں بس تھوڑا ہی فرق ہے اور دعا کا تصور سیدھا موجودگی چاہنے کی طرف لے جاتا ہے۔ ان کہانیوں میں بھی غائب شخصیتوں کو بلانا عام ہے مگر زیادہ تر اس لیے تاکہ کہانی آگے چلے۔ یہ تصور بہت عام ہے اور اس کا تعلق دنیا بھر کے عوام کے مذاہب سے ہے، مگر ہر جگہ اس کے لیے مختلف ذرائع استعمال کیے جاتے ہیں۔ یہاں ایک حکایت میں جو یہ بتایا گیا ہے کہ پنجاب میں اس مقصد کے لیے مقدس پانی استعمال کیا گیا ہے، اس سے یورپ کی بعض رسوم کی یاد

۱۔ یہاں پلنگ یا چراغوں سے دعائیں نہیں مانگی گئیں بلکہ یہ اظہارِ جذبات کا شاعرانہ طریق ہے جو ہر ادب میں ملتا ہے۔ مترجم

تازہ ہوتی ہے ۔ جیسے مرید اپنے پیروں سے مدد چاہتے ہیں، اسی طرح پیر بھی دوسرے پیروں کو مدد کے لیے بلاتے ہیں ؛ بعض دفعہ اپنی قوت ارادی سے ، بعض دفعہ روزمرہ زندگی میں استعمال ہونے والے عام طریقوں سے— جیسے تالی بجانا وغیرہ— اور بعض دفعہ کسی اور طرح سے ، اور ان کہانیوں میں یہ سب مثالیں ملتی ہیں ۔

چونکہ یہ پیر اور دیگر فوق الفطرت قوتیں نقصان بھی پہنچا سکتی ہیں اور مدد بھی دے سکتی ہیں ، بد دعا بھی دے سکتی ہیں اور دعا بھی، اور جن سے نقصان کا احتمال ہو انہیں خوش کرنا ضروری ہو جاتا ہے اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ دینے یا لینے والے کے مذہب سے قطع نظر ہر پیر یا گورو کی خدمت میں بالکل اسی طرح دودھ وغیرہ کے (کیونکہ پنجاب میں دودھ ہی سب سے اہم چیز ہے) نذرانے پیش کیے جاتے ہیں ، جیسے دھرتی ماتا کی خدمت میں ۔ اس کے ساتھ ہی ہمیں پورن بھگت کی کہانی میں ناپسندیدہ طریق سے روحانی مدد حاصل کرنے کی عجیب و غریب مثال ملتی ہے ۔ یہاں ایک عورت اپنے محافظ اور سرپرست گورو کو اس لیے برا بھلا کہتی ہے تاکہ اس سے فوائد حاصل کر سکے ؛ اگرچہ یہ تخیل عجیب معلوم ہوتا ہے مگر ہے عام ۔ بالعموم پہلے پہل کسی خاص محافظ گورو یا روحانی بزرگوں کی کسی خاص جماعت کو نذر پیش کرنے کا تخیل پیدا ہوتا ہے ؛ بعد ازاں نذر کا یہ تصور عام اور بعض حالات میں نیابتی بھی ہو جاتا ہے ؛ جیسے ایک جگہ ہیروئن پہلے پانیوں کے پیر کو نذر پیش کرتی ہے اور پھر پرندوں اور حیوانوں کو ، تا کہ اس عام خیرات سے دیوتا خوش ہو جائیں ۔

دیسی زبانوں میں بہت سے ایسے الفاظ اور تراکیب ملتی ہیں جن کا تعلق عام اور مخلوط نذروں سے ہے ۔ ہم بالعموم ان کا ترجمہ 'بھیک دینے ، سخاوت اور خیرات وغیرہ سے کرتے ہیں مگر ان کے اصل معانی روحانی بزرگوں ، برھمنوں یا مقدس ہستیوں کی خدمت میں نذر نیاز پیش کرنا ہے ۔ مشرق میں سخاوت سے بالعموم یہ مراد نہیں لی جاتی کہ کسی کو بہت تحفے دیے جائیں بلکہ سخاوت کا مطلب روحانی یا مذہبی آدمیوں کو تحفے پیش کرنا ہے ۔ اس لیے

کہانیوں اور افسانوں میں اس خوبی کی تعریف سب سے زیادہ کی جاتی ہے ۔ اس سخاوت کا باعث محض توہمات یا مذہبی لوک کہانیوں کے رسوم و رواج نہیں ہیں بلکہ اس کا تعلق بھاٹوں اور روحانی بزرگوں کی کہانیاں بیان کرنے والوں کی اپنی ضروریات سے ہے ۔ آخر مقبروں اور وہاں کے مجاوروں کے گزارے کی تو کوئی صورت ہونی چاہیے ؛ اس کے لیے وسائل کی ضرورت ہے ۔ اس لیے ایسے مخیر حضرات کی بہت زیادہ تعریف کی جاتی ہے اوران کے لیے بہت زیادہ فوق الفطرت اور اخروی نعمتوں کا وعدہ کیا جاتا ہے۔ا ور ایسے ''مخیر'' لوگ کسی خاص ملک یا فرقے تک محدود نہیں ۔ چونکہ ہندوستانی روحانی بزرگ اور ان کے بعد ان کے مقبروں پر رہنے والے مجاور اور مشٹنڈے بھیک اور خیرات پر گزارہ کرتے ہیں ، اس لیے لازماً ان کے مریدوں اور ماننے والوں کی اس خوبی کی تعریف ایسی نظموں اور کہانیوں میں عام ملتی ہے ۔ اس خیرات کا رسمی پن اس اعتقاد سے پیدا ہوتا ہے کہ نذرانے اسی صورت میں صحیح نتائج برآمد کر سکتے ہیں جب وہ رواج کے مطابق ہوں ؛ اور ان کہانیوں میں کئی ایسی مثالیں ملتی ہیں جب روحانی بزرگوں اور پاک باز لوگوں نے غلط قسم کے تحفے لینے سے انکار کر دیا حالانکہ وہ بہت زیادہ قیمتی تھے ۔

جب ہیرو کے ماننے والوں میں یہ خوبی ہونا ضروری ٹھہرا تو اس سے لازم آیا کہ خود ہیرو بھی اس صفت سے تہی نہ ہو ؛ چنانچہ سخاوت روحانی بزرگوں کی لازمی صفت ہے ۔ ہر روحانی بزرگ میں بہت زیادہ سخی ہونے کی خوبی ضرور ہوتی ہے ؛ خواہ باقی خوبیاں کسی ہی قسم کی ہوں ۔ سخی سرورؒ ، شمس تبریزؒ اور دیگر بزرگ سب سخاوت کے ہیرو ہیں ۔ دوسری طرف عوامی ہیرو ہری چند اور راجا امبا کا بھی یہی حال ہے۔ بلوچوں کا خاص ہیرو نودھ بنداغ اس لحاظ سے اتنا بڑھا ہوا ہے کہ اسے زرافشاں کہتے ہیں ۔ روحانی بزرگوں اور مقدس ہستیوں کی سخاوت لا انتہا ہے ۔ معمولی فوائد کے لیے اپنے اعضا کاٹ لینا یا آنکھیں اندھی کر لینا بھی سخاوت ہی میں شمار ہوتا ہے ۔ اور ایک جگہ تو اس صفت کو ناممکن حد تک بڑھا دیا گیا ہے کہ ہیرو خود اپنا سر کاٹ کر پیش کر دیتا

ہے - اس قسم کا ایثار نفس آخری حد تک پہنچ کر عجیب صورت اختیار کر لیتا ہے ۔ بعض جوگیوں کو غالباً غوری فقیروں کی حقیقی یا فرضی عادت کے تتبع میں انسانی گوشت کھانے کی رسمی قربانی کا خوگر بتایا جاتا ہے ۔ ان معاملات میں ہندوستانی کسان کے خیالات ظاہر کرنے کے لیے ایک ایسے ہی واقعے کی تفصیل یہاں دہرائی جاتی ہے :

''رانی سندراں نے خوبصورت لباس زیب تن کیا اور گورو کی ملاقات کے لیے روانہ ہوئی ۔ جب وہ وہاں پہنچی تو اس نے دریافت کیا کہ اس کا چیلا (رسالو) کہاں ہے ؟ جوگی نے جواب دیا : ''اوہ ، اسے تو میں نے کھا لیا''۔ (حقیقتاً رسالو وہاں سے بھاگ گیا تھا)۔ رانی بولی : ''میں نے تمھاری خدمت میں ایک تھالی مٹھائی کی اور ایک تھالی موتیوں کی بھیجی تھی ؛ اگر تمھاری بھوک ان سے نہیں مٹ سکی تو کیا اپنے چیلے کو کھا کر مٹ جائے گی ؟'' جوگی نے جواب دیا : ''میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ میں نے اسے سیخ پر چڑھایا ، بھونا اور کھا گیا ''۔ ''پھر مجھے بھی بھون کر کھا لو'' رانی نے کہا اور اس نے جوگی کی جلتی ہوئی آگ میں چھلانگ لگادی اور راجا رسالو کی محبت میں ستی ہوگئی''۔

ہر قسم کی نذر ، خواہ اس کا نام کچھ ہی ہو ، کچھ دینے کا مطالبہ کرتی ہے اور نذر جتنی قیمتی ہو ، دینے والے کے لیے اتنا ہی اچھا ہے ۔ ان کہانیوں میں اس تصور کی عام مثالیں ملتی ہیں جو ہر قسم کی قربانی کی طرف لے جاتا ہے ۔ خواہ یہ قربانی مویشیوں کی ہو یا انسانی خون کی جو لڑائی میں بہایا جائے ۔ یہ سب چیزیں خواہ کتنی ہی قیمتی ہوں انسان کے باہر کی ہیں ؛ اس لیے یہاں سے بآسانی یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اپنے اندر کی کوئی چیز یا اپنے بدن کا کوئی حصہ بطور قربانی دینا بہت بڑی نیکی ہے ۔ اس خیال کو تمام دنیا میں رہبانیت اور ایذائے نفس کی صورت میں دیکھا جا سکتا ہے ، مگر ہندوستان میں یہ چیزیں جس وحشیانہ حد تک ملتی ہیں وہ اور کہیں نظر نہیں آتی ۔ تمام ہندوستانی لوک کہانیوں میں اور ان حکایات میں بھی ہر جگہ زہد و ایذائے نفس کی خاص طور سے تعریف

کی گئی ہے ، مگر ہندوستان اور دیگر ممالک میں بھی ، عملاً اس کا نتیجہ ایک ہی نکلا ہے کہ لوگ قرض کے بدلے اپنے آپ ہی کو نہیں بلکہ اپنے بیوی بچوں کو بھی خوشی سے غلامی کے لیے پیش کرتے رہے ہیں۔

تحفے ، نذرانے ، قربانیاں ، کفارے وغیرہ سب عملی ایذائے نفس کی صورتیں ہیں ، مگر ہندوستان کے توہم پرست کسانوں نے یہی مقصد روحانی لحاظ سے حاصل کرنے کے لیے اور کئی طریقے بھی بنا رکھے ہیں ؛ اور غور سے دیکھا جائے تو یہ چیزیں دنیا بھر میں ہر جگہ پائی جاتی ہیں ، مگر دنیائے غیب کے ان نظر نہ آنے والے طاقت ور مکینوں کو خوش کرنے کے دو خاص طریقے ہیں ۔ ایک یہ کہ فوق الفطرت قوتوں کو بدلہ پیش کرنے کی قسم کھائی جائے یا وعدہ کیا جائے اور دوسرے ان قوتوں کو ایسی قسم یا وعدہ پورا کرنے کے وقت بلایا جائے ۔ دنیا کی ہر زبان اور ہر قوم کے ذہن میں یہ چیزیں ملی جلی نظر آتی ہیں ۔ ان حکایات میں بھی اس تخیل کی پوری داستان ملتی ہے۔ قسمیں جو قول و قرار ہیں اور قول و قرار جو قسمیں ہیں ؛ قسموں اور قول و قرار کو پورا کرنے کی اہمیت اور اس کے فوائد کا بیان اور ان کو توڑنے کی خوفناک سزائیں ، بالخصوص جب عہد و پیمان کسی ایسے فوت شدہ بزرگ کے مزار یا مقبرے پر کیا گیا ہو، جس سے متعلقہ بھاٹ کو خاص دلچسپی ہو ۔ چنانچہ ان حکایات میں ''جیپیتھا'' کی بیٹی کی خوفناک کہانی کی طرح کی کئی ایک کہانیاں ملتی ہیں ۔

جہاں کہیں قسم کا مقصد صرف فوق الفطرت قوتوں کو مدد کے لیے طلب کرنا نہیں ، وہاں اس کے ساتھ ایسی رسوم وابستہ بتائی گئی ہیں جو قسم کھانے والوں کے توہمات سے پیدا ہوتی ہیں ۔ اس لیے قسموں سے متعلقہ رسوم نہ صرف دلچسپ ہیں ، بلکہ طالب علم کے لیے اہم بھی ہیں ۔ ان رسوم کی بے شمار مختلف قسمیں ہیں اور ان سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ خاص عقیدے میں کن چیزوں کو مقدس سمجھا جاتا ہے ؛ مثلاً کسی ہندو کا قسم کھاتے وقت زنار کو چھونا یا گائے کے گلے سے ایک دھاگا توڑنا ۔ مسلمانوں کا قرآن پاک پر اور

عیسائیوں کا انجیل پر ہاتھ رکھنا؛ ان سب سے پتا چلتا ہے کہ ان مذاہب میں کن چیزوں کو خاص تقدس حاصل ہے۔ اس طرح سپاہی اپنی ماں کے پیے ہوئے دودھ کی قسم کھائے، یا ہیرو التجا کرنے والے کے بدن پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائے یا کوئی شخص زمین پر ناک سے لکیر کھینچ کر قسم کھائے تو یہ چیزیں ہمیں بھولے بسرے قدیم عقائد کے باقیات کی طرف لے جاتی ہیں۔ ان حکایات میں قسموں کی صورتوں میں جو ہندو اور مسلم رسموں کا اختلاط پایا جاتا ہے، اس سے قارئین کو تعجب نہیں ہوگا۔ اس کی ایک خوبصورت مثال مندرجہ ذیل جملے میں پائی جاتی ہے: ''گنگا ہمارے درمیان ہے اور قرآن ہمارے سروں پر'' اور یہ فقرہ ایک قاضی کہہ رہا ہے جو ظاہر ہے بہت پکا مسلمان ہوگا۔

قسم کھانے میں جو رسم و رواج اختیار کیے جاتے ہیں، ان کا مقصد صرف قسموں کو پکا کرنا ہوتا ہے؛ مگر اس کے بر عکس بعض دفعہ جلدی میں، مگر اپنی مرضی سے کھائی ہوئی سخت قسموں کو توڑنے کے نتائج سے بچنا بھی ضروری ہو جاتا ہے۔ چنانچہ عوام کے زرخیز دماغوں نے اس مقصد کے لیے بھی خاصی کامیابی سے رسوم دریافت کر لی ہیں۔ مثال کے طور پر قرآن پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی ہو تو اسے توڑنے کے برے نتائج سے بچنے کا مؤثر اور ساتھ ہی سادا، آسان اور دلچسپ طریقہ یہ ہے کہ قسم کھاتے وقت کبوتری کا انڈا ساتھ رکھ لیا جائے۔

عہد و پیمان اور قسموں کے معاملے میں یہ حکایات بہت سی ایسی مثالیں پیش کرتی ہیں جہاں عہد و پیمان یا قسم کی ایک خاص صورت ہندوؤں اور مسلمانوں میں مشترک ہو چکی ہے۔ اگرچہ قسم یا عہد کی یہ صورت مختلف مقاصد کے لیے استعمال ہوتی ہے، مگر اس کی اصل غرض و غایت قسم یا عہد کو پختہ کرنا ہے۔ یہ صورت مسلمانوں کے قانون طلاق سے پیدا ہوئی ہے اور ہندوستان میں تین طلاق کے نام سے مشہور ہے۔ اس رسم کی بنیاد قرآن پاک کے اس حکم پر ہے کہ اگر کوئی شخص مناسب حالات کے تحت اپنی بیوی کو تین بار طلاق دے دے تو وہ دوبارہ اس وقت تک اس سے نکاح نہیں کر سکتا،

جب تک وہ عورت کسی اور سے نکاح کرنے کے بعد وہاں سے طلاق نہ پا چکی ہو؛ اس لیے تین طلاق دینا مشرقی ذہن کے لیے پختہ عہد یا قسم کے مترادف ہو چکا ہے۔ عہد ہو یا قسم اس سے کچھ زیادہ فرق نہیں پڑتا؛ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ اس رسم کے الفاظ تک پختہ عہد یا قسم کے مترادف ہو چکے ہیں۔ آج کل ہندوستانی کسانوں میں قسم یا عہد پر زور دینے کا یہ باقاعدہ طریق ہے کہ وہ تین بار اسے دہراتے ہیں۔

روحانی بزرگوں میں کرامات اور جادو کی طاقتوں کے علاوہ دو اور قوتیں بھی سمجھی جاتی ہیں؛ ایک پیش گوئی کی قوت اور دوسری اپنی صورت تبدیل کر لینے کی قوت۔ ان حکایات میں پیش گوئی کی قوت اس مفید مقصد کے لیے استعمال ہوتی ہے کہ پیدا ہونے والے ہیرو کے آئندہ حالات کے متعلق بتایا جائے کہ انہیں کیا صورت اختیار کرنی ہے۔ اور اپنی صورت تبدیل کرنا محض اولیاء کے متعلق کہانیوں کو آگے چلانے کے لیے ہے؛ یا ان لوگوں کے متعلق کہانیوں کو آگے چلانے کے لیے جن میں یہ اولیاء دلچسپی لیتے ہوں یا جن سے تعلق رکھتے ہوں۔

صورت تبدیل کر لینے کا اعتقاد بھی ہندوستانی عوام کے ذہنوں میں راسخ ہو چکا ہے، اس لیے سوانح حیات کی کہانیوں میں اس کا بار بار ذکر آتا ہے۔ یہ تبدیلی بالعموم کہانی کی ضرورت یا قارئین کی دلچسپی کے مطابق ہوتی ہے؛ بلکہ یہ روحانی لوگ دوسروں کی صورت بھی تبدیل کر سکتے ہیں؛ یہاں تک کہ وہ اپنے مریدوں یا چیلوں کو بھی صورت تبدیل کرنے کے غیر محدود اختیارات تفویض کر سکتے ہیں۔ یہ تخیل اس حد تک دلچسپ ہے کہ اس کی مختلف صورتیں ایک عام انسان کے لیے حیران کن حالات پیدا کر دیتی ہیں۔ ان حکایات میں اس تخیل کی وسعت کی کئی مثالیں ملتی ہیں۔ سب سے دلچسپ مثال نامدیو کی ہے جو اپنے معبود تک کو کتے میں تبدیل کر دیتا ہے تاکہ اس واقعے سے ایک خاص سبق پیش کر سکے۔ ایک کتا نامدیو کی روٹی لے کر بھاگ جاتا ہے، مگر وہ اسے مارنے کی بجائے ایسے الفاظ سے مخاطب کرتا ہے جو معبود کو مخاطب کرنے کے لیے

موزوں ہیں ۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے کہ نامدیو نے اپنے معبود کو ان آنکھوں سے دیکھا[1]۔

جہاں تک ان حکایات میں صورت تبدیل کرنے کے نظریے کا تعلق ہے ، اس سے ہمیں عوامی ذہن میں ہیرو کی ایک اور جھلک نظر آتی ہے ؛ خواہ وہ ہیرو کوئی روحانی بزرگ ہو یا کوئی فوق الفطرت فانی ہستی ، کوئی دیوتا ہو یا فوق الفطرت غیر فانی ہستی ؛ اپنی صورت بدلنے کی یہ طاقت ہر ایک میں پائی جاتی ہے اور یہ طاقت کسی سے مخصوص نہیں ، نہ اس کے مختلف مدراج ہیں ، بلکہ بے جان اشیا میں بھی یہ طاقت پائی جاتی ہے ۔ ان حکایات سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ جو خاص صورتیں اختیار کی جاتی ہیں ، ان کی دو وجوہ ہیں : انسانوں کی صورتیں تبدیل ہونے سے ان کی طبائع میں جو ظاہر فرق آ جاتا ہے ، اس میں سانپوں کے اپنی کینچلی آتارنے اور پرندوں کے پر جھاڑنے کا بھی کچھ دخل ہے اور ہندوؤں اور بودھوں کا تناسخ کا پرانا عقیدہ جو اتنے عرصے سے ہندوستانی اور مشرق بعید کے لوگوں میں سرایت کیے ہوئے ہے ، وہ بھی اس کا باعث ہے ۔

صورت تبدیل کرنے کے ایسے واقعات بے شمار ہیں جن کا مقصد یہ ہے کہ ہیرو یا ہیروئن اپنا کام پورا کر سکے۔ مگر کسانوں کے تخیل کا بنیادی افلاس ، باوجود اس کے بظاہر مختلف پہلوؤں کے ، اس بات سے نمایاں ہے کہ صورت تبدیل کرنے کے یہ واقعات ایک ہی طرح کے اور اس لیے اکتا دینے والے ہوتے ہیں ۔ بطور قاعدہ تو یہ واقعات توقع کے مطابق ہی پیش آتے ہیں ؛ مگر ایک قابل ذکر مثال میں ایک ناگا مرد صرف اپنے آپ کو چھپانے کی غرض سے اپنی صورت تبدیل کرتا ہے، اور یہ بیان کر دینا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ بھیس بدلنے اور صورت تبدیل کرنے کے مقاصد بہت حد تک ایک ہی سے ہوتے ہیں ؛ بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ بھیس بدلنا بھی صورت تبدیل کرنا ہی ہے ، سوائے اس کے کہ یہاں سے ندرت کا عنصر خارج ہوتا ہے ۔ بدن یا بھیس بدلنے یا انسان یا جانور ہیروؤں کی لازمی اشیا کی تبدیلی

---

۱ ۔ اصل میں یہ واقعہ ہمہ اوست کی انتہائی بگڑی ہوئی صورت ہے ۔
مترجم

کے واقعات کا تناسخ سے اتنا براہ راست تعلق ہے اور یہ ہندوستانی حکایات میں اس قدر باقاعدگی سے پیش آتے ہیں کہ ان کی ایک عارضی صورت بن چکی ہے اور جو لوگ ان حکایات سے بخوبی واقف ہیں ان کے ذہن میں کوشش کے بغیر اس کی کئی مثالیں آ جائیں گی۔

یہاں چلتے چلتے اس طرف اشارہ کر دینا نامناسب نہیں ہوگا کہ ان حکایات میں آوا گون کے عقیدے کو خواہ مخواہ ستی کے جواز کی خاطر بیچ میں کھینچ لاتے ہیں، کیوں کہ ویسے تو ستی کے لیے مقامی مقدس کتب کی رو سے بھی کوئی جواز پیش نہیں کیا جا سکتا؛ البتہ اس کے لیے سیاسی جواز ہو سکتا ہے۔ جو عورت اس رواج کا شکار ہوتی ہے اسے یہ الفاظ کہنے پڑتے ہیں: ”کئی زمانوں تک مجھے یہی خاوند حاصل رہے گا“۔ یعنی ستی ہونے کے عوض۔ ان حکایات میں بھی ہیروئنوں کو خاص طور سے ستی ہونا پڑتا ہے؛ نہ صرف خاوند، بلکہ بیٹے کی موت پر بھی۔

اوپر جو کچھ کہا جا چکا ہے اس سے واضح ہو چکا ہوگا کہ حکایات کے رسمی ہیرو اور روحانی بزرگوں میں بہت کم فرق پایا جاتا ہے۔ یہ بزرگ دیکھنے میں خوبصورت ہوتے ہیں، دنیا داری کے سب کام کرتے ہیں، یہاں تک کہ روٹی کمانے کے لیے سپاہی بھی بھرتی ہو جاتے ہیں، گھوڑوں کی تجارت بھی کرتے ہیں، بلکہ ان کی اپنی بشری کمزوریاں بھی ہوتی ہیں؛ فقیر ہونے پر وہ شاہی مرتبے کے دعویدار ہوتے ہیں، وہ شاہانہ معاہدے کرتے ہیں اور شاہانہ شان و شوکت اختیار کرتے ہیں، وہ اپنے خاص اور عجیب نشانات سے پہچانے جاتے ہیں، یہاں تک کہ وہ ہیروؤں کی طرح انھی کے سے فوق الفطرت انداز میں بہادرانہ کارنامے بھی سر انجام دیتے ہیں۔ مختصراً جیسے ان روحانی بزرگوں کو برائی کی طاقت رکھنے والی فوق الفطرت ہستیوں سے پہچاننا دشوار ہے، اسی طرح ان میں اور عام ہیروؤں میں تمیز کرنا بھی مشکل ہے۔ ہندوستان میں بھوت پریت کا تصور در اصل آبائی یا قبائلی شجاعت پرستی ہی کی ایک قسم ہے اور ہندوستانی سوانح نگاری بھی اسی سے ملتی جلتی چیز ہے۔ روحانی بزرگ اور ان کے مد مقابل جو بھوتوں، بہادر انسانوں یا دیوتاؤں سے تعلق

رکھتے ہیں ، لازماً کہانی بیان کرنے والے کی اپنی قوم یا گروہ میں سے ہوتے ہیں ، مگر ہندوستانی لوک کہانیوں میں کچھ اور فوق الفطرت ہستیاں بھی پائی جاتی ہیں ، جنھیں راکھشس کہتے ہیں ۔ یہ شیطانی طبیعت رکھتے ہیں اور ان کا تعلق لازماً دشمن کے گروہ سے ہوتا ہے ۔ اسی طرح بھوت ، بالخصوص جنوبی ہند میں ہمیشہ کہانی بیان کرنے والے کے اپنے گروہ سے متعلق ہوتے ہیں اور راکھشس کا تعلق بیرونی دنیا سے ہوتا ہے اور دیو دونوں کے درمیان ہوتے ہیں اور ان کا تعلق دونوں طرف ایک جیسا ہوتا ہے ۔ کبھی ان کا طرز عمل راکھشسوں کا سا ہوتا ہے اور کبھی روحانی بزرگوں ، بہادر انسانوں اور دیوتاؤں وغیرہ جیسا ۔

میں نے راکھشس کا ترجمہ ہر جگہ Ogre کیا ہے ۔ میرے خیال میں یہی لفظ اس کی صحیح ترجمانی کرتا ہے ۔ راکھشس سے ایسی غیر انسانی ہستی مراد لی جاتی ہے ، جو دلوں میں خوف پیدا کرتی ہے ۔ اس لیے عام انسان کے ذہن میں راکھشس کے ساتھ بعض خوفناک فوق الفطرت قوتوں ، صفتوں اور عادتوں کا تصور پایا جاتا ہے ۔ ویسے تمام ہندوستانی راکھشسوں کی کہانیوں کی بنیادی باتیں ایک جیسی ہیں ۔ راکھشس کی خوراک انسان ہیں اور وہ بڑے بڑے جانوروں کو بھی ہڑپ کر جاتا ہے ، وہ ہیرو کی رعایا یا احباب کو تنگ کرتا ہے اور بالآخر ہیرو باقاعدہ لڑائی لڑ کر ، یا فوق الفطرت مدد کے ذریعے یا رسمی منتر جنتر سے اس پر قابو پا لیتا ہے ۔ راکھشس دیو کی قسم کی چیز ہے ۔ اس میں بھی فوق الفطرت قوتیں ہوتی ہیں ۔ وہ اسی قسم کے فوق الفطرت کارنامے سر انجام دے سکتا ہے جو اس کے مد مقابل ہیرو یا ولی سر انجام دیتے ہیں ۔ کئی لحاظ سے اسے دوسری طرف کا ہیرو کہا جا سکتا ہے ۔ اس کی صفات کو خوف جنم دیتا ہے ، جو وہ دلوں میں پیدا کرتا ہے اور اس سے جنگیں بیرونی طاقتور حملہ آوروں سے پرانی قبائلی جنگوں کی یاد دلاتی ہیں ۔

ہندوستان میں ہر جگہ مشہور قدیم سندھی کہانی سسی اور پنوں کے جدید بیان میں ایک جگہ ہم راکھشسوں اور ہر قسم کے بڑے بڑے آدم خور جانوروں کو اکٹھا دیکھتے ہیں ۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ

انکار کس طرح وسعت پا کر ایک دوسرے سے خلط ملط ہو جاتے ہیں۔ یہ اقتباس ہندوستان کے مشہور شاعر ہاشم شاہ کی نظم سے لیا گیا ہے اور میں اسے بجنسہ نقل کرتا ہوں:

''پانی کے آدم خور جانور جن کی شکلیں راکھشسوں جیسی تھیں
مگر مچھ، کچھوے، جل پریاں، سانپ اور دنیا کی دیگر
بلائیں ـــــ تیندوے، اژدھے، اور سوس مار وہاں ڈکارتے
پھرتے تھے''۔

ہندوستانی حکایات میں راکھشس ہی کی قسم کی دوسری چیز ناگ یا سانپ ہے اور ان حکایات سے یہ اہم بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے، کیوں کہ یہاں ناگوں اور ان کے کارناموں کو بہت اہمیت دی گئی ہے۔ اگرچہ عام عقیدے میں انہیں ایسا نہیں سمجھا جاتا، مگر یہاں وہ معمولی ہیروؤں کی صورت ہی میں ظاہر ہوتے ہیں۔ ان کی شخصیتیں اور عادتیں بالکل انسانوں جیسی ہیں اور وہ دوسری صورتوں کے علاوہ انسانی صورت میں بھی نظر آتے ہیں۔ وہ بالعموم ہیرو کے محافظ گورو کے خادم ہوتے ہیں، وہ انسانی مکانوں میں رہتے ہیں اور انسانی بہادروں کی خوب خاطر تواضع کرتے ہیں۔ انہیں انسانوں جیسی بیماریاں بھی لگ جاتی ہیں، وہ اپنے انسانی ہمسایوں کو اپنی بیٹیوں کے رشتے دیتے ہیں اور ان کی بیٹیوں سے شادیاں کرتے ہیں۔ وہ کئی خاندانوں میں منقسم ہیں مگر راکھشسوں کی طرح انسانی گوشت پر پلتے ہیں۔ دوسرے ہیروؤں یا فوق الفطرت ہستیوں کی طرح وہ بھی اپنی صورت تبدیل کرنے کی وسیع طاقت رکھتے ہیں۔ کبھی وہ انسان بن جاتے ہیں، کبھی کوئی جانور اور کبھی کوئی اور چیز، مثلاً پھل، سوئی، سونے کی لاٹھی یا گھاس کا تنکا وغیرہ۔ اسی طرح انہیں کرامات کی بھی تقریباً لا محدود قوت حاصل ہے مگر ان کی کرامات بالعموم نقصان پہنچانے والی ہوتی ہیں؛ جیسے مختلف طریقوں سے زندگی کو ختم کر دینا۔ وہ اپنی پھونک سے کاٹ کر، اپنی آنکھوں کی چمک سے یا دوسرے کا سانس پی کر اوروں کو جھلس دیتے یا انہیں آگ لگا دیتے ہیں۔ مگر وہ زندہ کرنے کی طاقت بھی رکھتے ہیں اور اس غرض کے لیے ان کے طریقے بالکل وہی ہیں جو

ان لوک کہانیوں میں عام طور پر پائے جاتے ہیں ۔ ان کی آخری صفت یہ ہے کہ وہ پر نہ رکھنے کے باوجود عام ہیروؤں کی طرح جلدی سے ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کی طاقت رکھتے ہیں ۔

ناگاؤں کی یہ جدید کہانیاں قدیم ہندوستانی حکایات میں دور تک پائی جاتی ہیں اور میرے خیال میں ان سے اور ان جیسی دوسری حکایات سے بجا طور پر یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ ان کا تعلق آریاؤں اور وحشی ناگاؤں کی پرانی لڑائیوں سے ہے اور اب یہ کہانیاں جاہل اور توہم پرست کسانوں کے ذہنوں میں انھی لڑائیوں کی بچی کھچی یادیں ہیں اور ان ناگاؤں کے قومی یا جنگی نشان ''ناگ'' کو ان کی نسل سے خلط ملط کر دیا گیا ہے ۔

راکھشس اور ناگ سے ہم قدرتاً انسانی صفات رکھنے والے جانوروں کی طرف آ جاتے ہیں ۔ یہ جانور ہندوستانی حکایات میں بار بار آتے ہیں اور لوگوں کی محبوب کہانیوں میں بہت اہم حصہ لیتے ہیں ۔ تمام ہندوستانی لوک کہانیوں میں غیر انسانی دنیا یعنی جانوروں کی انسانوں سے مشابہ صفات بہت نمایاں نظر آتی ہیں ۔ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے کسانوں کے ذہن میں انسانوں اور غیر انسانوں کے درمیان کوئی بڑا فرق نہیں ۔ ان حکایات میں ایک ایسی واضح مثال ملتی ہے جس میں جانوروں سے بھی اسی قسم کی حیات جاوداں منسوب کی گئی ہے جو بالعموم انسانوں سے کی جاتی ہے ۔ ''وہ بیلوں کو فوراً دریا پر لے گیا اور وہ دریا سے پانی پینے لگے ؛ وہاں کنارے پر ایک سانپ تھا ، سانپ نے انھیں ڈس لیا ؛ وہ زمین پر گر پڑے اور ان کی جان دوسری دنیا کو سدھاری''۔ اصل الفاظ یہ ہیں : ''بھور بیکنٹھ لوک کو دھایا ''۔ ''سانس بہشت کی دنیا کو چلا گیا ''۔ بالکل اسی قسم کی ترکیب ہے جو انسانوں کے لیے استعمال کی جاتی ہے ۔ ایک اور جگہ ایک طوطا اپنے آپ کو ''اچھا ہندو'' کہتا ہے اور چاہتا ہے کہ چونکہ اس نے ایک مردے کو ہاتھ لگایا ہے اس لیے اسے نہلا کر پاک کر دیا جائے ۔

مشرق میں انسانوں کے جو عام پالتو جانور یا ساتھی ہیں ——
جیسے چوپایوں میں گھوڑا ، بیل اور اونٹ اور پرندوں میں طوطا ، مینا

اور باز ـــــــ لوک کہانیوں میں ان کے متعلق انسانی اوصاف رکھنے کی توقع کی جا سکتی ہے اور ان حکایات میں کئی ایسی مثالیں ہیں جہاں ان سب جانوروں کے افعال ، اقوال اور احساسات کو انسانوں کے افعال ، اقوال اور احساسات سے تمیز نہیں کیا جا سکتا ۔ یہاں یہ بیان کر دینا ضروری ہے کہ مغربی کہانیوں کے برعکس ان کہانیوں میں انسان اور کتے کے درمیان رفاقت کی طرف کوئی اشارہ نہیں ملتا ۔ اس سے عام مشرقی اور مغربی احساسات کے تفاوت کا پتا چلتا ہے ۔

فی‌الحقیقت یہاں کوئی ایسی انسانی صفت یا استعداد نہیں ، جسے غیر انسانی دنیا میں موجود تصور نہ کیا جاتا ہو ۔ ہر قسم کے جانور پیام رسانی کا کام سر انجام دیتے ہیں ؛ سانپ ، چوپائے اور پرندے راگ سے بہت متاثر ہوتے ہیں ۔ ناگ اور ہرن ، اور ایک جگہ اسے ''جنگل کے تمام جانوروں اور پرندوں'' پر بھی منطبق کیا گیا ہے ، انسانی حسن کی طرف انسانوں ہی کی طرح کشش محسوس کرتے ہیں ۔ ایک جگہ ایک راج ہنس انسانوں ہی کی طرح ہیروئن کی محبت میں مبتلا ہو جاتا ہے ۔ ہرن انسانوں کے سے خواب دیکھ سکتا ہے ۔ ایک راج ہنس خالق سے انسانوں کی طرح دعا مانگتا ہے اور ایک ہرنی خدا کے سامنے ''فریاد'' کرتی ہے ۔

لوک کہانیوں میں احسان مند جانور بہت کار آمد ثابت ہوتا ہے اور یہاں اس کی کئی ایک مختلف مثالیں ملتی ہیں ؛ جن میں سے بعض غیر متوقع بھی ہیں ۔ اس فہرست میں بلی ، جھینگر ، جنگلی چوہا ، سانپ ، راج ہنس ، کوا اور سارس سب شامل ہیں ۔ اس کے برعکس ایک ہرن اور ایک طوطے میں احسان ناشناسی کی صفت بھی بیان کی گئی ہے ۔ دھنا بھگت کی عجیب و غریب کہانی میں ایک دیوتا ، جو تمام دو‌دھ سے بنا ہوا ہے ، ایک احسان مند جانور کی طرح کام آتا ہے ۔ جانور سے یہاں غیر انسانی ہستی مراد ہے مگر اغلباً اس کہانی کو جان بوجھ کر استعاروں میں بیان کیا گیا ہے ۔

جیسے جانور احسان مند اور احسان ناشناس ہو سکتے ہیں ، اسی طرح وہ منتقم بھی ہو سکتے ہیں ۔ جانوروں کا انسانوں کی طرح انتقام لینا ، انسانی صفات رکھنے والے ہرن ہیرا کے طرز عمل سے ظاہر ہے ،

جس کا بیان رسالو کی کہانیوں میں آتا ہے۔ اس ہرن کا طرز عمل سارے کا سارا کہانیوں کے عام ہیرو کا سا ہے۔ یہ کہانی اس حد تک جاتی ہے کہ اس کے مطابق اس کے گلے کے ہرنوں میں ذات پات کا احساس بھی ملتا ہے۔ ''وہ اسے اپنے گلے سے نکال دیتے ہیں کیوں کہ اس کے کان اور دم نہ تھی'' (وہ کاٹ دیے گئے تھے۔) مگر جانوروں کے انسانوں کی طرح افعال سر انجام دینے کی بہترین مثال رسالو ھی کی کہانیوں میں ایک اور جگہ ملتی ہے، جہاں ایک گوھیرا کے بطور ہیرو اور ایک ناگنی کے بطور ہیروئن آپس میں ناجائز تعلقات دکھائے جاتے ہیں۔

انسانی صفات رکھنے والے جانوروں کا براہ راست اور عمومی مقصد معمولی یا غیر معمولی طریق سے ہیرو کے کام میں مدد دینا یا رکاوٹ ڈالنا ہے۔ مثلاً سارس، کوے، طوطے اور باز پیغام لے جاتے ہیں، باز اپنی باری پر چوکیداری کرتا ہے اور پرندوں کا جھنڈ ساحل پر بیٹھنے ھی سے جہاز کی حرکت روک دیتا ہے؛ مگر وہ یہ کام اسی صورت میں سر انجام دے سکتے ہیں جب وہ انسانوں ھی کی طرح قدرتی طور سے اور آزادانہ بات چیت کر سکتے ہوں؛ لیکن بات چیت کی ان غیر قدرتی صلاحیتوں کو بہت دور تک لے جایا جاتا ہے اور ہر اس چیز کو جو کہانی کو آگے چلانے یا اس کے کرداروں کی مدد کے لیے لائی جاتی ہے، باتیں کرتے دکھایا جاتا ہے۔ نول دیئی کی کہانی میں ہمیں صاف بتایا جاتا ہے کہ وہ ''ست جگ کا نیک دور تھا اور سب اشیا اپنے خیال کا اظہار کر سکتی تھیں''۔ یہی جملہ بعد میں بھی ان ھی معنوں میں مگر ذرا محدود لحاظ سے استعمال ہوتا ہے: ''وہ ست جگ کا زمانہ تھا اور سارس باتیں کر سکتے تھے''۔ اتنی مختلف النوع اشیا کو باتیں کرتے دکھایا جاتا ہے کہ حیرانی ہوتی ہے۔ ہر قسم کے پودے اور درخت جیسے آم، انگور، پیپل، جھاڑیاں اور گھاس وغیرہ! ہر قسم کی گھریلو استعمال کی اشیا جیسے پلنگ کے پائے، چراغ، گھڑا، ہار، سنکھ، کرسی، سوئی، ہاون دستہ اور پھولوں کا ہار وغیرہ؛ یہاں تک کہ جھیل جیسی عام چیز بھی۔ ایک جگہ صندل کا ایک درخت اتفاق سے اپنے ایسے واقعات بیان کرتا ہے جو انسانوں سے بہت مشابہت رکھتے ہیں۔ بے جان اشیاء میں روح

کا تصور اس سے اور آگے نہیں جا سکتا ۔

لیکن رسالو کی مفید حکایات میں ایک جگہ اس تصور کو اس سے بھی آگے لےجایا جاتا ہے ۔ ہیرو کی دعا سے ایک مردہ زندہ ہو جاتا ہے تو پھر وہ بطور شکریہ جوئے کے کھیل میں اس کی مدد کرتا ہے ۔ ایک اور جگہ ہیرو بہت سے کٹے ہوئے سروں کو رونے سے منع کرتا ہے اور انھیں کہتا ہے کہ دعاؤں سے میری مدد کرو ۔ اس کے بعد راجا رسالو کے مشہور طوطے کی کہانی جو ''عقل‌مند تھا اور چاروں وید پڑھا ہوا تھا'' پہیلیاں بوجھ سکتا تھا اور معقول مشورے دے سکتا تھا ، اتنی حیرت انگیز نہیں رہ جاتی ۔ اسی طرح ان واقعات کے بعد پیدا ہونے والے بچے کا اپنی ماں کے پیٹ میں سے بات کرنا بھی قدرتی سی بات نظر آتی ہے ۔ یہ گورو گگا کی بھاری کرامت ہے مگر یہ واقعہ اور بھی بہت سے اشخاص سے منسوب ہے جو اپنی زندگیوں میں مشہور تھے ۔

انسانی خصائص رکھنے والے جانور سے ہم نا معلوم طور پر انسانی خصائص رکھنے والی اشیا کی طرف پھر آجاتے ہیں ۔ جب ایک بار غیر انسانی چیزوں میں شعور و احساس دیکھنے کی عادت پڑ جائے ، تو پھر اسے جان‌داروں یا بے جان اشیا پر استعمال کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں رہتی ؛ بالخصوص ایسی اشیا پر جو کرامات یا جادو کا معمول رہ چکی ہوں ؛ مثلاً ایسی اشیا جن پر ظاہر یا پوشیدہ طریق سے جادو کیا گیا یا منتر پھونکا گیا ہو ۔ ان حکایات میں اس کا اصل مقصد ہیرو کی مدد کرنا یا اس کے متعلق کہانی کو آگے بڑھنے میں مدد دینا ہے ۔ مثلاً مسحور پانسا جو مردے کی ھڈی جیسی غیر طبعی چیز سے بنایا گیا ہے اور جو ہر حالت میں بازی جیت لیتا ہے ۔

مشہور سحر زدہ حفاظتی دائرہ یا خط ، جس کے اندر رہ کر کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا ، ہمیں بہت قدیم ہندوستانی عقیدے کی طرف لےجاتا ہے ۔ ان حکایات میں اس کی طرف محض اشارات ملتے ہیں ؛ اگرچہ اسی عقیدے کی پیداوار ، جوگی کی مالا اور فقیر کی تسبیح کا ذکر آتا بار بار ہے ۔ البتہ زیادہ عملی حفاظتی ذرائع ، جیسے سحر زدہ یا ایسے تیر جن پر پڑھ کر پھونکا گیا ہو ، ان کا خاصا استعمال ہوتا ہے ۔ چنانچہ ان

حکایات میں آتشیں تیروں کے استعمال کی بہت سی مثالیں ملتی ھیں۔ ایک عجیب و غریب مثال میں آتشیں چکر بھی استعمال ھوا ھے۔ آتشیں چکر کا تخیل کرشن مہاراج کے قدیم عہد کے مشہور چکر سے لیا گیا ھے مگر اس سے بھی عجیب تر مثال یخ بستہ تیر کی ھے۔ ظاھر ھے کہ یخ بستہ تیر کے تخیل نے آتشیں تیر کے تخیل ھی سے جنم پایا ھے کیوں کہ اسے آگ فرو کرنے کے لیے کام میں لایا گیا ھے:
''پھر ارجن نے دوبارہ یخ بستہ تیر پھینکا اور تمام دشمنوں کے بدن کانپنے لگے؛ تب سورج کی شعاعیں چھپ گئیں اور دن رات میں تبدیل ھو گیا اور پالا اور سردی آگ کا مقابلہ کرنے لگے''۔

ھندوستان میں طلسمی اعداد بھی پائے جاتے ھیں؛ یہ زیادہ تر سات اور بارہ کے اجزائے ضربی یا ان کے حصے یا ان سے ترتیب شدہ اعداد ھوتے ھیں، مگر میرے خیال میں یہاں کے کسان کا ذھن اعداد کے مجرد تصورات کو قبول نہیں کر سکتا، اس لیے وہ ان کی سحر زدہ صفات پر زیادہ زور نہیں دے سکتا۔ ان حکایات میں جن جن اعداد کا ذکر آتا ھے، میں نے ان سب کو احتیاط سے جمع کیا ھے؛ ان سے میرا عام اخذ کردہ نتیجہ حسب ذیل ھے: گنتی کے بڑے اعداد کے متعلق تو کوئی واضح تصور موجود نہیں، البتہ چھوٹے اعداد کے متعلق کچھ دھندلا سا تصور ھے کہ ان میں سے بعض کسی قدر تقدس، پاکیزگی، یا فوق الفطرت اثرات کے حامل ھیں، مگر عام آدمی تیقن سے نہیں کہہ سکتا کہ ایسے اعداد کون سے ھیں، نہ وہ انہیں ٹھیک ٹھیک یاد رکھ سکتا ھے۔

فوق الفطرت قوتوں کے اظہار کے لیے بہت زیادہ عام اور ھر جگہ استعمال میں آنے والی چیز مقدس پانی ھے؛ اگرچہ غالباً اسے پوری طرح ایسا تسلیم نہیں کیا جاتا۔ مقدس پانی کا یہ استعمال ھندوستان میں ھندو مت اور اسلام کے تحت بھی اسی طرح عام ھے جیسے یورپ میں مسیحیت کے تحت ھے۔ ان حکایات میں اس کے استعمال کا مقصد ''عظیم روحانی بزرگوں سے برکت حاصل کرنا'' اور کراماتی شفا پانا ھے اور یہ ایسے استعمال ھیں جو دھریت سے باھر موجود تخیلات کی یاد تازہ کرتے ھیں۔ عام ذھن میں مقدس پانی کے زیادہ تر خواص خون، بالخصوص

انسانی خون کو منتقل کیے جاتے ھیں ۔ عوام کے نزدیک خون ھی سے مردے کو زندہ کرنے یا بیمار کو صحت دینے کی کرامت ظہور میں آتی ھے ۔ اسی طرح اس کے ذریعے اور بھی بہت سی کراستیں عمل میں لائی جا سکتی ھیں ۔ ان حکایات میں یہ خواص کسی حد تک آگے دودھ کو بھی دیے گئے ھیں ۔ یہاں یہ بیان کرنا دلچسپی سے خالی نہ ھوگا کہ ان حکایات میں نہ صرف امرت کو پانی کی طرح مصفا شے اور دیوتاؤں کے پینے کی چیز بتایا گیا ھے ، بلکہ ایک خالص ہندو کہانی میں اسے خدا کا خون بھی سمجھا گیا ھے :

"خدا نے رحم کیا ، قدرت کا اس طرف خیال ھوا ؛
اس نے اپنی انگلی چیر کر اس میں سے امرت نکالا"۔

ہندوستان میں ایک لحاظ سے ھر پانی کو مقدس سمجھا جاتا ھے ۔ گویا پانی پاک کرنے والی چیز ھے اور یہ خیال اس ملک میں بہت زیادہ بیماریاں اور وبائیں پھیلانے کا موجب ھوا ھے ۔ تقریباً ھر دریا اور جوھڑ کو مقدس سمجھا جاتا ھے ۔ اگرچہ بعض ایسے دریا بھی ھیں جو شروع ھی سے مقدس ھیں اور ایسے دریاؤں اور جوھڑوں میں نہانا برھمنوں اور جوگیوں اور پیروں کے لیے بہت زیادہ آمدنی کا باعث ھے ۔

طلسماتی اور کراماتی سواری کا تخیل بہت پرانا اور عوام میں عام ھے ؛ اس لیے ھم ھر قسم کے روحانی اور شیطانی ھیروؤں کو ھوا میں اڑتے ، سمندروں کو پھلانگتے ، مہینوں کا سفر لمحوں میں طے کرتے دیکھتے ھیں ۔ وہ اس سفر کو کئی قسم کی غیر متوقع اشیا کے ذریعے سر انجام دیتے ھیں ؛ مثلاً بیل ، شیر ، گھوڑے ، اونٹ وغیرہ ۔ اس سفر کے لیے کئی ایسی چیزوں کو بھی پر لگ جاتے ھیں ، جو عام حالات میں پر نہیں رکھتیں ۔ بہادرانہ چھلانگ اور طلسماتی یا کراماتی سواری کے تخیل آپس میں اس قدر ملے جلے ھیں کہ مجھے کئی بار یہ خیال گزرا ھے کہ طلسماتی سواری اور اس کے ضروری لوازمات بہادرانہ چھلانگ کے تخیل کی توسیع کے سوا اور کچھ نہیں اور بہادرانہ چھلانگ کا تصور کسی حقیقی واقعے کے مبالغے پر مبنی ھے ۔ ان حکایات میں خود ھوا میں اڑنے کے تصور کو اس طرح بھی وسعت دی گئی ھے کہ ایک روحانی بزرگ کے جوتے ھوا میں اڑ کر اپنے مدمقابل جوگی

کو سزا دیتے ھیں ۔ چیزوں کو اس طرح کرامات کے ذریعے حرکت میں لانے سے اپنی قبر کو بھی ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے کا تصور پیدا ھوتا ھے؛ اسی سے پھر وہ عجیب و غریب رسم پیدا ھوتی ھے جسے خود میں نے ھندو ھندوستان، بدھ برما، بلکہ جاپان تک میں دیکھا ھے کہ بعض بتوں کو زنجیروں سے جکڑ دیتے ھیں، کیوں کہ ان کے متعلق یہ گمان کیا جاتا ھے کہ وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ آگئے تھے اور اب ان کے پجاری ڈرتے ھیں کہ وہ دوبارہ پہلی جگہ پر واپس نہ چلے جائیں ۔

بلند آواز یا صدا سے اپنی قوم اور اس کے حامیوں کو مدد کے لیے بلانا ضرورت کے تحت ابتدائی انسانی طریقہ ھوگا اور اس کی اھمیت اور پر اسرار اچانک پن سے ساری دنیا میں طلسماتی راگ اور سحر زدہ آلات موسیقی جیسی بعض عجیب و غریب اور دلکش رسوم پیدا ھوئی ھیں، جن کا سبب جانوروں پر راگ کے حقیقی یا فرضی اثر کے تخیل کو قرار دیا جا سکتا ھے ۔ ان حکایات میں اس تخیل کے متعلق تاریخ کی واضح شہادتیں ملتی ھیں ۔ طلسماتی بانسری یا اس کے بدل طلسماتی سنکھ کا بڑا استعمال یہ ھے کہ عام ھیرو اس کے ذریعے اپنے قبیلے اور دوستوں کو بلاتا ھے اور روحانی یا مذھبی بزرگ اس سے اپنے مرئی اور غیر مرئی مریدوں اور چیلوں کو اکٹھا کرتا ھے ۔ اس کا ثانوی استعمال یہ ھے کہ اس کے ذریعے دوست حیوانات کے اچھے جذبات کو ابھارا اور دیوتاؤں اور غیبی دنیا کے مکینوں کو ھیرو کی مدد کے لیے پکارا جاتا ھے ۔ اگر ھیرو کوئی روحانی بزرگ ھو، تو یہ دیوتا اور غیبی دنیا کے مکین بالعموم اس کے ماتحت اور مددگار نظر آتے ھیں؛ علاوہ ازیں بانسری اور سنکھ کی آواز عام ذھن میں ''دعا کی آواز'' سے ملی جلی ھے کیوں کہ یہ ''خدا کے دربار'' تک پہنچ سکتی ھے اور اس کے ذریعے انسانی معاملات میں اللہ کی مدد حاصل کی جا سکتی ھے ۔

سحر زدہ انسانی بالوں کا انسانوں کی مدد کر سکنا بھی ——— سر جیمز کیمپبل ایسے بالوں کو ارواح کا مسکن کہتے ھیں ——— ایک قدیم تخیل ھے جو دنیا کے ھر حصے میں پایا جاتا ھے ۔ ان حکایات میں ھمیں اس تخیل کی بھی وضاحت ملتی ھے، کیوں کہ یہ بال

اور ان کا بدل کیڑوں مکوڑوں کی مونچھوں کے بال اس وقت تک کوئی اثر نہیں رکھتے جب تک انہیں جلایا نہ جائے ۔ غالباً اس تخیل کی بنا یہ ہے کہ چوٹ یا بیماری سے بے ہوش ہونے والوں پر بال جلانے کا یہ اثر ہوتا ہے کہ وہ ہوش میں آ جاتے ہیں ۔ بال جلانے کا حقیقی مقصد یہ ہے کہ اس عمل کے ذریعے بالوں میں سے روحوں کو نکال کر انہیں اپنی خدمت پر مجبور کیا جائے کیوں کہ بال جلانے کا اصل مقصد غائبانہ مدد حاصل کرنا ہے ۔ جب ایک بار بالوں نے انسانوں کی مدد کرنے کا کام شروع کر دیا ، تو بعد میں آہستہ آہستہ انسان ان سے کئی قسم کے کام لینے لگے؛ مثلاً درخت کاٹنا ، جنگلوں اور دشمنوں کو جلا دینا ، ہیروئن کو دشمن کے پنجے میں پھنسا دینا ۔ بالوں میں نیکی کا تصور رکھنے کے عقیدے کا پھر یہ اثر ہوا کہ اس سے براہ راست کئی قسم کے اور عقیدے اور رواج نکلے ؛- مثلاً مسلمان کی ڈاڑھی اور سکھ کے جسم کے تمام بالوں کو مقدس سمجھنے کا تصور ۔

اب ہم جزو سے کل کی طرف آتے ہیں ۔ سحر زدہ انسانی اور حیوانی اجسام کی سب سے بڑی طاقت ان کا نظر نہ آنا ہے مگر میرے خیال میں عام لوک کہانیوں اور ان حکایات میں اس خیال کے مستقل استعمال کا سبب صرف کرامات کی محبت نہیں ؛ اس تخیل کو زیادہ تر اس غرض سے استعمال کیا جاتا ہے کہ ہیروؤں اور کہانی کے دیگر کرداروں میں مزید دلچسپی پیدا ہو ۔ روحانی بزرگوں میں یہ مزید فوق الفطرت قوت ان لوگوں کو جو ان کے متعلق کہانیاں سنتے ہیں ، اور زیادہ مرعوب کرنے کا باعث بنتی ہے؛ اس لیے بھاٹ اور داستان گو ہر کہانی میں اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں ۔ ان حکایات میں نظر نہ آنے کا عملی فائدہ یہ ہے کہ اس سے کہانی کو آگے بڑھنے میں مدد ملتی ہے یا اس طرح ہیرو یا ہیروئن کی خواہشات کی تکمیل ہوتی ہے یا اس سے کسی روحانی بزرگ یا گورو کی شان کو بڑھایا جاتا ہے ۔

مگر حیرانی کی بات یہ ہے کہ ان حکایات میں سحر زدہ کرنے کا عمل براہ راست کہیں نہیں دیا گیا ، حالانکہ ملک کی دیگر لوک کہانیوں میں اس کا عام تذکرہ ملتا ہے ۔ تمام سحر زدہ اشیا پر پہلے وہ ضروری عمل کیا جاتا ہے جس سے وہ سحر زدہ ہوتی ہیں ۔

غالباً سننے والوں کے متعلق باور کیا جاتا ہے کہ وہ ایسے عملوں سے پہلے ہی واقف ہیں اور جو جادو ٹونے یہاں بیان ہوئے ہیں وہ اسی قسم کے احتیاطی ہیں ، جن کا بیان اوپر ہو چکا ہے ۔

فوق الفطرت اور خالص انسانی ہستیوں کے درمیان ہمیشہ اور ہر جگہ ایسی مخلوق کا تصور موجود رہا ہے جو ان دونوں کے بین بین ہو ۔ ایسی مخلوق جو بظاہر بالکل انسان ہے مگر بعض ایسی غیر معمولی قوتیں حاصل کر چکی ہے جو عام لوگوں کے نزدیک عجیب و غریب سمجھی جاتی ہیں ۔ اس کی عام صورت پروہت کی ہوتی ہے مگر پروہت کا پیش رو اور ابتدائی معاشرے میں اس کا ہم رتبہ سحر زدہ شخص تھا ، یعنی ایسا شخص جو منتر اور جادو کے فوق الفطرت عمل یا کرامات کا شکار ہوتا تھا ۔ ارواح کے زیر اثر ہونا زندگی میں اچھی بات نہیں سمجھا جاتا ؛ بالخصوص اس لیے کہ اچانک ، زبردست اور سخت مرض کو اس سے خلط ملط کر دیا جاتا ہے ۔ اس لیے سحر زدہ اشخاص کے وجود نے بھوت پریت نکالنے والوں یا سحر سے نجات دلانے والے پیشہ ور لوگوں کو زندگی بخشی ہے ۔ مگر ایک عام پنجابی کے ذہن نے سحر زدہ ہونے اور اس کے علاج کو کچھ زیادہ قبول نہیں کیا ؛ یہی وجہ ہے کہ ان حکایات میں اس کے متعلق کچھ زیادہ مواد نہیں ملتا ۔ اس کا براہ راست ذکر صرف ایک جگہ ملتا ہے ؛ مگر کنارا کی ان سے ملتی جلتی حکایات جنھیں میں نے حال ہی میں ''ہندوستانی عجائبات'' میں ''تولووں کی شیطان پرستی'' کے عنوان کے تحت مرتب کیا ہے ، زیادہ تر سحر زدگی اور اس کے علاج پر ہی مشتمل ہیں ۔ یہی حال تبت کے جدید بدھ مت کے سارے پیچیدہ ضابطے کا ہے ۔ اس سے ایک بار اور قدرت کے اس عمل کا ثبوت ملتا ہے جو ہر جگہ بالعموم کام کرتا نظر آتا ہے کہ بعض باتیں جن کے مبادیات دنیا کے ایک حصے کی مخلوق میں ملتے ہیں ، وہ ساتھ کی مخلوق میں پوری ترقی یافتہ صورت میں نظر آ جاتی ہیں ۔

اب تک ہم صرف ہیروؤں اور ان کے مد مقابل مردوں کے متعلق لکھتے رہے ہیں ، مگر ہیروئنوں کی طرف توجہ کرتے ہوئے ہم یہ کہ سکتے ہیں کہ ہندوستانی تخیلات زندگی کے معاملات میں جہاں تک

دونوں صنفوں کے حصہ لینے کو تسلیم کرتے ہیں ، ہیروئنوں کے واقعات بالکل ہیروؤں ہی کے نقش قدم پر چلتے ہیں ۔ ان دونوں کے طرز عمل میں جو فرق نظر آتا ہے اس کا بڑا سبب یہ ہے کہ یہاں کی عام آبادی عورتوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتی ہے ۔ ان حکایات میں اس بات کو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ عورتوں کی عموماً اور اپنی بیوی کی خصوصاً بر سر عام تعریف کرنا نہ صرف احمقانہ بلکہ غیر دانش مندانہ حرکت ہے ۔ نیز عورتوں سے توقع رکھی جاتی ہے کہ وہ اپنے مرد رشتہ داروں سے ملتے وقت بعض رسوم کی پابندی کریں اور یہ سب رسوم ایسی ہیں جو عورتوں کو مردوں سے الگ تھلگ رکھ کر ان کی کم تر حیثیت کو نمایاں کرتی ہیں ۔

خاص ہیروئن بالکل مقدر کا شکار اور شروع ہی سے ہیرو کے لیے مخصوص ہوتی ہے ؛ اس کی صفات یہ ہیں : مشکل وقت میں ہیرو کو بچانے کے لیے غیر معمولی قوت یا ہنر رکھتی ہے ؛ مثلاً وہ ایک شیرنی کے دو ٹکڑے کر دیتی ہے یا اس کے برعکس غیر معمولی نزاکت رکھتی ہے ؛ اسے پھولوں سے تولا جاتا ہے یا اس میں غیر معمولی جاذبیت ہوتی ہے ؛ جب وہ ہنستی ہے تو اس کے منہ سے پھول جھڑتے ہیں اور جب روتی ہے تو اس کی آنکھوں سے موتی گرتے ہیں ؛ اس کا حسن سب کو مطیع کر لیتا ہے ۔ حیوانات کی دنیا ، آسمانوں کے ستارے ، پانیوں کے مالک (خواجہ خضر[۴]) سب اس کے حسن سے مسحور ہو جاتے ہیں اور ہیرو کی طرح وہ بھی ''نشانات'' سے پہچانی جاتی ہے ؛ مثلاً جب وہ کنویں میں جھانکتی ہے تو پانی شور مچاتا اوپر چڑھ آتا ہے اور وہ اس سے پہچان لی جاتی ہے ۔

ان حکایات میں کام آنے والی ہیروئنوں کا بہت کم تذکرہ ہے ۔ شاید پنجابی کسانوں کی روز مرہ زندگی میں یہ توقع نہیں رکھی جا سکتی کہ وہاں عورتیں زیادہ مددگار ثابت ہوں گی ۔ پریاں جب کبھی ظاہر ہوتی ہیں ، تو اس دنیا اور دوسری دنیاؤں کے درمیان صرف پیغام رسانی کا کام سر انجام دیتی ہیں ، یا وہ راجاؤں یا ہیروؤں کی غیر رسمی دلھنیں یا محبوبائیں ہوتی ہیں ؛ جیسے رسالو کے سلسلۂ حکایات میں مشہور رانی لوناں ہے ؛ البتہ ضرر رساں ہیروئنوں کے

متعلق بہت کچھ سننے میں آتا ہے اور مرد اور عورتیں دونوں ان کی برائی کا شکار ہوتے ہیں ۔ حسد کی بنا پر تہمت لگانا ان کی برائی کے اظہار کا عام طریقہ ہے ۔ چونکہ اس معاشرے میں ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کی اجازت ہے ، اس لیے قدرتاً یہاں سوت اور اس کے بچوں سے حسد رکھنا اتنی زیادہ انتقامی کاروائیوں کا باعث بنتا ہے کہ تہمت زدہ بیوی کی کہانی کو ہندوستانی لوک کہانیوں کی خاص صنف قرار دیا جا سکتا ہے ؛ اگرچہ بسا اوقعات یہ عدوات خاوند ، خاوند کی بہن اور دایا تک بھی جا پہنچتی ہے ۔

ضرر رساں ہیروئنوں کی قسم میں سوتیلی ماں بھی آتی ہے۔ ہندوستانی لوک کہانیوں میں سوتیلی ماں بہت اہم اور عجیب کردار ادا کرتی ہے کیوں کہ یہاں کے حکمران ، دولت مند اور بڑے بڑے لوگ ایک سے زیادہ بیویاں رکھتے ہیں ۔ ایسی مائیں بالعموم ہیروؤں کی ماں کی سوتیں ہوتی ہیں جو اس کو برا سمجھتی ہیں اور اس کی زندگی اور کہانی میں دو خاص طریقوں سے دخل دیتی ہیں : یا تو وہ ہیرو سے ناجائز تعلقات قائم کرنے کی متمنی ہوتی ہیں اور اس کے انکار پر آلٹا اپنے خاوند سے اس کی شکایت کر دیتی ہیں اور یا اس کی ماں سے حسد رکھنے کے باعث اس کی تباہی کے درپے ہو جاتی ہیں ۔ دوسرے سبب کی بنا پر ہیروئن بھی اپنی ایک یا متعدد سوتیلی ماؤں سے نقصان آٹھاتی ہے ۔ بالعموم سوتیلی مائیں اپنے ان مقاصد کی تکمیل کے لیے انسانی طریقے ہی اختیار کرتی ہیں ۔ صرف کٹنیوں ، جادو گرنیوں ، راکھشسنیوں اور ناگا عورتوں کے متعلق یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ شر انگیز فوق الفطرت قوتیں رکھتی ہیں ۔

جہاں تک افسانوں کی دنیا کا تعلق ہے ، ہم کٹنیوں اور جادوگرنیوں کو ایک ہی قسم کی بری عورتیں قرار دے سکتے ہیں ۔ کہانیوں میں دونوں ایک جیسا کردار ادا کرتی ہیں اور دونوں ایک جیسے خصائص رکھتی ہیں ۔ وہ کہانی کو تباہ کرتی ہیں ، دونوں کہانی کی زبردست شیطانی شخصیتیں ہوتی ہیں اور ان کا قدرتی کام یہ ہے کہ ہیروئن کو اس کے دشمنوں کے پنجے میں پھنسا دیں ۔ اسی کی بدلی ہوئی صورت یہ ہے کہ وہ کبھی کبھی ہیروئن تک پہنچنے کے

لیے ہیرو کی ناجائز طریقوں سے مدد کرتی ہیں ۔ ان کی عادتیں سخت تکلیف دہ اور بری ہوتی ہیں ؛ وہ انسانی گوشت کھاتی ہیں ، وہ انسان کا جگر نکال کر اسے چبا جاتی ہیں ، ان کی چھٹی حس ہوتی ہے اور ان کے متعلق یہ گمان کیا جاتا ہے کہ وہ چھپی ہوئی باتیں جانتی ہیں مگر ضروری نہیں کہ وہ بد صورت اور کریہ المنظر ہوں ۔ اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے انہیں صورت تبدیل کرنے اور فوق الفطرت کام کرنے کی قوتوں سے بھی نوازا جاتا ہے ؛ مثلاً ''پانی کو آگ لگانا''۔ ایک جگہ اسے مشکل کام کہا گیا ہے اور یہ واقعی مشکل کام ہے[1]۔

راکھشسنی ہر لحاظ سے راکھشس کی مؤنث مد مقابل ہوتی ہے ۔ وہی اس کی خصوصیات ہیں ، وہی فوق الفطرت قوتیں ، اسی طرح وہ ہیرو کی نسل سے دشمنی رکھتی ہے ؛ بالکل اسی طرح جیسے ناگنی اپنی نسل کی عورت ہے اور ناگوں کی تمام صفات۔۔ انسانی جذبات ، عادات اور قوتیں رکھتی ہے ۔ وہ انسانوں یا اپنے مد مقابل ہیروؤں سے براہ راست لڑنے کی بجائے انہیں نسوانی ناز و ادا سے اپنی طرف مائل کر کے تباہ کرتی ہیں اور اس طرح انہیں اپنے اور اپنی پارٹی کے قابو میں لاتی ہیں ۔

کسی حکایت یا لوک کہانی کی حقیقی ہیروئن ، یا کرامت کے ذریعے پیدا ہونے والے ایسے بچے کے علاوہ جس کے لیے عظیم کام مقدر ہو چکے ہوں ، اس قسم کے بچے بھی پائے جاتے ہیں جو قبیلے یا خاندان میں بے قاعدگی یا خلاف قانون طریقے سے آ جاتے ہیں اور پھر وہاں اہم کردار ادا کرتے ہیں ۔ ظاہر ہے کہ ایسے بچے کی زندگی کسانوں کے تخیل کے لیے جاذبیت رکھے گی ؛ خاندان یا قبیلے میں ایسا غیر متوقع یا خلاف امید اضافہ یقیناً دلچسپی کا باعث ہوگا اور اس سے وراثتی کہانیاں پیدا ہوں گی ۔ جن حالات کے تحت ایسے بچے متعارف کرائے جاتے ہیں، ان سے دلچسپی کے علاوہ، مقامی لوگوں کی ضروریات ایسی کہانیاں پیدا کرنے

---

۱ ۔ وہاں بھی غالباً یہ الفاظ محاورے کے طور ہی سے استعمال ہوتے ہیں ، نہ کہ عملی طور سے جیسا کہ فاضل مرتب نے سمجھا ہے ۔

مترجم

اور انھیں برابر قائم رکھنے کی متقاضی ھیں ۔ مقامی نقطۂ نگاہ سے بہت سی ذاتیں اور قبیلے اور آوپر کے درجے کے کئی ایک خاندان مشکوک نسب رکھتے ھیں ؛ اسی طرح بہت سے دولت مند اشخاص جو بھاٹوں کو ان کی خوشامد کے عوض انعامات دے سکتے ھیں ، نسبی لحاظ سے داغ دار ہوتے ھیں ، اس لیے ایسی لڑکیوں کی کہانیاں مشہور ہونا ضروری ھے تاکہ ان خاندانوں ، ذاتوں ، قبیلوں اور معروف اشخاص کا تعلق ماضی کی ایسی شخصیتوں سے قائم کیا جا سکے ، جن کی شرافت اور نجابت ھر قسم کے شکوک و شبہات سے بالا ہو ۔ نسب ناموں اور شجروں کی اختراع ایک فن ھے جسے ھندوستان میں خوب سمجھا جاتا ھے ؛ بالخصوص بھاٹ اور میراثی اس فن کے ماھر ہوتے ھیں اور کسی ھیرو کی ماں کا ایسی لڑکی ہونا ، جو کسی جنگل یا دریا کے کنارے پائی گئی ہو ، یہ مقصد حاصل کرنے کا بہترین طریق ھے ۔ پنجاب میں جو بڑے بڑے دریاؤں کی سرزمین ھے ، دریا میں بہتی ہوئی لڑکی اس تخیل کی پسندیدہ بدلی ہوئی صورت ھے ۔ دریا میں مختلف طریقوں سے بہتی ہوئی بچی کو کوئی شخص بچا کر اپنی بیٹی بنا لیتا ھے ، پھر اُسے کسی مشہور ھیرو یا اس کے باپ سے بیاہ دیا جاتا ھے ، بعد میں اس لڑکی کا کسی امیر گھرانے سے ہونا دریافت کر لیا جاتا ھے اور اس طرح مطلوبہ اعلیٰ نسبی تعلق قائم ہو جاتا ھے ۔ اگر ھم ھندوستان میں کہیں بھی مشہور خاندانوں کے تسلیم شدہ حالات یا ذاتوں اور گوتوں کی افسانوی تاریخیں یہاں تک کہ خود قبیلوں اور ذاتوں کے حالات کی گہری چھان بین کریں ، تو ھمیں مختلف دلچسپ صورتوں میں اس قسم کی کئی کہانیاں ملیں گی ۔ لوک کہانیاں ان سے بھری پڑی ھیں اور یہ ان حکایات میں بھی ملتی ھیں ۔

ان کہانیوں کو پھر کئی اور دلچسپ اور عجیب و غریب طریقوں سے بیان کیا جاتا ھے ، جیسے یہ کہ کوئی ننھا بچہ یا بچی بطور کرامت انڈے یا پھل یا صندوقچے یا پھول یا کسی اور چھوٹی سی چیز میں سے نکل آئے ۔ میرے خیال میں حسن خوابیدہ کو بھی، جس کا پسندیدہ تصور ھر جگہ پایا جاتا ھے ، اسی صنف میں شمار کرنا چاھیے ۔ حسن خوابیدہ کی تاریخ حیات ، اس کا طریق دریافت ، اس کے اعمال اور خصائص کا گہرا مطالعہ اسے دوسری دنیا کی دلہن کی سی عورت ظاھر

کرتا ہے ــــ جو کبھی جنسی جارحیت کا شکار ہوتی ہے ، کبھی چرائی یا اغوا کی جاتی ہے ، کبھی اسے لڑائی میں حاصل کیا جاتا ہے اور کبھی یوں ہی مل جاتی ہے ۔ وہ جو کچھ بھی ہو ــ شہزادی اور دوسرے بھیس میں راکھشس کی بیٹی ، یا کسی غیر ملک میں قیدی خاتون ، مگر اس کا تعلق ہیرو کی نسل یا قبیلے سے ہرگز نہیں ہوتا اور ان کا سنجوگ ہمیشہ خلاف قاعدہ ہوتا ہے ؛ قبیلے کے مقررہ رواج کے مطابق نہیں ہوتا ۔

ہندوستان کے کسانوں کا عورتوں اور لڑکیوں کے بارے میں جو نظریہ ہے ، اس کے مطابق ایک لحاظ سے لوک کہانیوں کی ہیروئن اور ہیرو میں اہم فرق پایا جاتا ہے ۔ چونکہ اسے یا تو ہیرو کی کلی ملکیت سمجھا جاتا ہے، یا وہ ہیرو سے منسوب ہوتی ہے ، یا اس کی ذاتی جائداد کا حصہ تصور ہوتی ہے ، اس لیے اس کا پاک دامن ہونا ضروری ہے ۔ مرد کی جنسی پاکیزگی کے متعلق ہم بہت کم سنتے ہیں ، سوائے اس کے کہ یہ نیکی ہے ــــ یعنی مردانہ صفت ہے ، جس کا تصور جنسی پاکیزگی سے بالکل مختلف ہے ۔ خواتین کی پاک دامنی کے متعلق بہت کچھ سنا جاتا ہے اور اس کی بہت زیادہ حفاظت کی جاتی ہے ۔ الفاظ ''پاکیزہ'' اور ''پاک دامن'' وغیرہ کا اطلاق مردانہ جنسی پاکیزگی پر نہیں ہوتا اور راجا رسالو کو ، جو حقیقۃً ہر قسم کی بہادری رکھتا ہے، بار بار جتی ستی کہا گیا ہے ، یعنی ایسا شخص جس کی صفات بے داغ ہیں ۔ اس لحاظ سے وہ پورا نیک تھا ؛ ایسی نیکی کو دینوی طاقت کی شرط سمجھا جاتا ہے ۔ اور اگر یہ نیکی مکمل صورت میں نہ ہو ، تو فوق الفطرت ہستیاں اس سے ناراض ہوتی ہیں ، کیوں کہ ایسا شخص ان کے اپنے لیے صریح خطرے کا باعث ہوتا ہے ۔ اس سے ایک اور اہم نکتہ پیدا ہوتا ہے کہ مشکل اور آزمائش کے دنوں میں عورتوں سے پرہیز لازمی ہے ، تاکہ اپنی اس نیکی کو قائم رکھا جائے ، کیوں کہ عورتوں سے میل جول اور ان کا قرب اسے ضائع کر دیتا ہے ؛ اس کی بنا یہ تخیل ہے کہ مرد پر کوئی حدود و قیود نہیں اور عورت پر ہیں ۔

پاک دامنی عورت کی نیکی ہے اور مردانہ قوت مرد کی نیکی ــــ اس نکتے کی وضاحت غالباً کمر بند کے لفظ اور اسے پہننے کے طریقے سے بخوبی ہو جاتی ہے ۔ قدیم زمانے سے عورتوں کا کمر بند پاک دامنی کا

نشان رہا ہے اور مردوں کا پٹکا مردانہ قوت اور جنگجویانہ صلاحیتوں کا - ہمالیہ کے علاقے میں روپہلی پٹکا آج بھی بہترین سپاہی کا نشان سمجھا جاتا ہے؛ چنانچہ ایک کہانی میں یہ الفاظ آتے ہیں: ''مہاراجا خود جنگ میں آ رہا ہے - اس نے ہر روپہلی پٹکے والے کو جنگ میں بلایا ہے''۔

مردانہ قوت کا یہ طریق استدلال جو مردوں کی پاک بازی کو بےمعنی بناتا ہے، اسی سے نسوانی عفت عورت کی خاص صفت بن جاتی ہے۔ ہندوستانی حکایات میں جو دنیا منعکس نظر آتی ہے، اس میں عورت کے لیے پاک دامن ہونا اتنا ہی ضروری تھا، جتنا مرد کے لیے قوت مردانگی رکھنا؛ کیوں کہ قبیلے کی بقا اور اس کے سماجی ڈھانچے کا قیام مرد و عورت کی انھی دو صفات پر موقوف تھا - ہم یورپ والوں کی تمام زبانوں میں بھی اس کے بقیہ اثرات ملتے ہیں - یورپ کی زبانوں میں عورت اور اس کی نیکی کے متعلق جو الفاظ پائے جاتے ہیں ان سے زیادہ تر عفت اور پاک دامنی ہی مراد ہوتی ہے - چونکہ مردوں کے نزدیک عورت کی عفت اس قدر اہمیت رکھتی تھی اور اسے خود عورتوں کے تعاون کے بغیر قائم نہیں رکھا جا سکتا، اس لیے مرد اس مقصد کے لیے ہمیشہ فوق الفطرت قوتوں سے مدد کے طالب رہتے تھے، کیوں کہ انھیں قدرۃً یہ شبہ رہتا تھا—اور اس کے لیے معقول وجوہ تھیں—کہ انھیں عورتوں کی طرف سے ایسا تعاون حاصل نہیں ہوتا - لوک کہانیوں میں ہر جگہ اس کے ثبوت ملتے ہیں - اسی سے پھر آگ، پانسا، پانی اور ناممکن کاموں اور حالات کے عام یا فوق الفطرت طریقوں سے عورت کی پاک دامنی کا امتحان لینے کا خیال پیدا ہوتا ہے - چونکہ بعض دفعہ ہیرو کی نیکی ثابت کرنا بھی ضروری ہوتا ہے، اس لیے حکایات میں مردوں کی نیکی پرکھنے کے لیے انھیں بھی اسی قسم کے امتحانات میں ڈالا جاتا ہے - نہ صرف ہیرو کو ثابت کرنا پڑتا ہے کہ وہ خوبیوں کا انسان ہے بلکہ روحانی بزرگ کو بھی کوئی نشان دکھا کر، جو بالعموم کسی کرامت سے تعلق رکھتا ہے، اپنی خاص نیکی ثابت کرنی پڑتی ہے؛ بلکہ بہت سی کرامات امتحانات ہی کی دوسری صورتیں ہیں -

ہر لوک ادب میں کہانی کو مزےدار بنانے کے لیے خیال کی

مبالغہ آرائی ملتی ہے۔ اسی طرح ان حکایات میں بھی نسوانی عفت کی سخت اہمیت پر زور دینے کے لیے ایک جگہ مشہور ہیروئن ہیر صرف اسی وجہ سے اپنے آپ کو ناپاک محسوس کرتی ہے کیوں کہ ہیرو اس کی عدم موجودگی میں اس کے بستر پر سو گیا تھا۔ ہیرو کی گراوٹ کے متعلق ہمارا جو بھی خیال ہو مگر مقامی لوگ اسے ایسا نہیں سمجھتے۔

ابتدا ہی سے انسانوں کی نیکی پرکھنے کے لیے انہیں امتحانات میں ڈالنے کے طریقے کی فہم سے، پھر عرصۂ دراز سے گم شدہ ہیرو یا ہیروئن کی پہچان کا ثبوت مہیا کرنے کے قابل فہم اور اہم کام کے لیے ان کے امتحانات لینے کا تصور پیدا ہوا اور یہ کہانیوں میں عام استعمال ہونے لگا؛ در اصل یہ ایک لحاظ سے دعوےداروں کو پرکھنے ہی کا کام تھا۔ پہچان کے لیے عام اور فوق الفطرت امتحانات لینا تمام دنیا کی لوک کہانیوں میں پایا جاتا ہے؛ ان حکایات میں بھی یہی صورت ہے۔ کئی مثالوں میں پھر یہ چیز نامعلوم طور سے آگے پیش گوئی اور اس کی تکمیل کے میدان میں لے جاتی ہے۔ لوک خیالات کا تقریباً سارا خزینہ کہانی آگے بڑھانے کی اس اہم ترین ضرورت کی خدمت کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ہیروؤں اور ہیروئنوں کو مختلف نشانات، ممکن اور ناممکن ذاتی خواص اور اوصاف، نیز مخصوص امتحانات کے ذریعے پہچانا جاتا ہے؛ ان ذاتی خواص و اوصاف کو آج بھی ''شاہی نشانات'' سمجھا جاتا ہے۔ امتحانات میں پہیلیاں بوجھنا بھی ہے اور ناممکن کارنامے سرانجام دینا بھی؛ اس کے علاوہ بعض دفعہ ''سابقہ جنم'' کی تمام تفصیلات اور واقعات صحیح طور سے بیان کرنا ایسے خالص افسانوی قسم کے امتحانات بھی لیے جاتے ہیں۔ دوسری طرف ایک مثال میں شناخت کی ایک عام عملی صورت کی طرف اشارہ بھی پایا جاتا ہے، جو کسی مقبرے یا حج (یاترا) کا سفر مکمل کر لینے کے ثبوت کے طور پر بدن یا لباس پر مہر یا نشان لگا دینے سے نکلی ہے۔ اس مثال میں ہیرو کا آونٹ یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ وہ واقعی ہیرو کے گھر تک گیا ہے اور اس کا راستہ جانتا ہے، وہاں سے پان کے پتے اور پانی اٹھا لاتا ہے۔

لوک کہانیوں میں امتحانات کی ہوب ترین صورت قدرۃً ناممکن کام بتانا ہے، کیوں کہ اس معاملے میں انفرادی تخیل کی پرواز

لامحدود ہے ، مگر کسان طبقے کی قوت فکر کا لامحدود ہونا اسی سے ظاہر ہے کہ ان کی لوک کہانیوں میں اس غرض کے لیے ایک ہی جیسے ناممکن العمل کام بار بار لائے جاتے ہیں۔ ایک جگہ ایک ایسا کام جو شادی کی شرط کے طور پر بتایا جاتا ہے ، اس لیے غیر معمولی طور سے دلچسپ ہے کہ حکایات کی رو سے یہ سوئمبر کی قدیم اور سیاسی لحاظ سے اہم رسم ہی کی بچی کھچی صورت ہے ، جس کے مطابق راجاؤں کی لڑکیاں برسر عام اپنے خاوند منتخب کیا کرتی تھیں ۔

ان حکایات میں جو ناممکن کام بتائے جاتے ہیں ، ان میں سے دو کا ذکر آتا ہے ؛ ایک پہیلیاں بوجھنا ہے اور دوسرا رسم کے مطابق جؤا کھیلنا ۔ قدیم پہیلیاں جو آج تک رسمی اشعار میں موجود ہیں اور بالعموم بالکل ناقابل فہم ہوتی ہیں ، ان تمام مقاصد کے لیے استعمال کی جاتی ہیں ، جن کے لیے یہ امتحانات مشہور ہیں ۔ مثلاً ہیرو کی شناخت ، شادی کی ابتدائی ضروری رسوم ، یہاں تک کہ ناجائز تعلقات کے لیے بھی ؛ سوئمبر کے بدل کے طور پر ، جوگی بننے کی شرط کے طور پر ؛ مختصراً یہ کہ ہر ایسی جگہ جہاں کسی وجہ سے کوئی امتحان لینا مقصود ہو ، مگر پہیلیوں کا زیادہ مناسب استعمال یعنی بطور علامت ، یا راز ، ذاتی طریق گفتگو صرف انھی حکایات میں ملتا ہے ، جیسے پیدائش کی خبر پہیلی کی صورت میں بتائی جاتی ہے ۔ یا ایک راج کماری کی باندیاں آپس میں پہیلیوں کے ذریعے بات چیت کرتی ہیں ۔

ہندوستان کی ہندو آبادی جوئے کو بڑے آدمیوں اور دولت مندوں کا عام اور مناسب شغل سمجھتی ہے ؛ اس لیے ان حکایات میں اس کا اکثر تذکرہ آتا ہے ۔ لیکن یہاں رسمی جوئے کا جو ذکر آتا ہے ، اس سے اس کی ابتدا کا کچھ پتا چلتا ہے ۔ شادی سے پہلے بطور امتحان اس کا استعمال ظاہر کرتا ہے کہ یہ ناممکن کاموں ہی کی ایک قسم ہے ؛ اس لحاظ سے اسے ''حکمرانوں کی صفت'' سمجھا جاتا ہے اور اسے بار بار ایسا کہا جاتا ہے ۔ ظاہر ہے کہ لوک کہانیوں اور افسانوں کی دنیا میں اس تصور کو بہت مبالغہ آمیز صورت میں پیش کیا جاتا ہے اور ہمیں خطرناک جوؤں کی بہت غیر معمولی کہانیاں بتائی جاتی ہیں ــــــ جن میں جائداد ، ملکیت اور اپنی جان تک کی بازی لگا دی جاتی ہے ۔

علاوہ ازیں زیادہ اہم بات یہ ہے کہ ان حکایات میں چوپڑ یا دلچسپی کے عظیم اور قدیم شاہی کھیل اور اس کے تمام رموز کو بالتفصیل بیان کیا گیا ہے ۔

اب ہم خود بخود کہانی کے کرداروں کو چھوڑ کر اس کے واقعات پر آ گئے ہیں ۔ غالباً کہانی شروع کرنے کا آسان ترین طریقہ یہ ہے کہ یا تو ہیرو کو شروع ہی میں قسمت آزمائی کے طور پر کہانے کے لیے بھیج دیا جائے ؛ یا وہ گھر کی مشکلات کے باعث یا کسی پیش گوئی یا بیان قسمت کے مطابق اپنے شہر یا وطن سے نکل کھڑا ہو ۔ اس طرح کہانی کے آغاز کے لیے لا تعداد واقعات مل جاتے ہیں ؛ بلکہ اس ذریعے سے قسمت اور نصیب کے متعلق پیش گوئیوں کی مقرر صورتوں کی اہم تفصیلات بھی میسر آ جاتی ہیں ، اور یہ تفصیلات بنیادی لحاظ سے سارے ہندوستان کے شمال و جنوب میں ایک جیسی ہیں ۔ ہندوستانی حکایات میں جو پیش گویاں ملتی ہیں وہ بھی دوسرے ملکوں کی پیش گوئیوں کی طرح الفاظ اور معانی کے لحاظ سے مبہم ہوتی ہیں ، تاکہ پوچھنے والا ان سے جو چاہے سمجھ لے ۔ اس کی ایک عمدہ مثال مرزا اور صاحباں کی حکایت میں ملتی ہے جہاں اس مقصد کے لیے رھٹ کو استعمال کیا گیا ہے ۔ رھٹ پنجاب کے تمام دیہات میں عام استعمال ہوتا ہے ۔ یہ پیش گوئی خالص دیہاتی اشعار میں بیان کی گئی ہے ؛ اگرچہ ہیرو اسے کسی کوشش یا تردد کے بغیر فوراً سمجھ جاتا ہے :

''دھرا چرخی کو جکڑے ہوئے ہے اور ارے دھرے کو تھامے
ہیں ۔
دھرے کی لٹھ مضبوط زنجیروں سے جکڑی ہوئی زمین پر پڑی ہے ۔
ڈھول چرخی کے ساتھ اس طرح کام کرتا ہے ، جیسے بادشاہ اپنے
درباریوں کے ساتھ ۔
صاف پانی سے بھری ہوئی ''ٹنڈیں'' اوپر آتی ہیں تو ان سے جھنکار
پیدا ہوتی ہے''۔

ہندوستان کے بے قاعدہ اور با قاعدہ مذہبی طبقے سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ وہ قسمت بتانے جیسے نفع بخش کام کو ، جو

انفرادی اور جماعتی ہر دو لحاظ سے مفید ہے، دوسروں پر چھوڑ دے گا؛ چنانچہ ہمیں واضح طور سے بتایا جاتا ہے کہ جنم پتری بنانا یا مستقبل کے متعلق کچھ بتانا صرف برہمنوں ہی کا خاص کام ہے ۔

ہندوستان کے مختلف مذہبی طبقوں نے قسمت بتانے، پیش گوئی کرنے اور مستقبل کا حال بتانے کا جو وسیع تانا بانا بن رکھا ہے، تمام ہندوستانی لوک کہانیوں اور ان حکایات میں بھی اس کا سارا دار و مدار واضح طور سے ہر جگہ پائے جانے اور نہ مٹنے والے عقیدۂ تقدیر پر ہے۔ اس کے متعلق بے شمار اشارے ملتے ہیں اور بطور اصول انسانی زندگی کے ہر فعل یا حادثے کا ذمہ دار تقدیر کو گردانا جاتا ہے اور اسے ایسا مسئلہ تسلیم کیا جاتا ہے جس میں کسی بحث کی گنجائش نہ ہو؛ یہاں تک کہ قسمت اور زندگی کے معنوں میں جو الفاظ آتے ہیں، انہیں ایک دوسرے کے لیے استعمال کر لیا جاتا ہے۔ شاید یہ مسیحی، یا یہودی یا بدھ تعلیم کا اثر ہو؛ البتہ مسلمانوں میں بالخصوص ایسی مثالیں ملتی ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ برے کاموں کو تقدیر کا نتیجہ نہیں سمجھتے۔ اس خیال کی مثال یہ ہے: ''اگر گولی تمھارے ماتھے پر لگے تو سمجھو کہ یہ تمھارے اعمال (بد) کا نتیجہ ہے، اسے اپنی تقدیر کا اثر خیال نہ کرنا''۔ مگر کہانیوں میں ایسے خیالات خال خال ملتے ہیں؛ بالعموم ہر کام کو تقدیر ہی کے اثر کا نتیجہ قرار دیا جاتا ہے۔

ہندوستانی آبادی میں تقدیر پرستی کا جذبہ کس حد تک ہے — یعنی وہ کس حد تک ان کے خیالات کو متاثر کرتا ہے اور وہ کس طرح اسے روزمرہ کے تمام واقعات کا باعث قرار دیتے ہیں؟ — اسے سمجھنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ بھاٹوں اور مقبول عام گویوں کے فلسفۂ حکایات کا مطالعہ کیا جائے اور یہ حکایات اس کے لیے بہت سے مواقع مہیا کرتی ہیں۔ اس سے پتا چلے گا کہ مقبول فلسفہ حقیقت میں یہ ہے: ''ہر واقعہ مقدر ہے، تقدیر کا اثر ہر واقعے میں نظر آتا ہے، تقدیر کو ٹالا نہیں جا سکتا، تقدیر پہلے سے مقرر کی یا ''لکھی'' جا چکی ہے''۔ ان کہانیوں کے کردار تقدیر کو جن الفاظ میں پکارتے ہیں اس سے یہ چیز صاف واضح ہے۔ کوئی بد قسمت بار بار کہتا ہے:

''تقدیر ! تو نے نہ کیا کر دیا ؟'' ''تقدیر ! تو نے یہ کیا فیصلہ کر دیا ؟''

تقدیر کو بار بار بہت سے مختلف واقعات کا سبب قرار دیا جاتا ہے ۔ اس قسم کے جملے عام ملتے ہیں : ''معاملہ تقدیر کے ہاتھ میں تھا اور اس کی بیوی نے راجا کو بچا لیا ''۔ ''میرے آقا ! اس میں تمھاری خطا نہیں ، یہ میری قسمت میں لکھا تھا''۔ ''جو ہونا ہے ہو کے رہے گا ، تدبیر سے کیا حاصل ؟'' ''ہماری تقدیر اچھی ہے جو دربار الٰہی نے ہمیں یاد رکھا ''۔ ''تیری قسمت بری ہے''۔ ذیل میں وہ فقرے دیے جاتے ہیں ، جن کا بار بار اعادہ کیا جاتا ہے : ''میں بھی قسمت کا شکار ہوں''۔ ''میری تقدیر آ پہنچی ہے ، اب میں اس کے لیے جان دیتا ہوں ''۔ ایک راجا اپنے وزیر کے متعلق کہتا ہے : ''اس کی اور میری قسمت ایک ہے''۔ ایک دشمن یہ سمجھ کر کہ اس کے علاوہ اس کے لیے کوئی راستہ نہیں ، کہتا ہے : ''اگر پورن کی قسمت جاگ اٹھی تو میں دوبارہ آ کر اسے مار ڈالوں گا ''۔ ایک نوجوان لڑکی کہہ اٹھتی ہے : ''میری ساری پڑھائی ختم ہوئی کیوں کہ تقدیر میرے لیے محبت لے آئی ہے ''۔

کسان طبقے میں اس بات کا گہرا احساس پایا جاتا ہے کہ واقعات کے اسباب یا تقدیر کی گہرائیوں کو سمجھنا بہت مشکل ہے اور یہ احساس مختلف طریقوں سے ان کی زبان پر آ جاتا ہے ۔ ان جذبات کے اظہار کے لیے غالباً سب سے مشہور فقرہ یہ ہے : ''تقدیر کا انت کس نے پایا ہے ؟'' تقدیر کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اسے بدلا نہیں جا سکتا ؛ اس بات کو کئی مختلف اور عجیب و غریب پیرایوں میں بیان کیا جاتا ہے ۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں : ''باقی میری بیٹی کی قسمت پر منحصر ہے ، جسے کوئی بدل نہیں سکتا ''۔ ''قسمت کی لکیروں کو کون تبدیل کر سکتا ہے ؟'' ''یہ (پانسے کا پھینکنا) تقدیر کے ہاتھ میں تھا ؛ اس کے سامنے کوئی اختیار نہیں چلتا ''۔ ''تیری تقدیر نے تجھے گھیر لیا ہے اور اب تجھے بچانے کی کوئی صورت نہیں''۔ ''تقدیر کو برا بھلا نہیں کہا جا سکتا ، خدا جو چاہے کرتا ہے''۔ اس فقرے میں گنوار لوگوں کا نقطۂ نگاہ پر زور الفاظ میں پیش کیا گیا ہے : ''تقدیر

تمھارے سر پر آ پہنچی ھے ؛ اس نے ایسے (بڑے بڑے) پیغمبروں کو مروا ڈالا ، کیا وہ تجھے چھوڑ دے گی ؟'' تقدیر کے خلاف لڑنا بے فائدہ ھے ؛ اسے عام طور پر یوں ظاھر کیا جاتا ھے : ''تقدیر کے لکھے کو کون مٹا سکتا ھے ؟'' ''تقدیر کا کچھ علاج نہیں''۔ مندرجہ ذیل فقرے سے سکھ مذھب کے بانی کی دیوتاؤں کی سی قوتیں ظاھر ھوتی ھیں : ''گورو (نانک) نے تقدیر میں جو کچھ لکھ دیا ھے ، اس سے مفر نہیں''۔ مگر ایک غم زدہ ماں اپنے بیٹے کی لاش پر جس طرح فریاد کرتی ھے ، اس سے یہ ظاھر ھوتا ھے کہ دیہاتیوں کے دلوں میں کہیں نہ کہیں یہ امید موجود ھوتی ھے کہ تقدیر کا امٹ لکھا بدلا بھی جا سکتا ھے : ''گلی میں اس کی ملاقات موت سے ھو گئی اور تقدیر نے (بھاگنے کا) راستہ مسدود کر دیا ۔ جب تمھاری تقدیر لکھی جا رھی تھی ، اگر میں اس وقت پاس ھوتی ، تو میں اللہ سے فریاد کر کے اسے تبدیل کرا لیتی''۔

جو واقعات ٹالے نہ جا سکتے ھوں ، انھیں بالعموم لکھے ھوئے یا مقدر کہا جاتا ھے ۔ عام انداز بیان یہ ھے : ''یہ میری قسمت کا لکھا تھا ، تم اس میں کچھ نہیں کر سکتے''۔ ان حکایات میں دو بار یہ فقرہ بھی آتا ھے : ''دیکھو ، میری یہ مصیبت قسمت کی لکیروں میں لکھی ھوئی تھی''۔ ایک انتہا پسند مذھبی شخص اپنے طریق زندگی کی یوں وضاحت کرتا ھے : ''میری قسمت میں فقیری لکھی تھی''۔ ایک چرواھے کے متعلق یہ لکھا گیا ھے : ''خدا نے (اس کی قسمت میں) کوئی محنت نہیں لکھی تھی ، اسے بھینسوں کے ساتھ خوشی خوشی زندگی گزارنی تھی''۔ دو میاں بیوی جن میں مفارقت ھو گئی تھی ، ان کے متعلق یہ کہا گیا ھے : ''بس اتنا ھی تعلق لکھا ھوا تھا ، قسمت نے یوں کر دیا ھے''۔ ایک جگہ تین بھائی عدالت میں پیش ھوتے ھیں ؛ وھاں ان میں سے ایک بھائی پنجابی کسان طبقے کا نظریہ پر زور الفاظ میں بیان کرتا ھے ۔ ''نمبرداری چوچک کی قسمت میں لکھی تھی اور سرداری میکو کی قسمت میں ؛ میری (کیدو کی) قسمت میں فقیری لکھی تھی ، یہی خدا کا لکھا تھا''۔

ھندوستانی تخیل میں قسمت کی تحریر اھم حیثیت رکھتی ھے اور

اس کے لیے معروف انداز بیان یہ ہے : ''تقدیر نے میرے لیے جو کچھ لکھ دیا تھا ، میں اُسے پوری طرح بھگت چکا ہوں''۔ ''اے رانی ! اگر میری قسمت میں اولاد لکھی ہوتی ، تو وہ تیرے ہی بطن سے پیدا ہوتی''۔ ''میری قسمت کا لکھا (کوھڑ) مجھ پر وارد ہوا ہے''۔ راضی برضا ہونا بالعموم اس طرح ظاہر کیا جاتا ہے : ''تقدیر کا فیصلہ برداشت کرنا ہی پڑتا ہے''۔ ''خوشی اور غم ہر ایک کے ساتھ ہے ، یہ تقدیر کا لکھا ہے''۔ بسا اوقات یہی خیال اس جملے سے ظاہر کیا جاتا ہے ، جو حکایات میں بار بار آتا ہے : ''قسمت کا فیصلہ سخت ہے اور ملتوی کیے جانے کا انتظار نہیں کرتا ''۔ کسی افسوسناک سیاسی جھگڑے کے بعد متعدد پناہ گیروں میں سے ایک کہتا ہے : ''یہ قسمت کا لکھا تھا ، جس نے ہمیں جنگل میں دھکیل دیا ہے''۔

قسمت بتانے کی جتنی بھی صورتیں ہیں ، ان میں دوسرے فریق کا ہونا ضروری ہے ، مگر خوابوں کی تعبیر کے ذریعے گویا اپنے اندر ہی سے قسمت کا پتا چلایا جا سکتا ہے ۔ اس لیے خواب ، ان کے نتائج اور تعبیریں ہندوستانی لوک کہانیوں میں اہم کردار ادا کرتی ہیں ۔ حکایات میں ان کا اکثر ذکر آتا ہے ؛ یہ خواب بالعموم پیش گوئیوں کی قسم کے ہوتے ہیں ۔ مثلاً کہانی کا آغاز اس طرح ہوتا ہے کہ ہیرو خواب میں ہیروئن کو دیکھتا ہے یا ہیروئن کو خواب میں ہیرو نظر آتا ہے ۔ روحانی بزرگوں کی بعض کہانیوں میں اسی خیال کو یوں صفائی سے عمل میں لایا گیا ہے کہ روحانی بزرگ خواب کی بنا پر اپنا کوئی گورو یا پیر مقرر کرتا ہے ۔ بعض کہانیوں میں اسی خیال سے اس طرح مزید فائدہ اٹھایا گیا ہے کہ پیر یا گورو اپنے متذبذب مریدوں یا چیلوں کو خواب میں ڈرا کر راہ راست پر لاتا ہے ۔ لوک کہانیوں میں فی الواقعہ خوابوں سے اس طرح فائدہ اٹھایا جاتا ہے کہ ہیرو یا ہیروئن بیداری کے بعد اپنے خواب کو عملی جامہ پہنانے کے لیے نکل کھڑے ہوتے ہیں اور بالعموم انہیں اس کے لیے عارضی طور سے کئی مصائب برداشت کرنے پڑتے ہیں ۔ خواب کے ذریعے جو انتباہ یا پیش گوئی مغربی دنیا میں عام ملتی ہے ، اس کی ایک عجیب مثال ان حکایات میں بھی پائی جاتی ہے ۔ ایک ہرنی اپنے خاوند ہرن کو اپنے خواب کی بنا پر بتاتی ہے کہ تم شکاریوں کے ہاتھوں مارے جاؤ گے

اور اسے موت کی تمام تفاصیل سے بھی آگاہ کرتی ہے ، کیوں کہ وہ انھیں خواب میں واضح طور سے دیکھ چکی ہے ۔

خوابوں کی تعبیر غیب گوئی سے تعلق رکھتی ہے ، یعنی ان واقعات کی مدد سے جو انسانی دسترس سے باہر ہیں ، مستقبل بتانا ایسے قدرتی واقعات سے جو صرف انسانی ماحول ہی میں وقوع پذیر ہوتے ہیں ۔ ان حکایات میں براہ راست غیب گوئی کا بہت کم بیان ہے ؛ جو غیب گوئی ہے وہ بالخصوص شادی کی رسوم بتانے تک محدود ہے ۔ ہندوستان میں شادی کی رسوم کو روحانی طبقے کے عوام پر قابو حاصل کرنے اور ان کے مستقبل کے متعلق پیش گوئی کرنے کی ایک طویل کوشش کا نام دیا جا سکتا ہے ، لیکن دنیا بھر میں اپنے ارد گرد کی طبعی دنیا کے حادثات سے مستقبل کے متعلق اندازہ کرنے کا طریقہ شگونوں میں اور ان سے مطلب لینے میں موجود ہے اور جیسا کہ توقع کی جا سکتی تھی ، ان حکایات میں بہت سے شگونوں کا ذکر ملتا ہے ۔ یہ سب شگون عام قسم کے ہیں ، سوائے اس کے کہ ہمالیہ کے علاقے میں لڑائی پر جاتے ہوئے سپاہی کو دودھ دینا برا شگون سمجھا جاتا ہے ۔ اس استثنا کے علاوہ باقی نیک و بد شگون جن کا تعلق خوش قسمت یا بد قسمت انسانوں کے ملنے یا پودوں یا درختوں کو دیکھنے سے ہے ، بالکل عام قسم کے ہیں ۔ بعض شگونوں کا تعلق پرندوں کی پرواز یا آواز سے ہے ۔ چھینک اور ہچکی کو ہندوستانی ذہن بدن کا سب سے پر اسرار فعل سمجھتا ہے ، اس لیے ان سے بھی شگون لیا جاتا ہے ۔ اسی طرح گھوڑے پر چڑھتے وقت یا سفر پر روانہ ہوتے وقت بعض دفعہ جو اتفاقی واقعات رونما ہو جاتے ہیں ، وہ بھی اچھے یا برے شگون سمجھے جاتے ہیں ۔

قسمت بتانے ، غیب گوئی ، پیش گوئی ، مستقبل کا حال بتانے اور نیک و بد شگونوں کے ساتھ ہی ایسے کاموں کا تعلق ہے جن سے قسمت سنور جاتی ہے ۔ یعنی نیک شگون کاموں سے اور ان کے کرنے کے مبارک وقت سے تعلق رکھتا ہے ، مثلاً برسات میں جھولا جھلانا ۔ چونکہ ہر شخص قدرتاً ایسے کام جاننے کا متمنی ہوتا ہے ، اس لیے ہندوستانی لوک کہانیوں میں بہت سے ایسے واقعات گنائے گئے ہیں ۔

نیک شگون کام یہ ہے : بایاں پاؤں رکاب میں ڈال کر گھوڑے پر سوار ہونا ۔ یہ دلچسپ شگون وہی کام ہے جو ویسے عملی نقطۂ نگاہ سے بڑی درست ہے ۔ ان حکایات میں علم نجوم سے صرف یہی کام لیا جاتا ہے کہ مبارک وقت اور ساعت معلوم کی جائے۔

لوک کہانیوں میں بد شگونی کا ایک ہی استعمال ہے کہ کہانی کو بد قسمتی کے بہت سے ایسے واقعات سے ، جو تصور کیا جاتا ہے کہ ہیرو یا ہیروئن کو پیش آئیں گے ، بھر دیا جاتا ہے ، لیکن عملی زندگی میں برے حادثات سے بچنے کے لیے جو لا تعداد پیش بندیاں اختیار کی جاتی ہیں ، ان کا تعلق اس سے کہیں زیادہ اہم غور و فکر سے ہے۔ ہندوستانی کسان طبقے کے ذہن میں بد قسمتی گناہ ہے ، اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جو شخص بد قسمتی کا شکار ہے ، اس میں گناہ کے حالات پائے جاتے ہیں ۔ وہ اس مشکل لفظ ''گناہ'' کو ، جس کا بہت غلط استعمال ہوتا ہے ، قبائلی روایات کے خلاف دانستہ یا نا دانستہ جرم کے معنوں میں لیتے ہیں ۔ خوش قسمت انسان کی خوش قسمتی سے اس کے ارد گرد والوں کو بھی فائدہ پہنچتا ہے اور اسی طرح بد قسمت کی بد قسمتی اس کے اقربا کو نقصان پہنچاتی ہے ۔ اس لیے بد قسمت لوگ گنہ گار ہیں اور عملی لحاظ سے ان کے لیے اہم ترین بات یہ ہے کہ انہیں اس کی سزا ملنی چاہیے۔ یہ ''غلط صغریٰ و کبریٰ سے صحیح نتیجہ'' اخذ کرنے کی بین مثال ہے اور اس کے باعث بالکل خود بخود پیش آنے والے واقعات کی بنا پر ، جن پر کسی کو کچھ اختیار نہیں ہوتا ، کئی لوگ عرصۂ دراز سے غیر معمولی دکھ اور تکلیف کا شکار ہیں ؛ جیسے مثلاً بیوہ۔ یہی وجہ ہے کہ بد قسمتی کے خوفناک گناہ سے بچانے کے لیے کئی قسم کے لا تعداد تعویذ اور گنڈے ملتے ہیں ۔

بد قسمتی کے قدیم نقطۂ نگاہ کا ایک اور مفید ترین نتیجہ روایتی ناپاکی کا تخیل ہے ۔ بد قسمتی کی اس حالت کو ایک وحشی بھی لاپروائی کا نتیجہ سمجھتا ہے ۔ عملی زندگی میں اس سے لا تعداد رسم و رواج وجود میں آئے ہیں اور کہانیوں اور حکایات کے کئی حادثات اسی کے مرہون منت ہیں ۔ روایتی ناپاک حالت کو، خواہ وہ کس ہی حد تک قدرتی یا محض اتفاق کا نتیجہ ہو ، کسی نہ کسی طرح

گناہ آلود یا گناہ کا نتیجہ سمجھا جاتا ہے ۔ اس لیے اس کے نتیجے سے بچنے کے لیے تعویذ گنڈے لیے جاتے ہیں ، لیکن جب یہ حالت انتہائی درجے کی ہو اور قابل نفرت یا مسلسل طور سے اس کا اظہار ہو ، تو عام آدمی کا ذہن یہ سمجھتا ہے کہ اس کے مبنی بر گناہ ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں ۔ اس نمایاں ، پر اسرار ، واضح طور سے غلیظ، اور خوفناک مرض کوڑھ اور ہندوستان میں کوڑھیوں سے مقامی لوگوں کا جو سلوک ہے ، اس سے یہ سارے نکات سامنے آ جاتے ہیں ۔ اگر کوڑھیوں اور کوڑھ کے موضوع کا لوک کہانیوں کے طور سے مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ عوام کے تقریباً تمام عقائد اور رواج اس میں آ جاتے ہیں ۔ ان حکایات میں اس کے متعلق بہت کچھ ملتا ہے ؛ یہاں کوڑھیوں کو دوسروں سے علیحدہ رکھنا اور ان کا علاج ان کی غلاظت کے باعث ہوتا ہے ۔ کوڑھ کی ابتدا گناہ سے تصور کی جاتی ہے اور اسے گناہ کی سزا سمجھا جاتا ہے اور اس کا علاج یہ سمجھا جاتا ہے کہ رسوم و روایات کے ذریعے مریض کی صفائی کر دی جائے ۔

دوسری طرف بد قسمتی کے تصور سے بڑے اہم عملی نتائج پیدا ہوتے ہیں اور یہ بات ان حکایات کے ایک واقعے سے بخوبی عیاں ہے ۔ عین اس وقت جب راجا سرکپ جوئے کی ایک اہم بازی ہار چکا ہوتا ہے ، اسے خبر دی جاتی ہے کہ اس کے ہاں بیٹی پیدا ہوئی ہے ۔ راجا سرکپ نے کہا : ''اسے مار ڈالو ، وہ منحوس گھڑی میں پیدا ہوئی ہے اور اس کی نحوست مجھ پر بھی اثر انداز ہوئی ہے''۔ ایک ایسے ملک میں جہاں نحوست کے باعث بچوں کو مار ڈالا جاتا ہو ، مرزا اور صاحباں کی مشہور تاریخی کہانی دختر کشی کی مثال ہے ۔ اگرچہ یہاں اس کا سبب بالکل مختلف ہے ۔ مختصراً پنجابی سیالوں کی بیٹی صاحباں ، مرزا کے ساتھ جو کھرل ہے ، بھاگ جاتی ہے ، سیال اسے پکڑ لیتے ہیں اور اس کا گلا گھونٹ کر اسے مار ڈالتے ہیں ۔ بعد میں ان کے درمیان جو قبائلی جنگیں ہوئیں ، وہ اس قدر خوفناک تھیں کہ لوگ لڑکیوں کے وجود ہی کو نحوست کا باعث سمجھنے لگے اور بیٹیوں کو پیدا ہوتے ہی مار ڈالنے کی رسم چل نکلی ۔ یہ ایک ایسی مثال ہے جہاں عوامی تصورات فی الواقعہ تاریخ پر اثر انداز ہوئے ہیں ۔

دنیا میں ہر جگہ لوٹنے والا مذہبی طبقہ لوگوں کے گناہ، بد قسمتی اور نحوست کے تصورات کو زندہ رکھنے اور پالنے پوسنے کے لیے کوشاں رہتا ہے، کیوں کہ زیادہ تر اسی سے وہ اتنی آمدنی حاصل کر سکتا ہے کہ گلچھرے اڑائے۔ گناہوں کا کفارہ دینا ضروری ہے، گنہ گار کے بدن کو پاک کرنا چاہیے اور یہ کام مذہبی طبقہ ہی بعض رسوم کے ذریعے سرانجام دے سکتا ہے۔ چونکہ ہندوستان میں پانی کو پاک اور پاک کرنے والا سمجھا جاتا ہے، اس لیے یہاں رسوم کے مطابق نہانا گناہ دور کرنے کا بہترین ذریعہ ہے، اور یہاں کے مذہبی طبقے کی تجوریوں میں سب سے زیادہ دولت انھی نہانے والے مقامات کے ذریعے پہنچی ہے۔ لوگوں کے ''روحانی'' فائدے کے لیے اور جو کچھ بھی تعمیر کیا گیا ہے، وہ اتنی دولت نہیں لا سکا۔

کہانی کے لیے کردار مہیا کر چکنے اور کہانی کو ایک خاص سمت چلا دینے کے بعد پھر اس میں دلچسپی قائم رکھنے کا مسئلہ آتا ہے۔ اس کے لیے جو طریقہ اختیار کیا جاتا ہے، اسے مخالف نقاد حشو و زوائد سے تعبیر کرتے ہیں اور ہمدرد لوگ انھیں اہم حادثات کا نام دیتے ہیں۔ ان حکایات میں یہ 'حادثات' سکہ بند قسم کے ہیں؛ مثلاً مشہور نظموں یا کہانیوں کے اقتباسات یا دنیا اور آخرت کے متعلق مشہور کہاوتیں۔ جن حالات میں ان چیزوں کو کہانی میں شامل کیا جاتا ہے، ان کی نوعیت کے باعث یہ چیزیں بالکل خالص لوک کہانیوں کا باعث بنتی ہیں؛ اس لیے ایک طالب علم کے لیے یہ چیزیں بالعموم کہانی کا اہم ترین حصہ ہوتی ہیں۔ چنانچہ ہر جگہ موتی، قیمتی پتھر بلکہ چمک دار پھول تک کے معجزانہ وجود میں آنے کے واقعات کی طرف اہم اشارے ملتے ہیں، کیوں کہ کسان طبقے کے لیے یہ چیزیں ناقابل فہم ہیں۔ ان کے نزدیک لعل سمندروں میں پیدا ہوتے ہیں، یا دریاؤں کا دیوتا انھیں بطور خاص انعام عطا کرتا ہے؛ یا اس سے بھی عجیب تر تصور یہ ہے کہ مقتول ہیرو یا ہیروئن کے خون کے قطرے لعل بن جاتے ہیں، بارش کے قطرے خاص ایام میں چمک دار بن جاتے ہیں؛ اسی طرح موتی اور پھول ہیرو یا ہیروئن کے آنسوؤں یا قہقہوں یا گفتگو سے وجود میں آتے ہیں؛ وغیرہ وغیرہ۔

لوک کہانیوں میں جو بہت سے حادثات پیش آتے ہیں وہ بعض شعبدہ بازی یا چالاکی سے تعلق رکھتے ہیں اور کہانیوں کے اور بہت سے مضامین کی طرح ان حادثات کو بیان کرتے وقت بھی واقعات کے سیدھے سادے بیان اور کسان طبقے کے سارے شاعرانہ تصورات اور عقل‌مندی کا سہارا لینا پڑتا ہے ۔ پھر یہ چالاکیاں دل خوش‌کن بھی ہوتی ہیں اور تکلیف دہ بھی ۔ بسا اوقات یہ ظالمانہ مذاق کی صورت میں ظاہر ہوتی ہیں ؛ کبھی پراسرار فوق‌الفطرت المیے کی صورت میں اور کبھی صاف دھوکے کی شکل میں ۔ یہاں تک کہ سیلادیئی (خاتون عفت)، جسے نیکی کے مجسمے کے طور پر پیش کیا جاتا ہے ، ایک جگہ صاف جھوٹ بول جاتی ہے ۔

ہر قسم کی تقریبوں کی تفصیلات بیان کرنا بھی لوک کہانیوں کے حادثات کی ضروری صورت ہے اور اکثر یہ چیز بہت اہم ثابت ہوتی ہے ، مگر موجودہ بحث میں اس کی طرف محض اشارہ کر دینا ہی کافی ہے ۔ ان حکایات میں کئی جگہ تقریبات ، بالخصوص شادی کی تقریبات کا بہت دلچسپ اور سبق آموز بیان ملتا ہے ۔ ساتھ ہی شادی کے متعلق بھی عام دلچسپ اور سبق آموز تصورات ملتے ہیں ۔ ہندوستان میں سگائی بھی شادی ہی کی قسم کی چیز ہے ۔ ان حکایات میں شادیوں اور سگائیوں کی تقریبات کا جو بیان ہے ان کے بغور مطالعے سے قاری زندگی کے پورے موضوع پر نظر ڈال سکتا ہے،—جس میں عقائد ، رسوم ، تقریبات ، رواج و قوانین اور سیاسی طریقے سبھی آ جاتے ہیں ۔ ان میں سے بعض رواج یورپ کے ماضی اور حال کے رواجوں پر بھی روشنی ڈالتے ہیں ۔ ان کے علاوہ ہمیں بعض عملی تقریبات کے معاملات، مثلاً کسی لڑکی کو منہ بولی بیٹی بنانا ، یا کسی کی ولی عہدی کا اعلان ، یا راجپوت شکار پارٹی کے قواعد ، یا مہمانوں کے استقبال کے بارے میں بھی بعض اشارات یا ان کا حقیقی یا مفروضہ بیان مل جاتا ہے ۔ مقدس یا نیم مقدس معاملات میں ایسی تقریبات ملتی ہیں ، جیسے پھونک کے ذریعے پیش گوئی کرنا ۔ لال بیگی خاک روبوں کے فرقے، نیز جوگیوں اور فقیروں کے مختلف فرقوں میں داخل ہونے کی رسوم ۔ اس سلسلے میں کان چھیدنے کی رسوم بہت نمایاں اور قدرے اہم ہیں ، کیوں کہ اس سے کانوں میں مختلف مقررہ قسموں کے مندرے ڈالنے کا رواج نکلا ہے ، جو مختلف پیشوں یا

قومیتوں کو ظاہر کرتے ھیں - یہیں سے مشرق کی مختلف قوموں کی عورتوں میں کان چھیدنے کی متعدد رسوم کا آغاز ھوا ھے ، تاکہ وہ برے اثرات سے بچی رھیں -

لوگوں کی روزمرہ کی زندگی پر جن باتوں کا اثر ھوتا ھے ، ان میں ایک راکھ ھے ، جسے غم کے نشان کے طور پر بھی استعمال کیا جاتا ھے اور جوگی ھونے کے نشان کے طور پر بھی - غم کے اظہار کے اور بھی کئی مقررہ طریقے ھیں ، جیسے چوڑیاں توڑ دینا زیورات آتار پھینکنا اور وہ رسوم جو نئی بیوا کو ادا کرنی پڑتی ھیں - اسی طرح مقابلے کی خاص اور عام دعوت دینے کے لیے بھی کئی مختلف رواجی طریقے ھیں ؛ جیسے زمین کی وراثت کا دعویٰ کرنا ، چہرہ سیاہ کرنا - اور بے عزتی کے کئی اور طریقے ، روزمرہ کے گھریلو رواج ، جنھیں تقریبات کی رسوم سے ممیز کرنا مشکل ھے ، ان کی بھی کئی مثالیں ملتی ھیں ؛ مثلاً گھر کے مالک کے گھر پر موجود نہ ھونے ، مہمان کی آمد بتانے ، ضرورت کے وقت سوئے ھوئے سردار کو جگانے ، یاد داشت کے لیے گانٹھ لگانے ، فرماں برداری ظاہر کرنے اور عرض داشت پیش کرنے کے عجیب و غریب طریقے - لوک کہانیاں کس طرح لوگوں کے خیالات اور طور طریقوں کو بیان کرتی ھیں ، اس کی ایک مثال یہ ھے کہ ایک جگہ گاؤں کے بچوں کی جنگلی چوھے کو تنگ کرنے کی قدیم عادت کو دلچسپ طریق سے کہانی بنانے کے مقصد کے لیے استعمال کیا گیا ھے -

محبوب عقائد اور ان پر مبنی واقعات کے متعلق حادثات کی تلاش بھی ضروری ھے ، مگر اس سے اس قدر دلچسپ سوالات اور قابل بحث نکات پیدا ھوتے ھیں کہ ان پر بالتفصیل گفتگو کرنا موجودہ فہرست کو ، جو پہلے ھی بہت لمبی ھو چکی ھے ، خواہ مخواہ مزید طوالت دینا ھوگا - البتہ ان حکایات میں ایسے عقائد اور ان پر مبنی واقعات کے بارے میں جو معروف عنوانات آوپر کی فہرست میں نہیں لائے گئے ، یہاں ان پر ایک چھچھلتی ھوئی نگاہ ڈالی جا سکتی ھے ، تاکہ قارئین جان سکیں کہ ان حکایات کی صورت میں ھندوستانی لوک کہانیوں کو اکٹھا کرنے کے لیے کس قدر وسیع جال پھینکا گیا ھے - بہت سے عقائد تو جانوروں کی دنیا کے متعلق ھیں ؛ چند مثالیں ملاحظہ ھوں :----- مختلف

ہرنوں کے مڑے ہوئے سینگ ہونے کی وجہ ، گھوڑا جو ہر جگہ ایک محبوب جانور ہے ، اس کی مختلف مقدس ، غیر مرئی اور اعلیٰ صفات ، مور اور ہنس کی مقدس اور فوق الفطرت طبیعت ، خوف ناک بچھو کی خصلتیں؛ علاوہ ازیں سیاروں کے متعلق عقائد کی بھی بھرمار ہے؛ سورج اور چاندگرہن کے متعلق عقائد بھی یہاں موجود ہیں ۔ اسی طرح اس دنیا کے علاوہ جو دنیائیں ہیں، مثلاً جنت اور دوزخ اور ان کے مکین، جیسے حوریں وغیرہ ، ان کا بیان بھی آ جاتا ہے ۔ انسانی بدن کے مختلف اعضا اور ان کے استعمال سے بھی کئی عقائد پیدا ہوتے ہیں ؛ جیسے کہیں جانے کے لیے پہلے کون سا پاؤں گھر سے باہر نکالا جائے ، چٹانوں اور دوسری جگہوں پر ہاتھوں اور پاؤں کے قدرتی اور غیر قدرتی نشانات ، سر اور اس کو منڈانا ؛ نیز طوفان کے متعلق تمام دنیا میں جو عقیدہ پایا جاتا ہے ، اس کے متعلق بھی اشارات ملتے ہیں ؛ بلکہ ایک جگہ تو واضح طور سے ایسا عقیدہ ملتا ہے جو بالواسطہ طریق سے صرف بائبل کی کہانی پر مبنی معلوم ہوتا ہے ۔ علاوہ ازیں کسان طبقے کے ذہن میں معبود کے متعلق جو تصورات ہیں اور ہندوستان کے مختلف حصوں میں ہندو و مسلم عقائد کے خلط ملط ہو جانے کے باعث اس موضوع کے بارے وہ جس ذہنی خلفشار کا شکار ہیں ، اس کو سمجھنے کے لیے بھی ان حکایات میں کافی مواد ملتا ہے ۔

وہ رواج جن کی جڑیں عوامی عقائد میں ہیں ، ان کی نوعیت کے اعتبار سے لوک کہانیوں میں ان کی طرف بار بار اشارے ہی نہیں ملتے ، بلکہ وہ حادثات کے بیانات کے لیے سر چشمے کا کام بھی دیتے ہیں ؛ مثلاً معبدوں کا آفتاب پرستی کی رسم کی یادگار ہونے کا پہلو ؛ علاوہ ازیں پناہ لینے کا قدیم تصور جو ہر جگہ پایا جاتا ہے اور جس کا اظہار مختلف ناموں سے کیا جاتا ہے اور جس کا تصور تقدس کے دعووں اور خلوت نشینی سے پیدا ہوا ہے ۔ حکایات اور لوک کہانیوں میں یہ غالباً محبوب ترین موضوع ہے ۔ عملاً ایسے مقامات ہمیشہ اجنبیوں کو ان کے دشمنوں سے بچاتے رہے ہیں مگر اسی وقت تک کہ وہ اس کی قیمت ادا کرتے رہے ۔ مہمان داری اور اس کی ذمہ داریوں کا مشہور مشرقی تصور بھی یہی جائے پناہ کا نظری اور عملی تصور ہے ؛ بلکہ مہمان داری کے ہندوستانی اور مشرقی تصور کو جائے پناہ کے

اس تصور سے الگ کیا ہی نہیں جا سکتا ۔ آج بھی اگر پٹھان اپنے مہمان یا دشمن سے ، جسے بالآخر لوٹنا مقصود ہوتا ہے ، پہلے اپنی استطاعت کے مطابق نہایت اچھا سلوک کرتا ہے ، اور بعد میں اسے سزا دیتا ، قتل کرتا یا لوٹ لیتا ہے ، تو وہ اپنے طریقے سے وہی کچھ کرتا ہے ، جو پرانا ملحد یونانی کرتا تھا ، یا جو عہد متوسط کا عیسائی پادری کرتا تھا ، کیوں کہ اس زمانے کا عیسائی پادری بھی بھگوڑوں یا مجرموں کو پناہ دیتا تھا ، مگر اسی وقت تک جب تک وہ اس کے لیے رقم ادا کرتے تھے ؛ جب وہ معاوضہ دینا بند کر دیتا ، اس وقت وہ پادری نہ اسے بچانے کی کوشش کرتا اور نہ اس کے لیے معافی کی کوشش عمل میں لاتا ۔ ان حکایات کے ایک اقتباس سے بھی یہی مترشح ہوتا ہے ۔ راجا رسالو کی بے وفا بیوی نے اپنے عاشق راجا ہوڈی کو اپنے خاوند کے مکان میں کامیابی سے چھپا رکھا تھا مگر رسالو کے وفادار طوطے نے اس کا راز فاش کر دیا ؛ آگے ہم پڑھتے ہیں : ''طوطے نے کہا : 'اپنے مہمان کو قتل نہ کر ، کیوں کہ وہ تیرے بھائی کی مانند ہے' ۔ چنانچہ راجا رسالو اور راجا ہوڈی جنگل کی طرف چلے گئے اور وہاں ایک تیر نے راجا ہوڈی کا کام تمام کر دیا ''۔

ہندوستان میں ایک اور عام رواج ہے کہ عورتیں اپنے خاوندوں کا نام نہیں لیتیں ، کیوں کہ وہ اسے بد شگونی کا سبب سمجھتی ہیں ۔ ان حکایات میں اس کا تذکرہ بھی ملتا ہے ۔ دوسری طرف یہاں حکمرانوں کے قیدی چھوڑ دینے کے قدیم اختیار خصوصی کا بھی ذکر ہے ۔ یورپ میں آج کل صرف رحم اور مہربانی کو اس کا باعث قرار دیا جاتا ہے مگر یہاں اسے بجا طور سے ایسا کام کہا گیا ہے جو خوش قسمتی کا باعث بنتا ہے ۔ خدائی حفاظت کا نہایت قدیم اور عام مشرق نشان ، چھاتا ، جو سایہ مہیا کرتا ہے ، توقع کے مطابق اس کا بھی یہاں بار بار ذکر آتا ہے ۔ اب بگڑی ہوئی صورت میں اسے بادشاہت یا وقار کا نشان سمجھا جاتا ہے ۔

بالعموم ہندوستانی لوک کہانیوں کا اختتام نہایت پرانے طریقے کے مطابق ہوتا ہے ۔ یعنی ہیرو اور ہیروئن ہندوستانی طریقے کے مطابق ہمیشہ کے لیے خوشی کی زندگی بسر کرتے ہیں ۔ (یہاں میں یورپی

مصنفوں کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ کہانی کے اختتام کا یہ طریقہ ان کا وضع کردہ نہیں ہے ۔) اور بدمعاش ، مرد ہو یا عورت ، وقت سے پہلے کیفر کردار کو پہنچتا ہے اور اپنے کیے کی پوری سزا پاتا ہے ۔ مشرق میں شاعرانہ انصاف کی خوب داد دی جاتی ہے ، شاید اس لیے کہ یہاں ایک طویل عرصے سے اس کے سوا اور کچھ بیان نہیں ہو رہا ۔ ہمیں یہاں صرف انتقام اور سزا کی صورتوں سے دلچسپی ہے ، کیوں کہ ان سے پتا چلتا ہے کہ اس موضوع کے متعلق عوام کے تصورات کیا ہیں ۔

ان حکایات میں اور دوسری جگہ بھی ، سب سزائیں انتقامی اور ظالمانہ ہوتی ہیں ؛ بلکہ اس سلسلے میں ظلم کے نئے نئے طریقے ایجاد کیے جاتے ہیں اور عذاب صرف انتقام کے اظہار کا ذریعہ ہے ۔ کسی کو عذاب دینے کے لیے انتقام کے سوا اور کوئی نا پسندیدہ مقصد پیش نظر نہیں ہوتا ۔ دشمنوں کو ٹکڑے ٹکڑے کیا جاتا ہے ، زندہ دفن کر دیا جاتا ہے ، زندہ جلا دیا جاتا ہے ، تیروں سے مار ڈالا جاتا ہے ، گردن تک زمین میں دفن کر کے بھوکوں مرنے کے لیے چھوڑ دیا جاتا ہے اور بسا اوقات ان کے ارد گرد کانٹے یا سانپ اور بچھو وغیرہ بھی لا ڈالے جاتے ہیں ۔ یہاں انتقام کے ساتھ ذاتی فتح کا جذبہ بھی پایا جاتا ہے ۔ دشمن کی کھوپڑی پر چاندی منڈھ کر اس میں شراب پی جاتی ہے ، پھانسی پائی ہوئی لاشوں کو بر سر عام لٹکا دیا جاتا ہے ، دشمن کی قبروں پر ھل چلا دیا جاتا ہے اور فاتح ہیرو اور ہیروئن ان قبروں کو اپنے پاؤں تلے روندتے ہیں ۔ لوگوں کو زندہ جلا کر ان کی راکھ ان کی ماؤں کے پاس بھیجی جاتی ہے اور مجروح دل خاوند اپنی بے وفا بیوی کو دھوکے سے اس کے محبوب کا دل کھلا دیتا ہے ۔ اگرچہ یہ سلوک بہت ظالمانہ نظر آتا ہے مگر کسان طبقہ جو کچھ ہمیشہ سے سنتا آیا ہے اور آج بھی جو سلوک اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے یا جس کے متعلق ذاتی علم رکھتا ہے ، اس کے مقابلے میں یہ سزائیں بہت نرم ہیں اور مشرق تاریخ کا ہر طالب علم اس سے بخوبی واقف ہے ۔

بسا اوقات ہندوستان میں مقدس جذبۂ انتقام جس حد تک چلا جاتا

ہے، وہ خود کشی ، ایذائے نفس ، یا اپنے آپ کو نقصان پہنچانے کے اس عام رواج سے ظاہر ہے ، جس کا مقصد اپنے کسی مخالف یا دشمن پر الٰہی یا فوق الفطرت عذاب لانا ہوتا ہے - اگرچہ یہ رواج اپنی نوعیت اور مقصد کے لحاظ سے ذلیل ہے مگر اس نے ایک اور ایسے ہی رواج کو جنم دیا ہے ، جو اس کے برعکس اتنا ہی شریفانہ ہے - میری مراد راجپوتوں کی رسم جوہر سے ہے : جب وہ سمجھتے ہیں کہ اب وہ اپنے شہر یا قلعے کی حفاظت نہیں کر سکتے تو مرد مرنے مارنے کا تہیہ کر کے باہر نکل آتے ہیں اور اُن کی سب عورتیں خود کشی کر لیتی ہیں -

میں اپنے لوک کہانیوں کے تجزیے کو اسی رسم کے بیان پر ختم کرتا ہوں جو تمام ہندوستانی رسوم و عقائد کا شریف ترین نتیجہ ہے - میں سمجھتا ہوں کہ ان صفحات میں میں نے اتنا کچھ کہ دیا ہے جس سے یہ ثابت ہو جائے کہ ہم نے حکایات پنجاب کی صورت میں عملاً ہندوستانی حکایت گوئی کا تمام ڈھانچا قارئین کے سامنے رکھ دیا ہے - ان حکایات کے کردار اور ان کے اعمال ، جہاں تک ہم انہیں دیکھ سکے ہیں ، بالکل وہی خصوصیات رکھتے ہیں ، جو عام ہندوستانی لوک کہانیوں میں ان کے متعلق ملتی ہیں ؛ خواہ وہ حکایات محض بیانیہ ہوں یا کوئی ایسا مقصد رکھتی ہوں ، جس کا تعلق روحانی بزرگوں یا شیطانی لوگوں کی سوانح حیات سے ہو - میں یہ بھی امید رکھتا ہوں کہ قارئین کے سامنے جو کچھ رکھا گیا ہے وہ انہیں یقین دلانے کے لیے کافی ہے کہ اگر ان حکایات کا صحیح طور سے جائزہ لیا جائے تو ان کے مطالعے سے ان سب حضرات کو خاطر خواہ فائدہ پہنچے گا جو دنیا کے کسی حصے میں لوک کہانیوں کے متعلق تحقیقی کام کرنا چاہتے ہیں - وہ عوام کے خیالات اور ان کے انداز فکر کے متعلق اتنا کچھ جان لیں گے ، جس سے دنیا کے ہر حصے میں بسنے والے کسان طبقے کے روز مرہ کے بہت سے ایسے کاموں میں جو بظاہر غیر معقول اور ناقابل فہم نظر آتے ہیں ، معنی پیدا ہو جائیں گے -

یہ حکایات اتنے برسوں سے خالص ہندوستانی انداز میں وقتاً فوقتاً

صحیح معنوں میں میری رفیق رهی هیں اور میں اب ان سے همیشه کے لیے جدا هونے سے پیشتر ایک بار پھر ان سب حضرات کا شکریه ادا کیے بغیر نہیں رہ سکتا ، جنھوں نے سالہا سال قبل بے غرضی سے میری مدد کی تھی اور اگر پہلی جلدوں میں نا دانسته طور سے کسی ایسے دوست کا نام رہ گیا ہو ، تو میں ان سے نہایت ادب سے معذرت چاهتا هوں ۔

اب اپنی پرانی رفیق حکایات کے متعلق آخری الفاظ کہتے ہوئے میں قارئین کی توجه اس طرف مبذول کرنا چاهتا هوں که خود اس کتاب کی تالیف کی کہانی هندوستان میں ایک انگریز کی زندگی کا صحیح نمونه ہے ۔ میں نے اس سلسلے میں اس وقت کام کا آغاز کیا تھا ، جب میرے هاں بچے پیدا هونے شروع هوئے تھے ۔ انهی کی طرح شروع میں یه کتاب میری مستقل رفیق رهی ۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ هندوستان میں ملازمت کے حالات نے مجھے کئی کئی وقفوں کے لیے ان دونوں سے جدا رهنے پر مجبور کیا ؛ یہاں تک که بالآخر میں مجبور هو گیا که اپنے بچوں کی طرح ان حکایات کو بھی دنیا کے سامنے اس وقت پیش کروں جب مجھے ان کے متعلق اس حد تک ذاتی علم اور یاد داشت حاصل هو جس کی خواهش هر باپ کو اپنے بچوں کے متعلق هوتی هے ۔ وہ لوگ جنھیں قسمت روز مرہ کی کار و باری زندگی سے نکال کر ''حسرتوں کی سر زمین'' میں لے جاتی هے ، پہلے کی طرح اب بھی ان کا یہی حال هے ۔

آر ۔ سی ۔ ٹمپل

پورٹ بلیئر ۔ جزائر انڈیمان ۔ مئی ۱۹۰۰ء

———

حکایت ۳۹

مرزا و صاحباں

جیسے اسے ضلع جالندھر کے بعض جاٹ گاتے ھیں

یہ اضلاع جھنگ اور منٹگمری ھی کی نہیں بلکہ سارے پنجاب کی بہت مشہور کہانی ھے ۔ اس کی شہرت کا زیادہ باعث وہ لڑائی تھی جو صاحباں کے اغوا کے نتیجے میں کھیوا ضلع جھنگ کے ماھنیوں (سیال) اور چادھڑوں اور دانا آباد ضلع منٹگمری کے کھرلوں میں ھوئی ۔ عام طور سے مشہور کہانی یہ ھے : مرزا کو اُس کے رشتے دار ماھنی کے ھاں بھیجا گیا ؛ ماھنی کھیووں کا سردار تھا اور صاحباں اُس کی لڑکی تھی ۔ صاحباں کی سگائی ایک چادھڑ نوجوان سے ھو چکی تھی مگر پیشتر اس کے کہ وہ اُس نوجوان سے بیاھی جاتی ، مرزا نے اُسے اغوا کر لیا اور اسے دانا آباد کی طرف لے گیا مگر اُن کے دانا آباد پہنچنے سے پہلے ھی ماھنیوں اور چادھڑوں نے انھیں رستے میں جا لیا ، مرزا کو انھوں نے قتل کر دیا اور صاحباں کا گلا گھونٹ دیا ۔ اس کے بعد کھرلوں نے ماھنیوں اور چادھڑوں پر حملہ کر کے انھیں شکست دی اور وھاں سے مرزا اور صاحباں کی لاشیں لے جا کر دانا آباد میں دفن کر دیں ۔ مگر یہ قبائلی جنگ بہت عرصے تک جاری رھی ، یہاں تک کہ لوگ لڑکیوں کی پیدائش کو منحوس سمجھنے لگے ۔ اس کا نتیجہ یہ ھوا کہ بہت سی لڑکیاں بچپن ھی میں گلا گھونٹ کر مار ڈالی گئیں؛ بالکل اسی طرح جیسے صاحباں کو مار دیا گیا تھا ۔ جہاں تک کھرلوں کا تعلق ھے ، اُن

میں دختر کشی کا انسداد پچھلے چالیس برس کے دوران میں انگریزوں نے کیا ہے (یہ کتاب سنہ ۱۸۸۶ء میں چھپی تھی)۔ سیالوں کو آج بھی صاحباں کا تذکرہ اسی طرح ناگوار گزرتا ہے جیسے ہیر کا، جس کی کہانی سابقہ جلد میں دی جا چکی ہے۔

سابقہ جلد میں ہیر کا واقعہ سولھویں صدی عیسوی کا بیان کیا گیا تھا لیکن صاحباں اس کے بہت بعد ہوئی ہے۔

یہاں جو کہانی دی گئی ہے، وہ خاص طور سے نامکمل ہے اور اس میں بہت سے مقامی نوعیت کے اشارات ہیں؛ علاوہ ازیں یہ کہانی اس پر لطف انداز میں پیش نہیں کی گئی، جو قدیم ہندوستانی کہانیوں کا مخصوص انداز ہے، خواہ وہ جدید طور سے ہی کیوں نہ پیش کی گئی ہوں۔

صاحباں کھیوا کے ہاں منگل کے روز پیدا ہوئی۔
ڈوموں نے کھیوا سردار کے دروازے پر خوشی کے گیت گائے۔
اس کے عزیزوں رشتے داروں نے اسے نیک دعائیں اور تحفے دیے۔
جب وہ جوان ہوئی تو اتنی ہر دل عزیز ہوئی کہ اس کی سہیلیوں نے اس کی پیروی شروع کر دی۔
کھراڑے بار میں ونجھل کے ہاں مرزا پیدا ہوا۔
ماں باپ نے اسے جنم دیا اور خدا نے اسے حسن دیا
اور یہ سورما کھرلوں کا سردار بن گیا۔
صاحباں نے تختی پڑھنی شروع کی اور مرزا قرآن پڑھنے لگا۔
مسجد کے اندر ان کی آپس میں محبت ہو گئی، ساری دنیا جانتی ہے۔
''اے قاضی مجھے چابک نہ مار، مجھ جلی ہوئی کو اور نہ جلا۔
ہماری پڑھائی ختم ہو چکی ہے، اب ہماری قسمت میں عشق لکھ دیا گیا ہے''۔
صاحباں تیل لینے کے لیے گئی، وہ پنساری کی دکان پر پہنچی۔

پنساری اسے دیکھ کر[1] ترازو پکڑنا بھول گیا اور آسے باٹوں کا شمار
یاد نہ رہا۔
بنیا تیل بھول گیا اور اس نے اس کی بجائے شہد ڈال دیا۔
بنیے نے بیوپار گنوا دیا اور جاٹوں نے بیل گنوا دیے۔
تین سو آدمی ناتگے فقیر ہوگئے اور اپنے گھر چھوڑ کر جنگلوں میں نکل
گئے۔
مرزا اور صاحباں کی دوستی دنیا میں ہمیشہ یادگار رہے گی۔
صاحباں پڑھنے کے لیے اپنے گھر سے روانہ ہوئی۔
''ہمارا قاضی مر چکا ہے اور مسجد سونی پڑی ہے''۔
''اے کرموں برہمن! میری بات سن، تو کبھی ہمارے کام نہیں آیا۔
میں تجھے انعام میں ایک گھوڑی لگام اور زین سمیت دوں گی۔
میں اپنے ہاتھوں کی چوڑیاں تجھے دے دوں گی، میں سونا دان
کروں گی؛
دودھ پینے کے لیے تجھے جوان بھینس دوں گی اور ہل چلانے کے لیے تجھے
زمین دوں گی۔
جب تک صاحباں جیے گی تیری احسان مند رہے گی۔
چوتھے دن تک مجھے چادھڑ بیاہ کے لے جائیں گے؛ پھر وہ (مرزا) آ کر
کیا کرے گا''۔
کرموں نے جواب میں یوں کہا: ''میں تجھ سے سچ کہ دوں؛
چالیس کوس کا فاصلہ ہے، کون آئے کون جائے۔
سنتے ہیں مرزا کی ایک اور بیوی ہے جو بہت ہوشیار ہے۔
دو سوکنیں ہوجائیں تو وہ خاوند کے مرنے کے بعد جائداد بانٹ لیتی ہیں۔
جاٹ کی پرانی دوستی چھوڑ دے اور کرموں سے نئی دوستی لگا لے۔
اپنے ہی گاؤں میں دوستی لگا لے اور گھر بیٹھے عشق سے لطف اٹھا''۔
صاحباں نے اسے یوں جواب دیا: ''تیرے منہ میں خاک؛
تجھے اس زور سے دوھتھڑ رسید کروں گی کہ تیرے ہوش و حواس گم
ہو جائیں گے۔
اگر میرے باپ کو پتا چل جائے تو وہ تجھے شہر بدر کر دے۔

۱۔ صاحباں کا حسن دیکھ کر۔

اگر میرے بھائی شمیر کو پتا چل جائے تو تجھے مار ڈالے؛
اگر گاؤں کے لڑکوں کو پتا چل جائے تو وہ تجھے پتھر ماریں۔
ابھی تھوڑے دنوں میں سرادھ[1] آ جائیں گے، پھر تجھے کون کھانا کھلائے گا''۔
میں تیری بیٹی تھی اور تو مجھے بیوی بنا کر بیٹھ گیا۔
جب میرے باپ کھیوے کی کچہری لگے گی، وھاں تجھے گرفتار کر کے لایا جائے گا''۔
''صاحباں میرا یہ گناہ معاف کر دے؛ جہاں تو بھیجے گی، میں جاؤں گا۔
میں نے افیون کھائی ہے، اس لیے میری عقل ٹھکانے نہیں۔
میں بےوقوف اور غریب ہوں، میرے سفید بالوں کی شرم رکھ لے۔
میں کل علی الصبح کھرلوں کی طرف چل دوں گا''۔
برھمن سیالوں سے چل پڑا اور کھرلوں کے راستے پر ہو لیا۔
مرزا کے پاس پہنچ کر اسے شادی کی تاریخ بتائی اور کہا:
''خود وھاں جا کر اپنے ھاتھوں سے صاحباں کو بیاہ کی مہندی لگاؤ۔
صاحباں نے مجھے بھیجا ہے، تب میں یہاں آیا ہوں؛ اٹھ کر جلدی تیار ہو جاؤ''۔
مرزا خاں کے سفر پر روانہ ہوتے وقت، اس کی بہن چھتی نے اسے یوں کہا:
''مرزا! رک جا، پہلے اپنے گھر میں بیٹھ کر مشورہ کر لے؛
تیرے لیے لازم ہے کہ جانے سے پہلے تو پلنگ پر بیٹھ کر میرے متعلق فرائض سرانجام دے لے۔
کل ساندل بار کے بھٹی صاحباں کے دروازے پر برات لے کے آئیں گے''۔
مرزا نے جواب دیا: ''میرا جانا بہت ضروری ہے؛ میرے بھائی بند یہاں موجود ہیں۔
یہ اپنی ناک رکھنے کے لیے تیرے بیاہ کے کام خود ہی اچھی طرح سرانجام دیں گے، ورنہ کھرلوں کی اھانت ہوگی۔
میرا جانا بہت ضروری ہے، مجھے جاتے ہوئے نہ روک۔

۱- ھندوؤں کے متبرک ایام، جن میں برھمنوں کو اچھے اچھے کھانے کھلائے جاتے ہیں۔

میں اپنا کام سنواونے کے لیے جا رہا ہوں ، مجھے کسی کے کاموں سے
کیا غرض ؟''

مرزا خاں سفر پر چلا ، اس کی ماں نے اسے یوں نصیحت کی :
''سیال بد معاملہ بھی ہیں اور ان کا چلن بھی برا ہے۔
سیالوں کی عورتیں بھی بری ہیں ، وہ مردوں پر جادو کر دیتی ہیں ؛
وہ مردوں کا کلیجا نکال کر چبا جاتی ہیں ؛ تو میرے سفید بالوں کو
رسوا نہ کر۔
تو عورت کی خاطر جا رہا ہے ، کہیں جان سے ہاتھ نہ دھو بیٹھنا۔
میرا کہا مان اور آگے قدم نہ بڑھا''۔
''کھیوے کے ہاں شادی ہے ، اس نے مجھے پیغام بھیجا ہے۔
اس کے بھیجے ہوئے آدمی نے گھر پہنچ کر مجھے تاریخ بتائی ہے۔
وہ میرے ننھیال ہیں ، میں ان کا نواسا ہوں ، مجھے جاتے ہوئے
نہ روک۔
میں وہاں جا کر اسے پانچ روپے اور جوڑا دے آتا ہوں''۔
مرزا نے اپنی گھوڑی کو خوب سجایا اور پھر اس پر بیٹھ گیا۔
گھوڑی[1] پر بیٹھے ہوئے اس کا دامن الجھا اور اسے چھینک آئی۔
مرزا کھیڑوں[2] کے سامنے سر جھکا کر سیالوں کی جانب روانہ ہوا۔
واقعی خان کھیوے کی بیٹی اس کا کلیجا نکال کر لے جا چکی تھی۔
(مرزا اپنے عزیزوں سے کہنے لگا) : ''اس کی زلفیں گز بھر لمبی ہیں ،
اس کا رنگ گورا ہے۔
اگر وہ مجھے زہر کا پیالہ دے تو میں وہ بھی پی لوں۔
اگر وہ مجھے تاک کر برچھی مارے تو میں مرزا کبھی اف تک
نہ کہوں۔
اگر مجھے مرنا ہے تو اپنی موت مرنا ہے ، تمھیں مجھ سے کیا غرض؟''
مرزا خاں کو جاتے ہوئے اس کے باپ ونجھل جاٹ نے یوں نصیحت کی :
''عورتوں کی دوستی سے ہاتھ اٹھا ، ان کی عقل کوتاہ ہوتی ہے۔

---

۱ - دونوں برے شگون سمجھے جاتے ہیں - مرتب
۲ - سیدے کھیڑے سے ہیر کا بیاہ ہوا تھا ، اس کی طرف اشارہ ہے۔
مرتب

پہلے ھنس ھنس کر دوستی کی ابتدا کرتی ھیں ، پھر رو رو کر سارا راز
افشا کر دیتی ھیں ۔
جس گھر کی عورت سے دوستی ھو جائے ، وھاں کبھی نہیں جانا چاھیے ۔
آبرو مندوں کی آبرو کئی ساٹھ روپے خرچ کر دینے سے بھی دوبارہ
ھاتھ نہیں آتی ۔
اب صاحباں کو چھوڑ کے نہ آنا ، ورنہ ھماری عزت نہیں رھے گی ۔
راجا اپنی سلطنت کا افسوس کرتے ھیں جسے وہ گنوا بیٹھیں اور چور
اس مال کا جسے وہ چھوڑ آئیں ۔
عورتیں حسن نہ ھونے پر کڑھتی ھیں اور مور اپنے پاؤں کو دیکھ
کر کڑھتا ھے"۔
مرزا خاں کو جاتے ھوئے اس کی ماں نے کھڑے ھو کر نصیحت کی :
"اے بھائی ! سانپوں اور شیروں سے دوستی مفید نہیں ھو سکتی ،
یونہی ضد نہ کر ۔
تیل کا کڑاھا گرم ھے ، شعلے سر کے قریب پہنچ رھے ھیں ۔
موسیٰ موت سے ڈر کے بھاگا مگر موت (کا فرشتہ) اس کے سامنے
کھڑا تھا ۔
پہاڑ راستہ روک کر کھڑے ھو گئے ، اب وہ کس طرف سے نکلے ۔
بی بی فاطمہؓ بازو اٹھا اٹھا کر رو رھی تھیں :
"اے رب ! میں نے کیا گناہ کیا تھا کہ میرے دونوں لعل مٹی میں
مل گئے"۔
آج کا دن ٹال دے ، کل سیالوں کے ھاں چلے جانا "۔
"اگر وہ بیاھی ھوتی تو میں اسے چھوڑ دیتا ، منگیتر کو چھوڑا نہیں
جا سکتا ۔
اگر میں نے منگیتر کو چھوڑ دیا تو کھرلوں کی عزت پر حرف آئے گا ۔
مرزا تیرا بیٹا ھے اور صاحباں تیری بہو ؛ دنیا میں ھر ایک کی زبان پر
ھماری کہانی ھوگی"۔
مرزا خاں کو جاتے ھوئے اس کی ماں نے کھڑے ھو کر نصیحت کی :
"عاشقوں اور چوروں کو کبھی اپنا راز افشا نہیں کرنا چاھیے ۔
آج کا دن ٹال دے ، کل سیالوں کے ھاں چلے جانا "۔
مرزا نے اس کے جواب میں یوں کہا : "میں سچ کہے دیتا ھوں ۔

میں نے ونجھل کے ہاں جنم لے کر اپنے خاندان کا نام بلند کر دیا ہے ۔
صاحباں سیال نے مجھے بلایا ہے ، میں کیسے انکار کر دوں ۔
اگر زندہ رہا تو آ ملوں گا ، امید نہ چھوڑو''۔
مرزا سوار ہو کر سیالوں کی جانب چل دیا ۔
مرزا نے پیلو شاعر سے پوچھا : ''مجھے سوچ کر شگون بتاؤ''۔
پیلو کنوئیں پر آ کے بیٹھ گیا اور اس نے لاکھ تدبیریں کیں ۔
آڑے ستون کے ساتھ دھرا بندھا ہے اور دھرے کے ساتھ چرخی بندھی ہے ؛
پھر ڈھول اور چرخی کو زنجیر سے جکڑ دیا گیا ہے ۔
ڈھول کے ساتھ چرخی اس طرح کام کرتی ہے ، جیسے بادشاہوں کے ساتھ وزیر کام کرتے ہیں ۔
''تکا'' یوں ٹھک ٹھک کر رہا ہے ، جیسے کوئی فقیر دروازے پر دستک دے ۔
''ٹنڈیں'' گویا لبا لب آنکھوں سے آنسو بہا رہی ہیں''۔
مرزا نے یہ سن کر کہا : ''میں تجھے بتا دوں ،
تیری سب باتیں جھوٹی ہیں ، میں تیری کوئی بات نہیں مانتا ''۔
پیلو بولا : ''ان چرخیوں کے مالک قبروں میں جا چکے ہیں ۔
اگر تو زندگی چاہتا ہے تو آگے قدم نہ رکھنا ''۔
''مسافرو ! راستوں پر چلو ، پگ ڈنڈیوں پر نہ جاؤ ۔
جس دن پیغام لانے والے شادی کی تاریخ کا پیغام لائے تھے
اور اس نے مجھ مرزا کے گھر آ کر مجھے دعوت دی تھی ،
میں نے پانچ روپے اور ایک جوڑا بھیج دیا تھا—نہ کم نہ زیادہ ۔
تمھاری گھوڑیاں پلی ہوتی ہیں ، میری بکی[1] کی کمر پتلی ہے ۔
یہ لے سلامی کا روپیہ ، خدا کرے تو آئندہ عقل سے کام لے ۔
بکی کے سموں سے اس طرح آواز نکلتی ہے ، جیسے لوہے پر ہتھوڑے برس رہے ہوں ۔
بکی کی دم اس طرح ہلتی ہے ، جیسے غلام مورچھل کرے ۔
وہ اجانوں کی پگڑیاں منہ سے آتار کر پھاڑ دیتی ہے ۔

---

۱ - مرزا کی گھوڑی کا نام ۔ مترجم

بکی نے کئی لوگوں کی عزت خاک میں ملا دی ؛ اس نے کسی کا پاس نہ کیا ۔
انھوں نے میرے نائی کو مار ڈالا اور شربت نیچے گرا دیا ۔
محبت پوچھ کر نہیں آتی ، نہ چھوڑے چھوڑی جا سکتی ہے ۔
بات کرنا آسان ہے ، مگر اسے نبھانا بہت مشکل ہے''۔
مرزا ، صاحباں کو چرانے کی نیت سے سیالوں کی بستی میں پہنچ گیا ۔
اوروں کے ہاتھوں میں برچھیاں تھیں ، مرزا کے کاندھے پر سبز کمان تھی ۔
میرا مرزا جو شیر کی طرح جوان تھا ، دائیں جانب سے داخل ہوا ۔
وہ بیبو کے مکان میں گیا اور اسے چرخا کاتتے ہوئے رک کر کہا :
''اگر تو میری منہ بولی خالا ہے تو آج صاحباں کو بلا کے ملا دے''۔
بیبو نے چار مہریں لیں اور اپنے گھر سے چل پڑی ۔
''اے صاحباں ! نیند سے جھاگ تاکہ میں تیرا چہرہ دیکھ لوں''۔
''بیبو[1] ! تیرے مکان کے اندر سرخ پگڑی والا یہ کون جوان ہے ؟''
''یہ گلاب کا پھول مرزا ہے ، جو میرے دامن میں آ گرا ہے''۔
''میری بانہیں زور سے نہ مروڑ ، چوڑیاں ٹوٹ جائیں گی ۔
کل ہی میں نے یہ چوڑیاں پہنی ہیں اور ابھی ان سے پوری طرح لطف اندوز بھی نہیں ہوئی ۔
تنگ گلی ہے ، چھوٹا سا مکان ، تم نے یہاں آ کر حماقت کی ۔
اگر خاں شمیر کو پتا چل جائے تو وہ خوب سیر ہو کر تیرا لہو پیے ۔
اگر[2] تیرے سر پر پگڑی ہے تو مجھے دانا آباد کو لے چل ،

---

۱ ۔ معلوم ہوتا ہے اس کے بعد صاحباں بیبو کے ساتھ اس کے مکان پر آ گئی اور وہاں اس نے یہ سوال کیا ۔ اگلا مصرع بیبو کا جواب ہے ۔ مرتب نے یہ تینوں مصرعے صاحباں کے پہلے ظاہر کیے ہیں ۔ مترجم

۲ ۔ اگر تو غیرت مند ہے ۔ مترجم

ورنہ یہ تجھے مار ڈالیں گے ؛ آج کھرلوں کی عزت بچا لے جا ''۔
پھر مرزا نے کہا : ''اے جام لوہار ! سن ۔
تو سوتا ہے یا جاگتا ہے یا جاگتے میں خواب دیکھ رہا ہے ۔
اپنی اجرت لے لے اور مجھے ہزار کیل بنا دے ۔
اگر تو میرا منہ بولا بھائی ہے تو صاحباں کو ساتھ لے جانے میں میری مدد کر''۔
مرزا نے پانچ پیروں کی منت مانی اور کیلیں گاڑ دیں
اور وہ اس طرح کیلیں گاڑتا صاحباں کے مکان کی چھت پر چڑھ گیا ۔
جب صاحباں نیچے اتری تو اس کے زیورات سے جھنکار پیدا ہوئی ۔
اس کی سرخ اوڑھنی کا دامن الجھا ۔ ''بکی کو روک لے'' اس نے کہا :
مرزا بولا : ''صاحباں ! ہم اپنے لکھ پتی باپ کے ہاں جا رہے ہیں ،
وہاں میں تیرے سامنے سرخ اوڑھنیوں کا انبار لگا دوں گا ؛
اب بکی پر بیٹھ جا اور مرزا کی زندگی کے لیے دعا کر''۔
صاحباں نے کہا : ''اے مرزا ! تیری گھوڑی مریل اور دبلی سی ہے ؛
یہ تو کہاں سے لے آیا ؟
اس کا پنجر سوکھا سا ہے ، اس کی کمر کووں نے زخمی کر رکھی ہے ۔
اگر تیرے باپ کے پاس کوئی اچھی گھوڑی نہ تھی تو کسی اور سے مانگ لایا ہوتا ۔
کھیوے خاں کی گھوڑیاں خوب پلی ہوئی ہیں ۔
وہ اغوا کر کے لے جانے والے چور کو بھاگنے نہیں دیں گی ۔
وہ تجھے جنگل میں پکڑ لیں گے اور تیری گردن مروڑ کر تجھے مار ڈالیں گے''۔
''بکی کے کان لمبے ، کمر پتلی اور دم سیاہ ہے ۔
اسے دبلی دیکھ کر فکر مند نہ ہو ۔
میرے[1] باپ کے پلنگ کی پائنتی بائیس ڈوگر بیٹھتے ہیں ۔
بکی میرے اس زبردست باپ کی کھیتیوں میں کھلی چرتی پھرتی ہے ۔

---

۱ - پائنتی بیٹھنا ـــــ کم تر محسوس کرنا ۔ مرتب

ہم بکی کو دس بھینسوں کا گھی کھلا چکے ہیں ۔
بکی سے فرشتے ڈرتے ہیں اور مجھ سے خدا ڈرتا ہے ۔
یہ پاتال میں بھی جا سکتی ہے اور آسمان پر بھی چڑھ سکتی ہے ۔
میں اس پر شوق سے سواری کرتا ہوں ، تو اس میں کیڑے نہ ڈال''۔
دروازے پر ڈھول بجنے لگا اور صاحباں کے لیے تیل گرایا گیا[1] ۔
مکان کے اندر اس کے ننھیال بیٹھے تھے ، دروازے سے باہر مہمان تھے ۔
مٹھائی تھالی میں پڑی رہی اور عطر شیشی میں ؛
زیورات پٹاریوں میں پڑے رہے اور چوڑیاں اور ہار بھی ۔
فیروز ڈوگر[2] نے بلند آواز سے کہا : ''خاں کھیوے ! میری بات سننا ۔
روتی ہوئی صاحباں کو مرزا سندی بار کی طرف لے گیا ہے ۔
وہ سیالوں کی عزت خاک میں ملایا گیا ہے اور انھیں بدنامی کا داغ دے گیا ہے ۔
گھوڑے لے آؤ اور سب لوگ ان پر سوار ہو کر بھاگنے والوں کا پیچھا کرو ۔
پیدل راستے پر ہو لیں اور سوار جنگلوں میں گھس جائیں ۔
ہم آپس میں عہد و پیمان کر کے مرزا کو بر سر عام قتل کریں گے''۔
عشق[3] آدمی کو تباہ کر دیتا ہے ، برف درخت کو تباہ کر دیتی ہے ۔
چور سو نہیں سکتا اور عاشق کی بھوک اڑ جاتی ہے ۔
صاحباں نے کہا : ''صاحباں اور مرزا کی محبت دنیا سے چھپی نہیں رہے گی ۔
مجھے اب دانا آباد کی طرف لے چل ، میں (جنگل کی) اس زندگی سے تنگ آ چکی ہوں ۔

---

۱ ۔ شادی کی ایک رسم ۔
۲ ۔ صاحباں کا ماموں ۔ مرتب
۳ ۔ کہاوت ہے ، جسے صرف اثر بڑھانے کے لیے رکھ لیا گیا ہے ۔ مرتب

اے جاٹ ! تو جنڈ کے درخت کے نیچے سویا پڑا ہے ، اٹھ ، ہوش سنبھال ۔
بکی تجھے چھوڑ کے جا چکی ہے ، جس پر تجھے اتنا اعتماد تھا ۔
تارو ، جو تیرا بہت پرانا دوست تھا ، وہ بھی تجھے چھوڑ گیا ہے ۔
اب صاحباں کا آخری وقت آ گیا ہے ، جس کا تجھے یقین نہیں آتا تھا "۔
"مجھے اپنے سے بڑھ کر کوئی سورما نظر نہیں آتا ، جو مجھ پر وار کرنے کی جرأت کرے ۔
میں تیرے سارے بھائیوں کو موت کی نیند سلا سکتا ہوں ۔
مجھے تھوڑی دیر جنڈ کے سائے میں نیند سے لطف اٹھا لینے دے ، پھر جو ہو سو ہو ۔
آج اس گھڑی مجھے سو لینے دے ، اگلی گھڑی ہم دانا آباد میں داخل ہو جائیں گے "۔
"اے جاٹ ! تو سرخ دوشالا اوڑھ کر جنڈ تلے سویا پڑا ہے ۔
موت کا فرشتہ تیر مار رہا ہے ، آج ہمیں موت بچ کے نہیں جانے دے گی ۔
ہماری پیشانی پر بری قسمت لکھی جا چکی ہے ، وہ ہمیں کامیاب نہیں ہونے دیتی ۔
یہ زبردست خدا کی تحریر ہے ، اسے کون مٹا سکتا ہے ۔
اے سوئے ہوئے مرزے ! اٹھ ، تیری بائیں جانب سوار پہنچ چکے ہیں ۔
ان کے ہاتھوں میں تلواریں ہیں ، جنہیں وہ گھماتے آ رہے ہیں ۔
یہ گھوڑیاں میرے باپ کی گھوڑیوں جیسی ہیں اور سوار بھائیوں جیسے ۔
کیا وہ ہمیں ڈھونڈ رہے ہیں یا شکار کھیل رہے ہیں ؟
اے جنڈ کے درخت ! تو ہی انصاف کر ۔
خدا کرے تیرا پھل دگنا ہو اور تیری چھاؤں چار گنا ہو "۔
اس نے اپنے محبوب کو پیار سے جگایا ۔ "خدا کے لیے اب اٹھ !
صاحباں اپنے گھر تک نہیں پہنچ سکی ۔ میری زندگی کی رسی درمیان سے ٹوٹ گئی ہے ۔
اگر تمہارا ارادہ اس محبت کو آخر تک نبھانے کا نہیں تھا تو پہلے ہی

میرا ہاتھ نہ پکڑا ہوتا ۔
اے محبوب ! اب مجھے بچا لے ، ورنہ اگلی دنیا میں تجھے کوئی جگہ نہیں ملے گی"۔
عرش سے چھ سواریاں آتریں ، جو بہن بھائی تھے ۔
شاہ علیؓ نے دلدل لی اور کعبے کی طرف چل دیے ۔
ایک سواری گگے چوہان نے لی اور اس نے باگڑ کا رخ کیا ۔
ایک نیلا گھوڑا راجا رسالو نے لیا ؛ اس نے ترکش سے تیر نکال لیا ۔
ایک چتکبری جیمل فتے نے لی ، جس نے اپنی بیٹی بیاہ کے نہیں دی تھی ۔
سیاہ رنگ کی گھوڑی دلے جوان نے لے لی اور اس پر سوار ہو کر اکبر کے لشکر پر چھاپے مارے ۔
ککی سلطان سخی سرورؒ کے گھر آئی ، جس نے چاروں اطراف زیرنگیں کیں ۔
سب سے چھوٹی بکی تھی ، وہ چل کر مرزا کے پاس آئی ۔
جاٹ نے پانچ پیروں کو سلام کرنے کے بعد اسے لگام دی ۔
اس کی پیٹھ پر زین کس کر باندھا ، مگر نیک شگونوں کا خیال نہ کیا ۔
"میں سیالوں کے سر کاٹ کر جنڈ پر لٹکا دوں گا ۔
بکی پر سواری کرنے کے بعد اس کے لیے باعث اہانت نہ ہو"۔
(صاحباں بولی :) "دور سے گرد اڑتی دیکھ کر شیرو اور کلیار بھونک رہے ہیں ۔
جیسے حاجی مکہ پا کر خوش ہو جاتے ہیں ، اسی طرح میں نے تجھے پا لیا ہے ۔
سیالوں کا ہجوم اس طرح آ پہنچا ہے ، جیسے زخموں پر نمک گرے ۔
وہ اپنی تلواروں سے یوں ہمارے پرخچے آڑا دیں گے جیسے دھنیا روئی دھنکتا ہے"۔
مرزا نے کہا : "مجھے کوئی ایسا سورما نظر نہیں آتا جو مجھ پر ہاتھ اٹھانے کی جرأت کرے ۔
میں لشکر کو ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا ، مجھ سے لشکر ڈرتا ہے ۔

میں سورماؤں کو ایسے کاٹ کے رکھ دوں گا ، جیسے کھیتی کو اولے
تباہ کر دیتے ہیں ۔
میں سیالوں کے سر کاٹ کے میدان میں پھینک دوں گا ''۔
''صبح سے شام ہوئی ، جانوروں کے واپس گھروں کو جانے کا
وقت ہوا ،
زمیں تانبے کی طرح ہو گئی ، آسمان پر سیاہی پھیل گئی ۔
تو دوسروں کا گھر لوٹنے کے بعد میدان میں سو گیا ہے ۔
تیرے سر پر ایسے تیر برس رہے ہیں ، جیسے سندان پر ہتھوڑے
برستے ہیں ۔
چادھڑ برات لے کے آئے ہیں ، کہیں تجھ پر حملہ نہ کر دیں ۔
بکی کو ایڑ لگا تاکہ ہم دانا آباد پہنچ جائیں ؛ تو یہاں میدان میں کیوں
سو گیا ہے ۔
میرے مرزا کے حملے سے وہ سب بھاگ جائیں گے ؛ اس کے ڈر سے
آسمان کانپتا ہے ۔
مرزا کی شہرت میدان جنگ میں بھی ہے اور رانیوں اور نوخیز لڑکیوں
کی محفلوں میں بھی''۔
''جب میں کچہری میں بیٹھتا ہوں ، راجے میرے سامنے کھڑے
رہتے ہیں ۔
میں لاہور والی سڑک پر لوٹ مار کرتا ہوں اور شہروں کو تباہ
کر دیتا ہوں ۔
میں نے اپنی برچھی سے چاروں اطراف لوٹ لیا ہے ۔
ہر ایک کو مرنا ہے ، ہر ایک کو دنیا چھوڑ دینی ہے ؛ میں چاہتا
ہوں دنیا میں میری شہرت باقی رہ جائے ''۔
چادھڑ اور سیال نکل آئے ، راستے آدمیوں سے بھر گئے ۔
ان کی فوجوں نے بڑی تدبیر سے مرزا اور صاحباں کے گرد گھیرا
ڈال دیا ۔
گولیاں تڑا تڑ چلنے لگیں ، تیر مرزا کے قریب آ آ کے گرنے لگے
مگر وہ خواب سے بیدار نہ ہوا ، نہ اس نے اپنے ہوش و حواس قائم
کیے ۔
جنڈ کے گھنے سائے میں سے ایک کوے نے اسے یوں آواز دی :

''جب ملک الموت کا نقارہ بجتا ہے ، پھر وہ کسی کو بھاگنے نہیں
دیتا ''۔
(صاحباں نے کہا :) ''چادھڑوں اور سیالوں کے بڑے بڑے بہادر جوان
تجھے قتل کرنے کے لیے آ رہے ہیں ۔
اے مرزا! نیند سے بیدار ہو ، تو کس غلط فہمی میں پڑا ہے ۔
وہ میرے بھائی شمیر کی گھوڑی نظر آ رہی ہے ، جس پر وہ نیزا تانے
بیٹھا ہے ۔
اب تو اٹھ کے تیار ہو جا ، خدا کرے ہمارا ایمان اور حوصلہ قائم
رہے''۔
جب مرزا نے صاحباں کے بھائی شمیر کو آتے دیکھا
تو اس نے ترکش میں سے ایک سخت اور نکیلا تیر نکالا ۔
اس نے بسم اللہ کر کے تیر چلا دیا ؛ تیر فضا میں لٹو کی طرح گھومتا
ہوا نکلا
اور صاحباں کا بھائی شمیر گھوڑی سے نیچے گر پڑا ۔
تب صاحباں نے کہا : ''اے مرزا ! میری ایک عرض مان لے ؛
بکی پر بیٹھ کر اسے ایڑ لگا ، کھرلوں کا راستہ اختیار کر اور مجھے
دانا آباد لے چل ۔
سیالوں کی گھوڑیاں مردم خور ہیں ، وہ راستہ روک لیتی ہیں ۔
اے مرزا ! اگر تو بہادر ہے تو آخر دم تک صاحباں کا ساتھ دے''۔
لیکن مرزا بہت غرور میں تھا ، وہ دوبارہ جنڈ تلے سو گیا ۔
''میں سورماؤں کو گھیر کر مار ڈالوں گا ، میں ان کی بڑی تعداد کو
ختم کر دوں گا ۔
مجھے ذرا سی دیر کے لیے سو لینے دے ، مجھے بے آرام نہ کر ۔
ہم دن نکلنے پر یہاں سے روانہ ہو جائیں گے ، پھر میں تجھے دانا آباد
لے چلوں گا ''۔
قسمت نے مرزا کا ساتھ چھوڑ دیا اور سیالوں کے ساتھ ہو گئی ۔
کسی نے غضب کا تیر چلایا ، جس نے ساتھ ہی مرزا کی جان نکال لی ۔
اگرچہ مرزا کی جان لبوں پر تھی مگر وہ جنڈ کے درخت کے ساتھ لگ
کر کھڑا ہو گیا ۔
''صاحباں تو نے برا کیا ، تو سیالوں سے مل گئی''۔

تیر گروں نے تیر بنایا اور اس کا پھل تیز رکھا ۔
میری صاحباں نے مجھے دھوکا دے کر مروا دیا ، نہ میں ادھر کا رھا
نہ ادھر کا "۔
بہادر مرزا نے اس تیر کو اپنے بدن سے کھینچ کر نکال دیا مگر وہ
اس کا کام تمام کر چکا تھا ۔
تب صاحباں نے کہا : "اے مرزا ! میری بات مان لے ۔
تقدیر کا وار پیغمبروں پر بھی چلتا رھا ، اسی تقدیر نے اب تیرا یہ
حال کر دیا ھے ۔
شاہ علی رض کے بیٹے ــــــ حسن رض اور حسین رض ، جو دو بھائی تھے ؛
انھوں نے یزید[1] سے لڑتے ہوئے لشکروں کے لشکر تباہ کر دیے ۔
بی بی فاطمہ رض دروازے میں کھڑی رو رھی تھیں : 'وہ پھر میرے پاس
نہیں آئے '
اے مرزا ! اتنے بڑے مرتبوں والے پیغمبر وفات پا گئے ، تو کیا
چیز ھے ؟
میری صرف ایک عرض مان لے ، مجھے بھی اپنے ساتھ لے چل "۔
"صاحباں ! تو نے مجھ سے دھوکا کیا ، میرا ترکش درخت کے اوپر
لٹکا دیا ۔
بہادر مرزا کے ترکش میں تین صد تیر تھے ، میں ان سیالوں کو روک
سکتا تھا ۔
میں پہلا تیر تیرے بھائی شمیر پر چلاتا ، دوسرے سے اس کا زین
توڑ دیتا
اور تیسرا تیر اسے مارتا ، جو تیرا منگیتر تھا "۔
اس کے سر پر سے پگڑی گر گئی ، اس کے بال بکھر گئے ۔
مرزا نے بھائیوں سے دور اکیلے جان دے دی ، کوئی اس کے پاس نہ
تھا ۔ (جو اس کی مدد کرتا) ۔
پیلو شاعر نے کہا : "اسی طرح دنیا چل رھی ھے ۔
کئی بھری مجلسیں اجڑ گئیں ، کئی دیوان حکومت چھوڑ کے چلے گئے ۔

---

۱ ۔ مرتب نے یہودیوں سے لڑتے ہوئے لکھا ھے ۔ شاید یزید غلطی سے
یہود بولا یا سنا گیا ھو ۔ مترجم

مرزا کو ملک الموت نے مار ڈالا مگر اس کی موت میں کچھ اس کے غرور کو بھی دخل تھا ۔

مرزا جیسا خوب صورت جوان آخر قبر کی نذر ہو گیا "۔

مرزا صاحباں کا یہ قصہ پیلو شاعر نے لکھا ہے ، جسے ساری دنیا جانتی ہے ۔

حکایت ۲۰

سسی اور پنوں

ضلع ہوشیارپور کے ایک بھاٹ کی زبانی

سسی اور پنوں کی مشہور کہانی در اصل سندھ اور جنوبی بلوچستان کے علاقے سے تعلق رکھتی ہے ۔ اس کے متعلق ایک بھاٹ کی یہ روایت جو یہاں پیش کی گئی ہے، خاص طور سے قابل غور ہے ، کیوں کہ اس سے پتا چلتا ہے کہ لوک کہانی ادبی افسانہ بن جانے کے بعد جب دوبارہ عوام کے پاس آتی ہے تو اسے کن مراحل سے گزرنا پڑتا ہے ۔ موجودہ صورت میں یہ کہانی شاعر ہاشم شاہ کی منظوم حکایت کا لفظ بلفظ پنجابی ترجمہ ہے ، جو بھاٹوں کے ہاتھ پڑ کر اپنی اصل صورت کھو چکا ہے ۔ بھاٹوں نے اسے بہت بے رحمی سے کانٹ چھانٹ کر الجھے ہوئے انداز اور مسخ شدہ صورت میں دوبارہ پیش کیا ہے ۔ بھاٹ نے ، جو اسے یاد رہا ، وہ سنا دیا اور معلوم ہوتا ہے کہ اسے کچھ زیادہ یاد نہیں تھا ۔ چونکہ سامعین اس کہانی کی تمام تفاصیل سے اچھی طرح آگاہ ہوتے ہیں ، اس لیے کچھ فرق نہیں پڑتا کہ اصل کہانی کے اشعار کتنے بیان کیے گئے اور کس ترتیب سے ۔

ہاشم شاہ کی نظم مکمل ہے ، اس میں چار چار مصرعوں کے ۱۲۶ بند ہیں ۔ اس کی کہانی یہ ہے : شہر بھمبور میں جام آدم نامی ایک راجا تھا ، جس کے ہاں ایک لڑکی سسی پیدا ہوئی ۔ نجومیوں نے اسے پہلے ہی بتا دیا کہ اس لڑکی کو کسی ایسے شخص سے محبت ہو جائے گی جو اس کی قوم

سے تعلق نہ رکھتا ہوگا اور اس طرح وہ اپنے خاندان کی رسوائی کا موجب ہوگی ؛ چنانچہ اسے ایک صندوق میں بٹھا کر دریا (سندھ یا اس کا کسی معاون) میں بہا دیا گیا۔ دریا سے اسے ایک دھوبی نے نکالا اور اپنی بیٹی کی طرح پالا پوسا۔ بہت سے نوجوان دھوبیوں نے اس سے شادی کرنے کی خواہش کا اظہار کیا، مگر اس نے یہ کہ کر انکار کر دیا کہ میں تو راجا کی بیٹی ہوں۔ راجا نے بھی اس کی خوبصورتی کے متعلق سن پایا اور اس سے بیاہ کی خواہش کی مگر جب اس نے اس کے گلے کا تعویذ دیکھا تو پہچان گیا کہ یہ میری اپنی بیٹی ہے۔ وہ بہت شرمندہ ہوا اور اس نے اسے دوبارہ اسی دھوبی کے ہاں بھیج دیا۔ کچھ عرصے کے بعد سسی نے کہیں سے پنوں کی تصویر دیکھ لی اور اسے اس سے محبت ہو گئی۔ پنوں کیچھم[1] کے راجا کا لڑکا تھا۔ بلوچستان کے بعض سوداگروں نے بھی اسے پنوں کے حالات سنائے اور اسے بتایا کہ ہم پنوں کے بھائی بند ہیں۔ سسی نے ان سوداگروں کو اس خیال سے قید کر لیا کہ پنوں خود انہیں رھا کرانے کے لیے آئے گا۔ ان میں سے دو اونٹ سوار بھاگ نکلے ؛ انھوں نے وطن پہنچ کر پنوں کے باپ ہوت علی[2] کو سارا واقعہ جا سنایا۔ یہ سن کر پنوں وہاں سے روانہ ہوا اور سسی کے پاس پہنچ کر وہیں ہنسی خوشی دن بسر کرنے لگا۔ اس نے واپس جانے سے انکار کر دیا۔ اس کے باپ کے ملازموں نے پہلے اسے نشے سے مدھوش کیا اور پھر وہاں سے اٹھا کر لے گئے۔ سسی کو پتا چلا تو وہ اس کی تلاش میں پیدل نکل کھڑی ہوئی اور اس نے صحراؤں[3] میں

---

۱ - کچھ، واقع مکران - مرتب

۲ - سندھی میں علی کو آڑی کہیں گے - ہوت قبیلے کا اس کہانی سے کچھ تعلق نہیں ہو سکتا - معلوم ہوتا ہے اس نام کا بعد میں اضافہ کیا گیا - مرتب

۳ - سندھ کی پب پہاڑیوں میں - مرتب

پھرتے ہوئے جان دے دی ۔ موت کے بعد اس کی روح پنوں سے ملی اور اس نے اسے اپنی قبر پر بلایا ۔ سب کے منع کرنے کے باوجود پنوں سسی کی قبر پر پہنچ گیا ۔ اس کے وہاں پہنچنے پر قبر کھل گئی اور وہ اس کے اندر داخل ہو گیا ۔

مندرجہ ذیل گوشوارے سے پتا چل جائے گا کہ بھاٹ نے اصل نظم کے بندوں کو کیسے مسخ کیا ہے ۔ بہت سی جگہ اس نے اصل بندوں کے بہت تھوڑے سے حصے دیے ہیں :

بھاٹ	شاعر	بھاٹ	شاعر	بھاٹ	شاعر
۱	۱۴	۹	۳۵	۱۶	۱۱۷
۲	۱۷	۱۰	۳۶	۱۷	۱۹
۳	۲۲	۱۱	۳۷	۱۸	۱۱۵
۴	۲۱	۱۲	۳۳(؟)	۱۹	۱۱۶
۵	۲۳	۱۳	۳۴	۲۰	۱۲۴
۶	۲۴	۱۴	۱۰۴(؟)	۲۱	۱۲۵
۷	۲۵	۱۵	۱۰۵(؟)	۲۲	۱۲۶
۸	۲۷				

بند نمبر ۱۲ ، ۱۴ اور ۱۵ اصل نظم میں نہیں ہیں ۔ معلوم ہوتا ہے انہیں ۳۳ ، ۱۰۴ اور ۱۰۵ کی جگہ رکھا گیا ہے ۔

بھاٹ نے جن بندوں کا ایک آدھ جملہ دینے پر اکتفا کی ہے ، میں یہاں وہ مکمل بند دے رہا ہوں تاکہ شاعر کا پورا مطلب واضح ہو سکے ۔ امید ہے مندرجہ بالا کہانی اور ان بندوں کی مدد سے پڑھنے والے کو اس حکایت کی مشکل اور مسخ شدہ عبارت سمجھنے میں کوئی دقت نہیں ہوگی ۔

(۱۴)

بالآخر نجومی نے خوف پر قابو پانے کے بعد اپنے دل کی بات کہہ دی :
''سسی جب جوان ہوگی ، وہ عشق میں کھو جائے گی ؛
وہ درد فراق کے باعث صحراؤں کے اندر مستی اور بے ہوشی کے عالم

میں جان دے دے گی ۔
اے ہاشم! وہ اپنے خاندان کو بدنامی کا داغ لگائے گی اور اس کی کہانی
کا چرچا ساری دنیا میں ہوگا "۔

(۱۷)

وزیر نے کہا: "اس میں سسی کا کیا قصور ؟ خدا نے یہی اس کی قسمت
میں لکھ دیا ہے ۔
لڑکیاں بے قصور کہلاتی ہیں ، خواہ وہ سارے خاندان کو برباد
کر دیں ۔
اس سے بڑا گناہ اور کیا ہو سکتا ہے ؛ ساری قوم بدنام ہو جائے گی ۔
اسے صندوق میں ڈال کر بہا دے ؛ تیری سب ذلت و خواری ختم
ہو جائے گی"۔

(۲۲)

انہوں نے خوب سوچ سمجھ کر اس کے اخراجات کو تین حصوں میں
منقسم کیا اور اس کے لیے روپیہ ساتھ رکھ دیا ۔
ایک حصہ تو اس عورت کے لیے رکھا جو اسے دودھ پلائے ۔
دوسرا اس کے جہیز کے لیے اور تیسرا اس کی تعلیم کے لیے ۔
پھر انہوں نے یہ سب کچھ لکھ کر ایک تعویذ میں ڈالا اور اسے سسی
کے گلے میں باندھ دیا ۔

(۲۱)

انہوں نے کہیں سے صندل کی لکڑی منگائی، کاریگر نے اسے تراشا ۔ (اور
اس سے صندوق بنایا)
پھر اس پر سنہری بیل بوٹے بنائے اور اس میں لعل اور جواہر جڑے ۔
صندوق کے چاروں طرف زنجیریں باندھیں اور پھر ظالموں نے بچی کو
اس کے اندر ڈال دیا ۔
اسے[1] پیدا ہوتے دیکھ کر ، آلام و مصائب نے اس کا دامن پکڑ لیا ۔

---

۱ - مرتب نے ترجمہ یوں کیا ہے دیکھو اس کی قسمت بری تھی اور
اس پر مشکلات آ پڑیں ۔ مترجم

(۲۳)

انھوں نے سسی کو صندوق میں ڈال کر بہا دیا ؛ دریا میں اس وقت طوفان نوح[۴] بپا تھا ۔

باسک ناگ بھی اس وقت دریا میں نہیں آتر سکتا تھا ؛ کالی آندھی چڑھی ہوئی تھی ۔

دریا کے کناروں پر بلائیں پھرتی تھیں اور دیو اور جنات نے وھاں اپنا مسکن بنا رکھا تھا ۔

اے ھاشم ! ابھی انتظار کر اور دیکھ کہ سسی کی قسمت اور کیا گل کھلاتی ھے[۱] ۔

(۲۴)

(صندوق) رکاوٹ کی قید توڑ کر بہ نکلا ؛ ماں باپ کے گھر سے سسی کا رزق ختم ھو گیا[۲] ۔

فلک کی گردش اس کے سر پر اثر انداز تھی ؛ اس کے ساتھ نہ کوئی ملاح تھا ، نہ کہار ۔

سورج کی حرارت سے پانی خون کی مانند سرخ ھو گیا اور ھر طرف شرارے برسنے لگے ۔

ھاشم ! دیکھو تو ، سسی کو ھزاروں لاکھوں دشمنوں نے گھیر لیا ھے ۔

(۲۵)

پانی کے جانور آدم خور تھے اور ان کی شکلیں راکھشسوں کی سی تھیں ۔

وھاں مگرمچھ ، کچھوے ، جل پریاں ، ناگ اور کئی دوسری بلائیں موجود تھیں ؛

ظالم تیندوے تھے ، جن کی تاریں دور دور تک پھیلی ھوئی تھیں اور وہ ھر طرف ڈکارتے پھرتے تھے ۔

---

۱ - مرتب نے اس مصرع کا یہ ترجمہ کیا ھے : 'دیکھو ، کیا سسی کی قسمت اس سے زیادہ کچھ اور کر سکتی تھی'۔ مترجم

۲ - مرتب کا ترجمہ : 'تقدیر کی رسی اسے کھینچے لیے جا رھی تھی'۔ پنجابی الفاظ یہ ھیں : چایاں رزق مہاراں ۔ مترجم

مگر اے ہاشم ! سسی کی موت صحرا میں لکھی جا چکی تھی ؛ اسے پانی میں کون مار سکتا تھا[۱] ؟

(۲۷)

شہر سے باہر دریا کے کنارے کوئی دھوبی کپڑے دھو رہا تھا ؛
اٹا اس کا نام تھا ، وہ فرشتہ سیرت اور نیک انسان تھا ۔
اس نے صندوق کو دور بہتے دیکھا تو اس کے دل میں خوف پیدا ہوا ،
مگر جب اس نے صندوق پر نقش و نگار دیکھے تو اس کے ہوش و حواس گم ہو گئے ۔

(۳۵)

اٹے کے رشتہ دار ، جو برے ، بخیل اور فسادی تھے ،
دشمنی کے باعث بھمبور شہر کے حاکم کے پاس پہنچے اور انہوں نے وہاں جا کر یہ فریاد کی :
''اٹے کی بیٹی جوان ہو چکی ہے ؛ اس کی صورت اور شکل شہزادیوں کی سی ہے''۔
اے ہاشم! ان بخیلوں نے راجا کو پکار کر کہا : ''وہ لڑکی آپ کے عقد میں آنے کے قابل ہے''۔

(۳٦)

آدم جام نے اپنا پیادہ بھیجا ؛ وہ اٹے کو بلا لے گیا ۔
سسی نے اپنا تعویذ بادشاہ کے پاس بھیج دیا ۔
بادشاہ نے اس کے اندر کے کاغذ کو پہچان لیا اور اسے معلوم ہو گیا کہ وہ وہی لڑکی تھی جسے صندوق میں ڈال کر بہا دیا گیا تھا ۔
اے ہاشم ! آدم جام وہ کاغذ دیکھ کر سخت شرمندہ ہوا ۔

(۳۷)

اس کے خون نے جوش مارا ؛ اس کے دل میں محبت موج زن ہوئی ؛ آخر اپنی اولاد سے ہر ایک کو پیار ہوتا ہے ۔

---

۱ - مرتب کا ترجمہ : 'تقدیر کو کون روک سکتا ہے'۔ پنجابی الفاظ : مارو سو کون آتھائیں ۔ مترجم

اس نے سسی کے ماں باپ سے بات کی (کہ وہ سسی کو اس سے
ملا دیں) ۔
مگر سسی نے ملنے سے صاف انکار کر دیا ؛ اس نے تمام حالات کھول
کر بیان کر دیے ۔
اس نے کہا : "جب تم نے مجھے ایک بار دریا میں بہا دیا تو اب تمھارے
لیے مجھ سے ملاقات کرنا حرام ہے"۔

(۳۳)

ایک دن سسی کے باپ اٹا دھوبی نے اس کے پاس بیٹھ کر یہ بات
چھیڑ دی ۔
اس نے کہا : " بیٹی ! تو اب بالغ ہو چکی ہے اور تیرے معاملات
تیرے اپنے ھاتھ میں ھیں ۔
بہت سے اچھے خاندان کے دھوبی رشتے کے لیے آتے ھیں اور یہاں سے
نا امید واپس جاتے ھیں ۔
تو مجھے بتا دے کہ ان میں سے کون تجھے پسند ہے؟"

(۳۴)

سسی نے شرم کے مارے اپنے باپ کو کوئی جواب نہ دیا
مگر وہ اپنے دل میں غور کرنے لگی : "قسمت کی تحریر تو دیکھو ؛
میرے ماں باپ میرے لیے دھوبیوں میں رشتہ ڈھونڈتے ھیں اور میں
بادشاہ کی بیٹی ھوں"۔
اے ھاشم ! اس نے سسی کو غمگین دیکھا تو پھر اس سے اس بات کا
تذکرہ نہ کیا ۔

(۱۰۴)

کبھی بیٹھتے ، کبھی گرتے پڑتے ، کبھی اٹھتے ، کبھی سستاتے ؛
جیسے شرابی خمار میں ھو ، وہ پھر اوپر کی طرف دوڑتی ۔
وہ اسی طرح اونٹ کے پاؤں کے نشانات ڈھونڈتی تھی ، جو اسے کہیں
دکھائی نہ دیتے ۔
اے ھاشم ! جن کی محبت کامل ھو ، بھلا ان کے گیت دنیا میں کیوں
نہ گائے جائیں ۔

(۱۰۵)

خوش قسمتی سے سسی کو یوں ھی سرگرداں پھرتے اونٹ کے پاؤں کا نشان مل گیا ۔

اس کے لیے اونٹ کے پاؤں کا نشان مل جانا گویا خضر[۴] کے آب بقا کا مل جانا تھا ۔

اسے اس کی آنکھوں کا نور کہیں یا اس کے درد جگر کا علاج ۔

اے ھاشم ! وہ کیچھ شہر کا قاصد تھا ، جو سسی کی طرف آ رھا تھا ۔

(۱۱۷)

سسی کے تن سے روح نکلی اور پنوں کے پاس پہنچ گئی

اور نیند میں مدھوش و مست پنوں کو خواب میں آ جگایا :

''اے دوست ! ھم نے تجھ سے جو وعدہ کیا تھا ، اسے نبھا دیا ھے ۔

سسی تو ریگستان میں رہ گئی ھے اور میں اس سے اجازت لے کے آ گیا ھوں''۔

(۱۹)

سسی کی قسمت کا کیا کہنا ؛ اسے بیان کرنے سے دل میں خوف پیدا ھوتا ھے ۔

نصیبہ سلطانوں کو تخت سے اٹھا کر زمین پر دے مارتا ھے اور پھر وہ در در بھیک مانگتے پھرتے ھیں ۔

اس غریب بیل کی طرح جو بے چارگی سے اپنا سر زمین پر رکھ دیتا ھے ۔

اے ھاشم ! یہاں اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں ؛ وہ جو چاھے کرتا ھے ۔

(۱۱۵)

وہ اپنے ریوڑ کو چھوڑ کر سسی کی جانب آیا ؛ اس نے ڈر کے مارے یہ راستہ اختیار کیا ۔

سسی کی صورت اور اس کی حالت دیکھ کر اسے سخت صدمہ ھوا ۔

اس کے دل سے ماں ، عورت ، بیٹے اور گھر سب کی محبت نکل گئی ۔

ھاشم ! جب اسے یقین ھو گیا کہ یہ دنیا فانی ھے تو وہ فقیر ھو گیا ۔

(۱۱۶)

ریگستان میں مسی کی قبر بنا کر وہ اس کے سرھانے بیٹھ گیا ۔
گلے میں کفنی اور سر اور پاؤں سے ننگا ، جیسے کوئی بے چارہ یتیم ہو ۔
اس نے ایک ھی بات سمجھ لی کہ یہ دنیا فانی ھے ؛ وہ اور کچھ نہیں جانتا تھا ۔
اے ھاشم ! اصل فقیری یہی ھے ، ورنہ دریائے زندگی کو تو کوئی کوئی کامیابی سے عبور کرتا ھے ۔

(۱۲۴)

واہ وا ! اس اونٹ کی چال کا کیا کہنا ؛ وہ تیر سے بھی تیز جاتا تھا ۔
وہ سیدھا مسی کی قبر پر پہنچ گیا ؛ اس کی عقل وزیر سے بھی تیز تھی ۔
شاھزادے نے جب نئی قبر دیکھی تو اس فقیر سے دریافت کیا :
"اس قبر میں کون بزرگ سمائے ھیں ؟ مجھے بھی اس پیر کے متعلق کچھ بتاؤ"۔

(۱۲۵)

اس فقیر نے پنوں کو جملہ حالات سے آگاہ کیا :
"یہ عورت پری کی طرح حسین تھی مگر گرمی کی شدت نے اسے ختم کر ڈالا ۔
وہ بار بار پنوں کا نام لیتی تھی ؛ کوئی محبت کے درد کی ماری ھوتی تھی ۔
اے ھاشم ! میں اس کے نام اور مقام سے آگاہ نہیں ؛ خدا جانے وہ بے چاری کون تھی ۔

(۱۲۶)

یہ سن کر وہ ھوت[۱] زمین پر گر پڑا ، اس کے کلیجے سے تیر پار ھو گیا ۔

---

۱ ۔ پنوں کی ذات ھوت نہ تھی ؛ غالباً یہ لفظ غلطی سے استعمال ھو گیا ھے ۔ مرتب

قبر پھٹ گئی اور وہ اس میں داخل ہو گیا ؛ اس کی محبوبہ اسے دوبارہ مل گئی -

وہ ، جس کی صورت ، حسن اور جوانی عشق کی خاطر مٹی میں مل چکے تھے -

اے ہاشم ! سسی کی محبت مکمل تھی ؛ دنیا میں اس کی کہانی ہمیشہ باقی رہے گی -

سسی اور پنوں کی کہانی کے متعلق بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور جہاں تک مجھے علم ہے ''ہندوستانی عجائبات'' جلد ١١ صفحہ ٢٩١ پر اس کے متعلق تمام معلومات موجود ہیں ؛ البتہ اس میں مسٹر برٹن کی کتاب ''سندھ کی دوبارہ سیر'' جلد اول کے صفحہ ١٢٨ کا ذکر نہیں - مختصراً اس کہانی کا زمانہ سندھ کی تاریخ کا ابتدائی عہد قرار دیا جا سکتا ہے - بھمبر یا بھمبور کراچی اور گھارا کی درمیانی مڑک پر ایک اجڑا ہوا مقام ہے ؛ غالباً یہ دریائے سندھ کے قدیم دھانے پر واقع تھا؛ یا شاید یہ جگہ یونانیوں کی پرانی تجارتی منڈی تھی- لفظ سسی کو سسوی بھی لکھا گیا ہے ؛ اسی طرح پنوں کو پنھو اور پنوں (بفتح پا) بھی لکھا جاتا ہے - یہ کہانی سندھ میں مقامی ہونے کے علاوہ پنجاب اور کچھ میں بھی اپنائی جا چکی ہے -

---

(١)

آخر نجومی نے دل سے خوف دور کیا اور اپنے دل کی بات کہ دی :

''سسی جب جوان اور سیانی ہوگی ، وہ بے پناہ محبت میں مبتلا ہو جائے گی -

آخر وہ صحراؤں میں درد فراق کے باعث بے ہوشی کی حالت میں جان دے دے گی -

یہ تیرے خاندان کی رسوائی کا باعث ہوگی اور سب لوگوں میں اس کا چرچا ہوگا ''-

(۲)

وزیر بولا : ''اس میں سسی کا کیا قصور ؟ لکھنے والے نے اس کی
قسمت یوں ہی لکھ دی ہے ۔
لڑکیوں کو کوئی الزام نہیں دیتا ؛ اگرچہ تیرا سارا خاندان تباہ ہو
جائے گا ۔
اس سے بڑھ کر اور کوئی جرم نہیں ؛ تیری ساری قوم ظالم
کہلائے گی ۔
اسے صندوق میں ڈال کر بہا دے ؛ پھر تیری ساری ذلت و رسوائی
ختم ہو جائے گی ۔

(۳)

انہوں نے سوچ سمجھ کر تین حصے کر دیے اور اس کا خرچ بھی ساتھ
رکھ دیا ۔
ایک حصہ اس کے لیے تھا جو اسے دودھ پلائے ،
دوسرا حصہ سسی کے جہیز کے لیے تھا اور تیسرا اس کی تعلیم کی
خاطر
اور یہ سب کچھ ایک تعویذ میں لکھ کر انہوں نے سسی کے گلے میں
ڈال دیا ۔

(۴)

پہلے صندل کی لکڑی چیر کر میدان میں ڈال دی ؛ پھر کاریگر نے اس
سے صندوق بنایا ۔
اس پر سنہری بیل بوٹے بنائے اور ان میں لعل و جواہر جڑ دیے ؛
پھر ظالموں نے اس کے چاروں جانب ایک زنجیر باندھی ۔
یہاں اعتراض کی کچھ گنجائش نہیں ؛ مصائب نے اس کا دامن پکڑ
لیا ۔

(۵)

سسی کو صندوق میں ڈال کر بہا دیا گیا : دریا طوفان نوح کا منظر
پیش کر رہا تھا ۔
باسک ناگ کا بھی وہاں زور نہ چلتا تھا اور دھول بھی اس طوفان سے
پناہ مانگتا تھا ۔

دونوں کناروں پر خوفناک بلائیں تھیں اور وھاں دیووں اور جنوں کا
بسیرا تھا ۔
معلوم نہیں ابھی سسی کی قسمت کو اور کیا کچھ دکھانا باقی تھا ۔

(٦)

آخر صندوق صبر کی زنجیر توڑ کر بہ نکلا اور سسی کا رزق ماں باپ
کے گھر سے ختم ھو گیا ۔
آسمان گرد آلود ھو گیا ؛ وہ صندوق بغیر کسی ملاح یا کمہار کے بہا جا
رھا تھا ۔
سورج کی گرمی سے پانی خون کی مانند سرخ ھو گیا اور ھر طرف
شرارے برسنے لگے ۔
دیکھو سسی ایسی جگہ محصور ھو گئی جہاں کئی لاکھ دشمن تھے ۔

(٧)

پانی کے جانور آدم خور تھے اور ان کی شکلیں راکھشسوں کی سی
تھیں ۔
وھاں مگر مچھ ، کچھوے ، جل پریاں ، ناگ اور کئی دیگر بلائیں
موجود تھیں ؛
وھاں ظالم تیندوے تھے جن کی تاریں دور دور تک پھیلی ھوئی تھیں
اور وہ ھر طرف ڈکارتے پھرتے تھے ۔
مگر سسی کی موت صحرا میں واقع ھونا لکھا جا چکا تھا ؛ اس لیے اسے
کسی اور جگہ کون مار سکتا تھا ؟

(٨)

اڈا اس کا نام تھا ؛ وہ فرشتہ سیرت اور بزرگ انسان تھا ۔
اس نے صندوق بہتے دیکھا تو اس کے دل میں خوف پیدا ھوا ۔
اس نے ستاروں جڑا صندوق دیکھا تو اس کے ھوش و حواس گم
ھو گئے ۔

(٩)

’’اڈے کے ھاں جوان بیٹی ھے ، جس کی شکل و صورت شہزادیوں کی سی
ھے‘‘۔

چغل خوروں نے بادشاہ سے کہا : ''وہ آپ سے بیاہے جانے کے قابل ہے''۔

(۱۰)

اس نے اڈے کے گھر اپنا خادم بھیجا ، وہ اڈے کے پاس آیا ۔
اس نے کہا :'' بیٹی کہاں ہے ؟ میں کیا کر سکتا ہوں ؛ مجھے اوپر سے یہی حکم ملا ہے''۔
سسی نے گلے سے تعویذ آتار کر اسے دے دیا ۔
''اے باپ ! یہ پڑھ لے ، جام میرا باپ ہے''۔

(۱۱)

اس کے لہو نے جوش مارا ؛ دل بے قرار ہوا ، آخر اولاد پیاری ہے ۔

(۱۲)

سسی کو ماں باپ نے نصیحت کی : ''اے بیٹی ! کچھ خیال کر ؛
وہ تجھے رذیل دھوبن سمجھ کر چھوڑ گئے ہیں''۔

(۱۳)

''دھوبیوں کی ذات رذیل ہے مگر میں بادشاہوں کی بیٹی ہوں ۔
قسمت کا لکھا مٹ نہیں سکتا اور ہونے والی بات ٹالی نہیں جا سکتی ۔

(۱۴)

سسی کو پنوں کا نقش قدم مل گیا ، وہ اس کے پیچھے دوڑتی گئی ۔

(۱۵)

جوں جوں نشانات آگے بڑھے ، اس نے اپنے سر کے بال نوچ نوچ کر پھینکے ۔
سسی کی آواز کبوتر کی طرح تھی ؛ اس کا رشتۂ جان جڑ جڑ کر ٹوٹتا تھا ۔
''روز روز کی مصیبتوں سے یہی بہتر ہے کہ تو مجھے آج ہی ختم کر ڈالے ۔
یہاں اب شکایت کی کیا گنجائش ہے ، جب میری نرد جوڑنے سے اور ٹوٹتی ہے''۔

(١٦)

روح سسی کی طرف سے آڑی اور پنوں کی طرف پہنچی اور اس سے کہا :

''اے محبوب ! ہم نے اپنا قول قرار نبھایا ہے اور تمھارے پاس پہنچ گئے ہیں ۔

سسی نے تو لق و دق صحرا میں جان دے دی ہے مگر اس کی روح اس سے اجازت لے کر یہاں پہنچ گئی ہے''۔

(١٧)

سسی کی قسمت کا کیا کہنا ؛ اس کا ذکر کرنے سے بھی دل ڈرتا ہے ۔

قسمت سلطانوں کو تخت سے نیچے پھینک دیتی ہے اور ان سے در بدر بھیک منگواتی ہے ۔

پھر ان کی حالت عاجز بیل کی سی ہو جاتی ہے ، جو بے چارگی سے اپنا سر زمین پر رکھ دیتا ہے ۔

مگر یہاں اعتراض کی کچھ گنجائش نہیں ؛ رب جو چاہتا ہے ، کرتا ہے ۔

(١٨)

گلہ بان نے اپنا ریوڑ چھوڑ کر اس کی طرف رخ کیا مگر وہ خوف کے مارے آھستہ آھستہ قدم رکھتا تھا ۔

اس کے دل سے ماں ، بیٹے اور گھر ، سب کی محبت زائل ہو گئی ۔

سسی کی شکل دیکھ کر اس نے وھیں فقیری اختیار کر لی ۔

(١٩)

ننگے سر، گلے میں فقیروں کا لباس، اس طرح وہ قبر کے سرھانے بیٹھ گیا ۔

وہ ایک ھی بات سمجھا کہ ''دنیا فانی ہے''۔ باقی سب کچھ بھول گیا ۔

(٢٠)

اس اونٹ کو شاباش کہو ؛ اس کی چال تیر سے بھی تیز تھی ۔

وہ اپنی وزیرکی سی عقل و ھوش کے باعث سیدھا سسی کی قبر پر پہنچ گیا۔

شاھزادے نے نئی قبر دیکھی تو اس فقیر سے دریافت کیا :

''یہاں کون بزرگ سمایا ہے ؟ مجھے بھی اس کے حال سے آگاہ کرو''۔

(٢١)

اس فقیر نے پنوں کو ساری بات کھول کر سنا دی :

''ایک پری صورت خاتون یہاں آ گئی تھی ، جسے گرمی نے مار ڈالا تھا۔
وہ بار بار پنوں کا نام لیتی تھی ؛ معلوم ہوتا ہے وہ تیغ هجر کی مجروح
تھی -
میں اس کے وطن اور مسکن سے واقف نہیں ؛ خدا جانے وہ بے چاری
کہاں سے آئی تھی''۔

(۲۲)

یہ سنتے ہی وہ زمین پر گر پڑا ؛ گویا اس کے کلیجے سے تیر پار ہوگیا۔
قبر شک ہوگئی اور وہ اس کے اندر داخل ہوگیا ؛ وہاں اس کی اپنی
محبوبہ سے ملاقات ہوئی ؛
جس کی صورت ، حسن اور جوانی سب عشق کی خاطر مٹی میں مل چکے
تھے -
سسی پر عشق کا ایسا اثر ہوا کہ اس کی کہانی گھرگھر مشہور ہوگئی۔

حکایت ۴۱

پرتھی راج اور ملکاں

بڑاؤت ضلع میرٹھ کے ایک مشہور بھاٹ کی زبانی

یہ کہانی آلھکھنڈ کہانیوں کے مشہور سلسلے سے تعلق رکھتی ہے ۔ مقبول عام نظموں کا یہ مجموعہ آھلہ اور آودال (یا رودال) دو جنگجوؤں کے کارناموں پر مشتمل ہے، جن کی خدمات راجا پرمال (پرماردی دیو) چاندل، والیٔ مہوبا واقع بندھیل کھنڈ نے پرتھوی راج والیٔ دھلی (یا دلی) سے مقابلے کے لیے حاصل کی تھیں۔ پرتھوی راج دھلی اور اجمیر کا رائے پتھورا تھا ، جسے شہاب الدین محمد غوری نے ۱۱۹۳ء میں شکست دی اور قتل کر دیا۔ اس نے ۱۱۸۲ء میں پرمال کو فتح کر کے مہوبا کے چاندلوں کو ھمیشہ کے لیے معمولی درجے کے راجا بنا دیا تھا ۔ آلھکھنڈ کہانیوں کے سلسلے کے ساتھ بس اتنی سی تاریخ وابستہ ہے ، باقی جو کچھ ہے وہ اس یادگار لڑائی کی بے ربط مگر مقبول روایت ہے ، جو مہوبا کے چاندلوں اور دھلی کے تنور یا چوھان خاندان میں ہوئی ۔

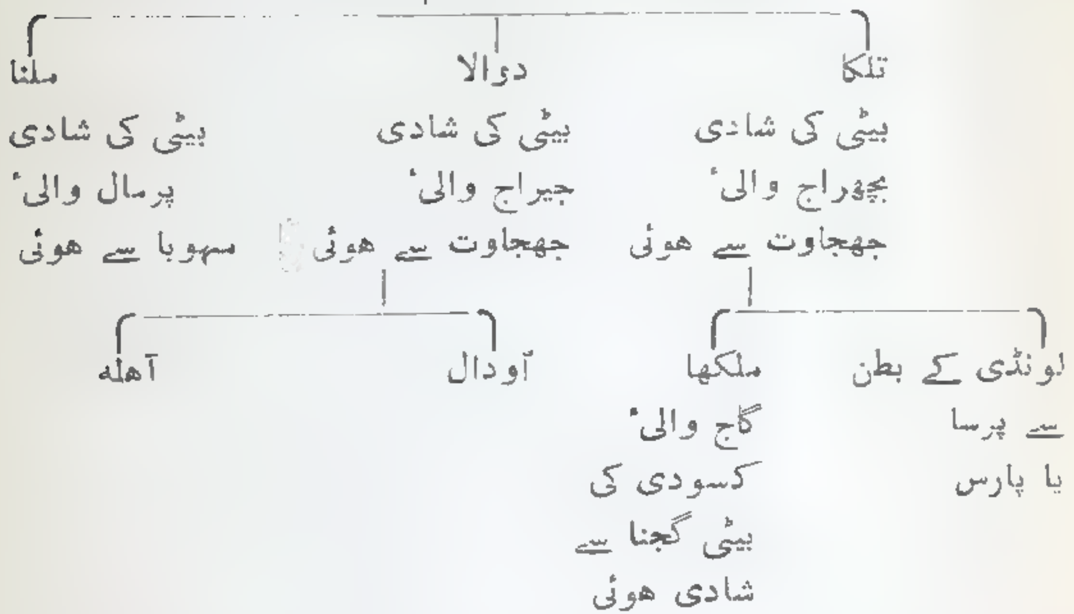
آلھکھنڈ سلسلۂ حکایات مصنفه چودھری گھاس رام سکنه بھائی پورہ، مطبوعه میرٹھ، پنجاب اور شمال مغربی سرحدی صوبے کی مغربی ڈویژنوں میں سب سے زیادہ مشہور ہے ۔ یہ مجموعہ حکایات سات حصوں یا بابوں پر مشتمل ہے ۔ مسٹر جی اے گیئرسن نے اپنی کتاب ''ھندوستانی عجائبات'' جلد ۱۴ صفحہ ۲۵۵ پر اس کا مفید ملخص دیا ہے ۔ یہ لڑائی وھاں پانچویں باب

میں بیان کی گئی ہے ۔ چونکہ وہ بیان موجودہ کہانی سے بالکل مختلف ہے ، اس لیے میں یہاں مسٹر گیئرسن کا ملخص پیش کرتا ہوں :

''ایک دن ملکھا (بھاٹ اسے ملکاں کہتے ہیں) نے راجا پرمال (والیٔ مہوبا) کی خدمت میں مؤدبانہ درخواست پیش کی کہ میرے سب بھائیوں کو الگ الگ قلعے اور مکانات مل چکے ہیں مگر مجھے کچھ نہیں ملا ۔ اس نے عرض کی کہ مجھ پر بھی اسی طرح مہربانی کی جائے ۔ راجا (پرمال) نے جواب دیا کہ پرتھوی راج والیٔ دلی نے میری سلطنت کے کچھ حصے پر قبضہ کر رکھا ہے اور اس نے مجھے اور دیگر راجاؤں کو اس سلسلے میں تصفیے کے لیے مہوبا آنے کی دعوت دی ہے ۔ جو علاقہ پرتھوی راج واپس کرے گا ، وہ تم کو دے دیا جائے گا ۔ راجوں کی وہ مجلس منعقد ہوئی تو اس میں ملکھا نے پرتھوی راج پر الزام لگایا کہ وہ مہوبا کا علاقہ دبائے بیٹھا ہے ۔ اسے وہ علاقہ واپس کر دینا چاہیے اور ساتھ ہی جنگ کی دھمکی دی ۔ پرتھوی راج نے متنازعہ فیہ علاقہ واپس کرنے سے انکار کر دیا اور لڑائی شروع ہوگئی ۔ پہلے پرمال نے سریسا (بھاٹوں کی زبان میں سرسوا) کا محاصرہ کیا اور پہلی لڑائی میں پارتھ (حاکم سریسا، جسے بھاٹ پارس کہتے ہیں) کو شکست دے دی ۔ پھر دلی سے زیادہ فوج بھیجی گئی مگر اس نے اسے بھی شکست دے دی ۔ اس طرح راجا مہوبا نے سریسا پر قبضہ کر لیا اور اسے ملکھا کے حوالے کر کے اپنی راج دھانی میں واپس آ گیا''۔

مجھے بھاٹ کی روایت گھاس رام کی نسبت زیادہ وقیع معلوم ہوتی ہے ۔ پرتھوی راج زبردست راجا تھا؛ وہ اتنا طاقت‌ور تھا کہ اس نے شہاب‌الدین غوری کا بھی بہت دیر تک مقابلہ کیا ۔ بھاٹ کی روایت کے مطابق اس نے ایک معمولی سردار کو اپنی سلطنت کی سرحدوں پر حملے کرنے کی پاداش میں ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا تھا ۔

جہاں تک اس کہانی کے دیگر کرداروں کا تعلق ہے ، ان کے نام پارس ، کوپ بچھراج اور گج مودھنی ہیں ۔ مسٹر گیئرسن نے آھلکھنڈ سے ایک شجرۂ نسب تیار کیا ہے ؛ اس سے مختلف گروھوں کا باھمی رشتہ واضح ھوتا ہے ۔ ھم اس سے مندرجہ ذیل معلومات حاصل کرتے ھیں :



بھاٹ کی روایت میں رشتہ داری اس سے قدرے مختلف ہے۔ جہاں تک گج مودھنی کا تعلق ہے ، ظاھر ہے یہ وھی گجنا ہے جس کا ذکر آلھکھنڈ کے باب ۷ میں ہے ، جو راجا کسودی والیٔ گجرا کی بیٹی تھی ؛ موتی اس کا بھائی تھا ۔ معلوم ھوتا ہے کہ بھاٹ نے اپنی روایت میں دونوں ناموں کو آپس میں خلط ملط کر دیا ہے ۔ آلھکھنڈ کے ابواب ۶ اور ۷ میں موتی کو بطور نامور بہادر پیش کیا گیا ہے ۔

معلوم ھوتا ہے کہ سریسا یا سرسوا سمبھل یا سمبھل پور کے قدیم ھندوستانی ضلع یا پرگنے کا ایک قلعہ تھا ۔

راجا پرتھی راج سے لڑائی کی کہانی

ملکاں زمین دار نے راجا سے زمین لے کر ایک قلعہ بنایا اور پارس نے راجا سے اس کی چغلی کھائی - پھر راجا پرتھی راج کی ملکاں سے لڑائی ہوئی اور ملکاں نے پارس اور اس کے بھائی کوپ بچھراج کو مار ڈالا - اس کے بعد پرتھی راج نے خود حملہ کیا جس میں ملکاں مارا گیا -

(۱)

راجا پرتھی راج کا تخت دلی میں تھا -
اس کے پاس نو لاکھ بہادر اور دلیر نیزہ بردار سپاھی تھے -
وہ اس قدر طاقت ور مہاراجا تھا
کہ اسے دیکھ کر ساری رعایا کانپ آٹھتی تھی -
وہ سب راجاؤں پر فتح پا چکا تھا ؛
اس کی طاقت کے سامنے بڑے بڑے بہادر کانپتے تھے -

(۲)

راجا کی قوت کے متعلق سن کر سردار ملکاں اس کے پاس آیا -
(اور اس سے کہا :) ''مہاراج ! مجھے ایسی جگہ بتائیے جہاں میں اپنا گھر بنا سکوں ؛
مجھے اتنی زمین دیجیے جو ایک چرسے سے سیراب ہو سکے -
مجھ پر مہربانی کیجیے اور میں جو اعتماد لے کر حاضر ہوا ہوں اسے بحال رکھیے -
راجا کی تمام شرائط اور ذمہ داریاں
مجھے منظور ہیں ، میں انہیں پورا کروں گا ''-

(۳)

''میں سمبھل[۱] کی سرحد پر تمھیں جگہ دیتا ہوں ؛
وھاں اپنا مکان بنا لو اور خوشی سے زندگی بسر کرو''- مہاراج نے کہا -

---

۱ - موجودہ دھلی اور اضلاع مراد آباد کے درمیان - مرتب

''وہاں اپنے رہنے کے لیے مکان بنا لو ۔
اے ملکاں ! آگے تمھاری اپنی ہمت پر موقوف ہے ۔
ہر وقت نیکی کرو اور نیک نامی پاؤ ؛
ہوشیار رہنا ، بدنامی کا داغ نہ لینا''۔

(۴)

اس نے راؤ کے سامنے سر جھکایا اور اپنے گھر واپس آ گیا ؛
اس نے سرحد پر قلعہ بنایا اور وہاں زندگی بسر کرنے لگا ؛
اس نے وہاں دکانیں اور بازار اور علیحدہ دیوان خانہ بنا لیا
اور اس کی عورتیں محلوں میں رہنے لگیں ۔
اس نے دس بیس باغی اکٹھے کیے اور ادھر آدھر پھرنے لگا ؛
وہ لوٹتا اور کھاتا اور لوگوں پر اپنی طاقت کا رعب جماتا ۔

(۵)

پارس[۱]

''آپ نے اسے جگہ دی اور وہ برے کاموں میں پڑ گیا ۔
بے وفا ملکاں کو ذرا شرم نہیں آئی ۔
وہ لوٹتا اور کھاتا ہے اور طاقت ور ہو گیا ہے ۔
اس کے غرور میں اضافہ ہو گیا ہے ، یہاں تک کہ وہ (آپ کے دربار میں بھی) حاضری نہیں دیتا ۔
وہ ہر ایک کو اپنا زور شور دکھاتا ہے
اور دولت کی مستی سے اندھا ہو چکا ہے''۔

(۶)

پرتھی راج

''پارس ! اسے جا کر سمجھاؤ ؛
اسے جلدی سے میرے پاس لے آؤ ۔
ابھی جاؤ اور اسے یہاں لاؤ
اور مجھے اس کی خبر دو ۔
پھر آرام کرنا اور کھانا کھانا ؛
دیر نہ لگاؤ اور فوراً جاؤ''۔

---

۱ - پرتھی راج سے شکایت کرتا ہے ۔ مرتب

(۷)

راجا کا حکم سنتے ھی پارس (ملکاں کے پاس) پہنچ گیا
اور اس سے کہا : ''میں تجھے کہتا ھوں پرتھی راج کے پاس چل ۔
دوست ! تجھے مہاراج نے بلایا ھے ۔
تیری ناؤ ملاح کے بغیر نہیں چل سکتی ۔
تو نے نیکی کو خیرباد کہہ دیا ھے اور برائی اختیار کر لی ھے ۔
یہ ریشم کی گانٹھ ھے ، اسے کون کھولے گا''۔

(۸)

ملکاں

''میں نے اپنے گھر میں کوئی برائی نہیں کی ۔
قریب و دور کے بعض لوگوں نے ، جنھیں مجھ پر شبہ ھے ،
مہاراج سے میری چغلی کھائی ھے ۔
میں نے وھی کیا ھے ، جس کا مجھے حکم دیا گیا تھا ۔
مہاراج کے پاس جو کوئی گیا ھے وہ فسادی ھے ، میرا دوست نہیں ۔
اب کے اس نے میرے پاس اپنا پیغام بر بھیج دیا ھے ؛ اسے کہہ دینا
آئندہ کسی کو میرے پاس نہ بھیجے''۔

(۹)

یہ بات سن کر پارس غصے سے بھر گیا ۔
وہ پرتھی راج کے پاس پہنچا اور اس کی خدمت میں عرض کی :
''وہ ملکاں تو میری بات نہیں سنتا ؛
وہ غرور میں مبتلا ھے ، لوٹتا ھے اور کھاتا ھے ؛
اس کا کوئی مؤثر علاج کیجیے ۔
مہاراج ! اب تو میرے لیے بھی زندگی دشوار ھو گئی ھے''۔

(۱۰)

''ایک لاکھ نیزے اور سوا لاکھ تلوار لو ؛
قسم قسم کی توپیں لو اور اب دیر نہ کرو''
ایک بار تو پارس کا دل دھل گیا ۔
مہاراجا نے یہ حکم دیا اور فوج اکٹھی ھو گئی ۔
جنگجو فوج احتیاط سے آگے بڑھی ۔

راجا پرتھی راج بھی فوج کے ساتھ گیا اور اس نے اپنی موجودگی سے اسے
اور تقویت دی ۔

(۱۱)

انھوں نے سرسوا[1] کا محاصرہ کر لیا اور وہاں اپنے خیمے نصب
کر دیے ۔

راجا نے فوری حکم دیا ۔
رانی[2] نے چھت پر کھڑے ہو کر چاروں طرف دیکھا ۔
وہ ایسے (مبہوت) کھڑی دیکھ رہی تھی جیسے چکور چاند کو دیکھتا
ہے ۔
''کیا کسی دھوبی نے جنگل میں کپڑے ڈال دیے ہیں ؟
یا کنس[3] گھاس کے پھول نکل آئے ہیں ، 'ہر' نے یہ کیا نظارہ بنا
دیا ہے ؟''

(۱۲)

رانی گج مودھنی کی ماں

''رانی سنو ! یہ پرتھی راج کی فوج ہے ۔
جا کر سوئے ہوئے شیر[4] کو جگاؤ ، دیر نہ کرو ۔
بیٹی دیر نہ کرو، میری بات مانو ۔
بیٹی تمھاری عقل کس ملک کو چلی گئی ۔
موت کی گھوڑی ہمارے سر پر پہنچ چکی ہے ۔
یہ کس نے پانی میں آگ لگا دی''۔

(۱۳)

جب رانی گج مودھنی خوابگاہ میں پہنچی
تو اس نے سب سے پہلے اپنے خاوند کے ہتھیار اٹھائے ۔
ہتھیار اٹھا کر اس نے اپنے خاوند سے بات کی

---

۱ - اھلکھنڈ میں سریسا درج ہے ؛ یہ ملکاں کا قلعہ تھا ۔ مرتب
۲ - ملکاں کی رانی ۔
۳ - کنس گھاس کے پھول سفید ہوتے ہیں ۔ مرتب
۴ - ملکاں ۔

اور اسے جملہ حالات سے آگاہ کیا ۔
''دشمن کی مسلح فوج تمھارے سر پر کھڑی ہے ۔
اٹھو مہاراج ! میں تم کو اطلاع دینے کے لیے آئی ہوں''۔

(۱۴)

یہ بات سنتے ہی راجا اٹھ کھڑا ہوا ۔
اسے ایڑی سے چوٹی تک آگ لگ گئی اور غصے سے اس کا چہرہ اس طرح تمتما اٹھا جیسے تلوار چمکتی ہے ۔
''مجھے بتاؤ میرے ہتھیار کس نے اٹھائے ہیں :
میرے پاس کوئی دشمن تو نہیں آیا ؟
تو نے اپنے آپ کو عجیب و غریب فکر لگا لی ہے ۔
میں تو بے داغ تھا ، کس نے مجھ پر (بدنامی کا) داغ لگا دیا ؟''

(۱۵)

رانی نے ہاتھ جوڑ کر کہا : ''یہ لو اپنے ہتھیار ۔
دشمن تمھارے سر پر تیار کھڑا ہے ۔
راجا پرتھی راج نے تم پر حملہ کر دیا ہے ۔
جب سے میں نے اسے دیکھا ہے ، میرا بدن کانپ رہا ہے ۔
سرسوا گھیرے میں ہے اور دشمن کی فوجیں گرج رہی ہیں ۔
مہاراج ! دیکھو تمھارے باغی ساتھی (مارے خوف کے) لرز رہے ہیں''۔

(۱۶)

راجا (ملکاں) نے اپنے پانچوں کپڑے پہنے اور ہتھیار سجائے
اور پرتھی راج کی فوج کے مقابلے کے لیے تیار ہو گیا ۔
باہر اس کے سپاہی ہتھیار باندھے کھڑے تھے ۔
دس ہزار ساتھیوں کے ساتھ وہ باہر نکل آیا
اور وہ سب سرسوا کے قلعے سے نکل کر باہر میدان میں آ گئے ۔

(۱۷)

جب پرتھی راج نے انھیں ڈھول پیٹتے دیکھا
تو وہ غصے سے گرج کر بولا : ''اے بہادر دلیرو ! یہ ڈھول کی آواز سنتے ہو؟''
اس وقت پارس جوش میں آگے بڑھا ۔

اسے بڑھتے دیکھ کو بڑے بڑے جنگجو اور دلیر کانپ آٹھے ۔
جنگجو تلواریں سونت کر یوں میدان میں آتر آئے
جیسے بھرے بن میں ایک ھی بار آگ پھیل جائے ۔

(۱۸)

ملکاں سخت غصے میں بھرا ھوا یوں بولا :
''میں پیچھے نہیں ھٹوں گا ، خواہ میری جان جاتی رہے ؛
خواہ کتنے ھی سر کٹ کٹ کر زمین پر گریں ۔
انھیں مارتے جاؤ ، اب یہ جانے نہ پائیں ۔
تلواریں سونت لو ، آگے بڑھو اور دشمنوں پر حملہ کر دو ۔
دشمنوں کا صفایا کر دو اور ذرا نہ رکو''۔

(۱۹)

پارس نے حملہ کر دیا اور ساتھ ھی چلایا : ''میرے مقابلے پر آؤ ؛
میں دن سے رات کر دوں گا مگر تمھیں ذرا آگے نہیں بڑھنے دوں گا''۔
پارس نے آگے بڑھ کر تلوار سے وار کیا ؛
ملکاں نے اس کا وار اپنی ڈھال پر روکا ۔
اے دوست ! اس نے پارس کا منہ پھیر دیا ؛
یہاں تک کہ وہ ھوش بھول گیا اور حوصلہ ھار بیٹھا ۔

(۲۰)

پھر ملکاں نے تلوار نکالی اور آگے بڑھا ۔
اس نے زبردست وار کیا ؛ پارس کا بدن تھر تھر کانپنے لگا ۔
راجا نے نعرہ لگایا اور میدان جنگ میں گھس گیا ۔
دس بیس آدمیوں کو قتل کیا اور پھر اسی کی طرف آیا ۔
راجا کے ھاتھ میں ننگی تلوار تھی
اور فوج چاروں طرف کھڑی اس کی لڑائی کا منظر دیکھ رھی تھی ۔

(۲۱)

پارس نے تلوار سونت لی اور آگے بڑھ کر وار کیا ۔
وہ پہلے ایک بار حملہ آور ھوا ، پھر اس نے دوسرا وار کیا ۔
اس نے تاک کر تلوار ماری جو ھرنے پر لگی ۔

ڈھوڑے کی کاٹھی کٹ کر نیچے گر گئی ؛
پھر اس نے تیسری بار جھک کر تلوار ماری ۔
اب ملکان سنبھلا اور اس نے اپنا حوصلہ قائم کیا ۔

(۲۲)

ملکان نے گھوڑے کو چابک مارا ؛ اس کے تن میں آگ لگ گئی ۔
اس نے پارس کا سر کاٹ کے رکھ دیا اور اسے ہمیشہ کے لیے موت کی نیند سلا دیا ۔
پارس کو موت کے گھاٹ اتار کر وہ آگے بڑھا ۔
دوست ! یہ دنیا ہمیشہ رہنے کی جگہ نہیں ، نہ کوئی ہمیشہ زندہ رہے گا ۔
جوان ایک ھی بار تلواروں سے حملہ آور ہوئے
اور انھوں نے راجا (پرتھی راج) کی فوج کو کاٹ کے رکھ دیا ۔

(۲۳)

پارس کی موت کی خبر سن کر کوپ بچھراج اٹھ کھڑا ہوا ۔
اس نے ملکان پر اس طرح حملہ کیا جیسے باز تیتر پر جھپٹتا ھے ۔
بندوقوں سے گولیاں چلنے لگیں اور برچھیاں ٹکرائیں ۔
جوان تاک تاک کر نیزے مارنے لگے ؛
کشتوں کے پشتے لگ گئے اور ساری فوج کا صفایا ہو گیا ۔
(جو باقی بچے) وہ ایسے گھبرائے کہ کسی کو کچھ ہوش نہ رہا ۔

(۲۴)

میدان میں آگ برس رہی تھی اور مرنے والوں کا کوئی شمار نہ تھا ۔
اس وقت طاقت‌ور ملکان نے تلوار سونت لی ؛
وہ ننگی تلوار ہاتھ میں لیے آگے بڑھا ۔
دشمن کی ساری فوج بھاگ گئی ؛ ان کے لیے وھاں ٹھہرنا مشکل ہو گیا ۔
میدان جنگ میں دس ہزار فوج اس طرح کام آئی ،
جیسے بادل کے اندر بجلی چھپ جاتی ھے ۔

(۲۵)

اب کوپ بچھراج نے ھاتھ میں نیزہ لیا اور آگے بڑھا ۔

اس نے ملکان کے چہرے پر سخت وار کیا۔
ملکان نے اپنے سامنے موت کو کھڑے دیکھا ——
—— کیوں کہ دونوں فوجوں میں بچھراج جیسا دلیر کوئی نہ تھا۔
ملکان نے ننگی تلوار ہاتھ میں لے کر چاروں طرف نظر دوڑائی
تو اسے اپنا کوئی ساتھی نظر نہ آیا۔

(۲۶)

ملکان نے نیزہ اٹھایا اور بھراج کے سینے میں پیوست کر دیا۔
وہ فتح یاب ہوا، فوج بھاگ گئی اور کامیابی نے اس کے پاؤں چومے۔
وہ ایک بار پھر حملہ آور ہوا؛
اس نے پوری دس ہزار فوج کو تہ تیغ کر ڈالا۔
جو سپاہی اس کے سامنے آیا، کھڑا نہ رہ سکا۔
ملکان کو دیکھتے ہی ساری فوج بھاگ اٹھی۔

(۲۷)

بارہ فوجیں ساتھ لے کر پرتھی راج خود حملہ آور ہوئے۔
وہ جنگجو بہادر آگے بڑھے تو کئی طاقت‌ور اور دلیر سپاہی کانپنے لگے۔
بندوقوں سے گولیاں ایسے برسنے لگیں
جیسے ہولی میں رنگ کی پھوار گرتی ہے۔
پرتھی راج خود آگے بڑھا؛
اس نے ملکان کو مار ڈالا اور شہرت حاصل کی۔

(۲۸)

وہ قلعہ سرسوا کا دروازہ توڑ کر اندر داخل ہوئے اور اسے لوٹ لیا۔
بڑے بڑے بہادر ادھر ادھر بھاگنے لگے اور فوج میں بھاگڑ مچ گئی۔
انہوں نے فصل، مال اور ہاتھی گھوڑے —— سب کچھ لوٹ لیا۔
ہر گھر پر مصیبت آ گئی۔
پرتھی راج نے اس طرح فتح حاصل کی۔

دشمن کا کام تمام کرنے کے بعد فوج واپس آ گئی۔
کشن لال[۱] اور شبکنور نے دیہاتی بولی میں یہ گیت بنایا ہے؛
جیسے مچھلی سمندر میں جدھر چاہتی ہے، چلی جاتی ہے۔

۱۔ بھاٹ اور اس کی بیوی۔ مرتب

حکایت ۴۲

ہری چند کی کہانی

بڑاوت ضلع میرٹھ کے ایک مشہور بھاٹ کی زبانی

یہ کہانی قدیم ترین حکایت ہری چند کی جدید روایت ہے - ہری چند کی کہانی کا کچھ حصہ مہابھارت اور اتریا برھمنا میں موجود ہے - مارکنڈ یا پران میں یہ کہانی تفصیل سے بیان کی گئی ہے اور جدید روایات بالعموم اسی پر مبنی ہیں - نل دمینتی کی کہانی کی طرح ہری چند کی کہانی بھی آج کل بہت مقبول ہے - قدیم کتابوں میں ہری چند کی بیوی کا نام سیبیا اور اس کے بیٹے کا نام روھیتا سوا بتایا گیا ہے -

یہ جدید کہانیاں بھی بہت حد تک قدیم کہانی کی پیروی کرتی ہیں کیوں کہ قدیم کہانی بھی ہمیں وھیں تک لے جاتی ہے جہاں ہری چند اور اس کی رعایا کے سب لوگ جنت میں داخل ہو جاتے ہیں - قدیم روایت کے مطابق جنت میں نارد نے اسے اپنے کمالات پر فخر کا اظہار کرنے کی ترغیب دی ، جس کے باعث اسے وھاں سے نکال دیا گیا مگر جنت سے گرتے ہوئے راستے میں اس نے توبہ کر لی ، جس کے باعث اس کا گرنا رک گیا اور وہ آسمان اور زمین کے درمیان فضا میں رہ گیا ، جہاں آج بھی اس کا شہر دیکھا جا سکتا ہے - موجودہ نظم کے بند ۶۷ میں اسی کی طرف اشارہ ہے ؛ شمالی ہند میں آج بھی یہ مقبول ترین لوک کہانی ہے -

بسوا متر یا وشوا متر جو اس کہانی میں اہم کردار ادا کرتا ہے ، ایک رشی تھا جسے رشیوں میں بہت قدیم اور ممتاز مانا گیا ہے ۔ کہتے ہیں وہ کھتری تھا مگر اپنی ریاضت کے باعث برھمن ہو گیا ۔ اس کے اور برھمن و سشت (بششتھ) کے درمیان رقابت پیدا ہو گئی جس کا بیان بہت سی کہانیوں میں آتا ہے ۔ قدیم بہادرانہ کہانیوں میں وشوا متر ہمیشہ موجود پایا جاتا ہے ۔ وہ اکثر ایسا کردار ادا کرتا ہے جس سے عوام الناس کے برھمنوں کے سامنے پوری طرح جھک جانے کے فوائد ظاہر ہوتے ہیں ۔ موجودہ کہانی میں بھی اس کے کردار سے یہی عیاں ہوتا ہے ۔

---

(۱)

ھری چند نیک تھا ، اس کی بیوی تارا بھی نیک تھی ؛
اس کا بیٹا رھتاس بھی پاک دامن تھا جس کی نیکی اتھاہ تھی ۔
'ان کی نیکی اتھاہ ہے' ساری رعایا یہی کہتی تھی ۔
یہ عالم لوگ وید اور مقدس کتابیں پڑھتے تھے ۔
آخر اس نے اتنی زبردست قربانی کی
کہ اس کی شہرت اندر لوک تک پہنچی ۔

(۲)

اندر بولا : ''نارد[۱] ! میری جان کانپ رھی ہے ۔
وہ کون ہے جو دنیا کے اندر اس قدر ریاضت کر رہا ہے ؟
وہ کون سخی ہے ؟ وہ کون راجا ہے ؟
مجھ سے اس نئے معاملے کے متعلق کچھ کہو ۔
دیر نہ کرو ، ابھی چلے جاؤ
اور ایسی نیکی کو تباہ کرنے کے بعد فوراً واپس آجاؤ[۲] ۔

---

۱ ۔ نارد دیوتاؤں کا ایلچی تھا ، یہاں وشوا متر مراد ہے ۔

۲ ۔ اندر ڈرتا ہے کہ ھری چند کی نیکی اور ریاضت اسے جنت سے نکال دے گی ۔ مرتب

(۳)

بسوا متر برھمن

''اے راجا ! خوف و فکر کو اپنے دل میں جگہ نہ دو ۔
میں کسی تدبیر سے تمھارا اندیشہ دور کردوں گا ،
تمھارا اندیشہ دور کردوں گا ، تو ھر کے رنگ دیکھنا ۔
میں اپنی کایا پلٹ کر اس کی نیکی ختم کر دوں گا ۔
میں اجودھیا شہر میں ایسا فساد ڈالوں گا
کہ ایک لمحے میں راجا کا غرور خاک میں ملا دوں گا ''۔

(۴)

راجا اندر

''ھاتھی ، گھوڑے ، رتھ ، دھن ، مال اور راج پاٹ سب لے لے ۔
اگر تو چاھے تو اندر کا تخت بھی لے لے ؛ یہ ھیرے اور لعل بھی حاضر ھیں ۔
ھیرے ، لعل اور ان گنت رتن لے لے
مگر مجھ پر یہ ایک احسان کر ۔
اے پنڈت بھائی ! کسی طرح میری لاج رکھ لے
کیوں کہ آج میرا دل بہت پریشان ھے''۔

(۵)

چالاک بسوا متر آداب بجا لا کر وھاں سے رخصت ھوا
اور اس نے اودھ پوری[1] کے باغ میں آ کر ڈیرے ڈال دیے ۔
وہ باغ روک کر بیٹھ گیا : اس نے اپنی صورت بدل رکھی تھی ۔
وھاں اس نے پھولوں کی بیلیں توڑ کر نیچے پھینک دیں
اور سارا باغیچہ ویران کر دیا ۔
مالی کا سارا فخر خاک میں مل گیا اور وہ اسے روک نہ سکا ۔

(٦)

مالی[2]

''ایک زبردست جانور نے سارا باغ ویران کر دیا ھے ۔

---

۱ - اجودھیا واقع اودھ ۔ مرتب

۲ - اپنی بیوی سے - مرتب

لاکھ لاکھ روپے کا ایک ایک پیڑ تھا جسے اس نے لمحوں میں برباد
کر دیا ۔
اس نے غنچے توڑ ڈالے ، پھل تباہ کر دیے
اور جتنی روشیں بنی ہوئی تھیں ، انہیں مٹا دیا''۔
مالی ہاتھ ملنے اور چھاتی پیٹنے لگا
''میری عزت خاک میں مل گئی ہے ؛ اب یہ دوبارہ حاصل نہیں ہو
سکے گی''۔

(۷)

مالن

''اے میرے عقل‌مند خاوند ! اس جانور سے کچھ نہ کہنا ۔
باغ کو آگ لگے (باغ بےشک ویران ہو جائے) : میں تجھے وہاں نہیں
جانے دوں گی ۔
میں تجھے اس جانور کے پاس نہیں جانے دوں گی ۔
باغ کی ملازمت چھوڑ دے اور کھیتی باڑی سے پیٹ پال لے ۔
وہ جانور باغ میں بہت شور مچا رہا ہے ۔
اے میرے خاوند ! وہاں جا کر بن آئی موت کیوں مرتا ہے ؟''

(۸)

مالی

''نیکی سے زندہ رہنا اور نیکی پہ جان دینا—دنیا میں یہی دو راستے ہیں ۔
راون[1] یہاں سے کیا لے گیا اور کرن نے کیا کھو دیا ؟
وید اور مقدس کتابیں ان کی کہانیوں سے بھری پڑی ہیں ۔
دنیا میں صرف نام باقی رہ جاتا ہے ۔
تو راجاؤں کے طور طریقوں کو نہیں جانتی،
کیوں یوں ہی تکرار کرتی ہے ، سچی بات مان لے''۔

---

۱ ۔ راون نے سیتا کو اغوا کر لیا تھا جس کے بدلے وہ مارا گیا ۔
کرن انگا (بنگال) کا راجا تھا ، دروپدی نے اسے حرامی ہونے کے
باعث سوئمبر میں شریک ہونے کی اجازت نہیں دی ۔ وہ پانڈوؤں کا
سوتیلا بھائی تھا ۔ مرتب

(۹)

مالن

''اے میرے خاوند ! اس جانور کو کچھ نہ کہنا ۔
تو ٹوٹی ہوئی ناؤ سے کیسے سمندر پار کر سکتا ہے ؟
یہ جانور نہیں بلکہ جانور کی صورت میں خود تقدیر ہے ،
جو راجا کو مشکل میں ڈالنے کے لیے یہاں آ گئی ہے ۔
یہ تقدیر ہے جو ایسی خوفناک صورت بنا کر باغ میں آ گئی ہے ۔
اس کی عیاری دیکھ کر میرا بدن کانپ کانپ جاتا ہے ۔

(۱۰)

مالی

''اس نے باغ میں کچھ نہیں چھوڑا ، سارا باغ پائمال کر دیا ہے ۔
اب راجا کے پاس جا کر سارے حالات بیان کرنا ضروری ہو گیا ہے ۔
جو کچھ یہاں بیتی ہے ، میں نے اسے راجا سے بیان کرنے کا تہیہ کر لیا ہے ۔
باغ میں جتنا عجیب پھل تھا ، سب ضائع ہو گیا ہے ۔
وہ جانور تو اچھل اچھل کر حملہ کرتا ہے ۔
میرا سارا بدن کانپ رہا ہے ، مجھے جانے کے لیے کوئی راستہ نہیں ملتا''۔

(۱۱)

مالن

''جو کچھ آ گتا ہے ، وہ بالآخر غائب ہو جاتا ہے ؛ جو پیدا ہوتا ہے ، وہ مرتا ہے ۔
جسے ہم چنتے ہیں ، وہ گر پڑتا ہے ؛ جو پھول کھلتا ہے وہ کمھلاتا ہے ۔
پودوں سے انتخاب کر کے مالی باغ لگاتا ہے ؛
وہ کوئی جگہ خالی نہیں چھوڑتا ، ہر جگہ کو گلزار بناتا ہے ۔
وہ جنگلی جھاڑیوں کو پودوں سے الگ کرتا ہے ؛
وہ ہر پیڑ کو سینچتا ہے اور محبت سے ہر پودے کی آبیاری کرتا ہے''۔

(۱۲)

مالی باغ سے نکل کر راجا کے دربار میں پہنچا

باغ میں جو کچھ پیش آیا تھا ، وہ راجا کو سنا دیا ۔
کہنے لگا : ''ایک جانور نے سارا باغ ویران کر دیا ہے ؛
اس نے گیندے اور گلاب کے سب پھول توڑ کر پھینک دیے ہیں ؛
اس نے سارے باغ میں ایک کلی تک نہیں چھوڑی ؛
اب وہ اپنی وحشت میں ہر طرف ڈکارتا پھرتا ہے''۔

(۱۳)

راجا هری چند

''اے احمق مالی ! تیری عقل کہاں چلی گئی ؟
اے بے عقل ! پہاڑ کے اوپر مچھلی کیسے بیٹھ سکتی ہے ؟
مچھلی پانی کے بغیر نہیں رہ سکتی ۔
جہان[1] کے اصولوں کو سامنے رکھ اور غلط بیانی سے کام نہ لے ۔
تو راز کی بات بر سر عام بیان کر رہا ہے ۔
تو تو یوں ہی بے ہوشی میں باتیں کر رہا ہے''۔

(۱۴)

مالی

''راجا ! میری بات کا اعتبار کیجیے ۔
اس نے باغ میں کچھ نہیں چھوڑا ، سارا باغ برباد کر دیا ہے ۔
اس نے یوں ڈالی ڈالی تباہ کی ہے
کہ میں باغ کی تباہی دیکھ کر آپ کے پاس آنے پر مجبور ہو گیا ہوں ۔
اے راجا ! میری شرم رکھ لیجیے؛
راجا ! ہتھیار سجا لیجیے اور جلدی سے میرے ساتھ آئیے''۔

(۱۵)

راجا هری چند

''سپاہیو ! اکٹھے ہو کر باغ کی طرف جاؤ اور وہاں چڑھائی کر دو ۔
وہ کوئی زبردست جانور ہے ، حالات بگڑ چکے ہیں ۔
وردی زیب تن کر لو
اور جلدی سے باغ میں پہنچو ۔

---

۱ ۔ معلوم ہوتا ہے ، مالی نے راجا کو یہ بتایا ہے کہ وہ جانور مچھلی کی طرح ہے ۔ مرتب

وہاں سے پھر منہ نہ موڑنا ۔
اس کام[1] سے فارغ ہو کر نہانا اور پھر کھانا کھانا''۔

(۱۶)
مالی

''اے دربار کے آقا ! ذرا ٹھہریے ، وہ جانور بہت طاقت ور ہے ؛
اسے مارنا کسی کے بس کی بات نہیں۔
مہاراج ! وہ راجا کو دیکھ کر ضرور حملہ آور ہوگا ۔
وہ لمحہ بہ لمحہ اپنا رنگ اور اپنی صورت بدلتا ہے ۔
اے راجا ! اگرچہ آپ کے حکم سے انکار نہیں ہو سکتا
مگر (میری یہ عرض ہے کہ) آپ اس سے الگ رہیں ؛ میری بات مان لیجے''۔

(۱۷)

راجا نہ مانا ، اس نے جانور پر پہلا وار کیا ۔
جانور اس کی طرف کود کر بڑھا ، راجا نے بھی تلوار سونت لی ۔
راجا نے تلوار سونت لی او اس پر حملہ کر دیا ۔
''اب یہ جانے نہ پائے ، اسے کاری زخم لگ چکا ہے''۔
راجا للکارا : ''اسے مار ڈالو ،
دیر نہ کرو ، اس پر حملہ کر دو''۔

(۱۸)

جانور نے بھی حملہ کر دیا اور دس بیس سپاہیوں کر مار ڈالا ؛
اس نے ان کے ہتھیار گرا دیے اور ان کے سر روند ڈالے ۔
وہ سؤر کی شکل میں ان پر حملہ آور ہوا ؛
پھر جانور نے اپنی صورت بدل ڈالی ۔
اس نے ہاتھیوں پر حملہ کیا اور گھوڑوں کو مار دیا ۔
سواری کے سب جانور تیزی سے بھاگ نکلے ۔

(۱۹)

راجا ہری چند گھبرا کر کہنے لگا :

---

۱ - اورہ ، مطلب ہے جلدی کام سرانجام دو ۔ مرتب

''اگر کوئی یہاں سے بھاگا تو میں اس کو تہ تیغ کر دوں گا۔
جس کے اوپر جانور حملہ آور ہوا اور پھر اس سے بچ کر نکل گیا،
میں اسے آج پھانسی پر لٹکا دوں گا''۔
سارے شہر میں یہ شور مچ گیا:
''ایک جانور نے راجا کی عزت خاک میں ملا دی ہے''۔

(۲۰)

راجا کے باغ کو اچھی طرح سے ویران کر دینے کے بعد،
جانور آگے بڑھا اور اس نے راجا پر حملہ کر دیا۔
اس نے راجا کے سر پر پنجہ مارا۔
راجا نے پہلے ہی حملے میں ہوش و حواس ہار دیے۔
وہ جو کھشتریوں کی پناہ گاہ تھا، وہ اپنے دل میں سوچنے لگا:
''سخت مشکل پیش آ گئی ہے، اس کا کیا علاج کروں؟''

(۲۱)

مالی

''اے راجا! آپ نے میری بات کا اعتبار نہ کیا؛
اب تدبیروں سے کیا حاصل؟ جب آپ ہمت ہی ہار بیٹھے۔
آپ ہمت چھوڑ بیٹھے اور اس طرح آپ نے بازی ہار دی۔
آگے جیسے آپ کی مرضی، میرے آقا!
میں نے جو کچھ کہا تھا، وہی آپ کو پیش آیا۔
مہاراج! آپ نے کیسی غلطی کی ہے''۔

(۲۲)

راجا خوف زدہ ہو گیا، اس نے کہا: ''اب میں کیا کروں؟
میں نے دربار میں جو قسم کھائی تھی، وہ ٹوٹ گئی''۔
غیور راجا جنگل کی طرف چل دیا۔
اس کا ہیرے جیسا خوبصورت بدن سورج کی مانند چمک رہا تھا۔
راجا ہرن[1] کے متعلق سوچنے لگا۔

---

۱ - اس خوف ناک جانور کو ہرن کہا گیا ہے۔ مرتب

اس[1] نے برھمن سے کہا کہ تم مجھے اس بارے میں صحیح صحیح رائے
دو ۔

(۲۳)

بسوا متر برھمن

"اے دانش مند راجا ! میں نے تو ھرن دیکھا نہیں ؛
البتہ میری ایک عرض سنو ، میں مؤدبانہ التجا کرتا ھوں ۔
میں آج اجودھیا جانے کی تیاری میں مصروف ھوں ۔
میں نے سنا ھے کہ وھاں حق پرست راجا ھری چند ھے ۔
عزت کی خاطر مجھ پر سخت مصیبت آئی ھے ۔
میرے پاس پھوٹی کوڑی نہیں ، میں (اپنی لڑکیوں کی) شادی کیسے
کروں ؟"

(۲۴)

راجا ھری چند

میں ایسی مشکل میں پھنس گیا ھوں کہ میرا اجودھیا میں رھنا موقوف
ھو گیا ھے ۔
اس مشکل نے میری جان کو حلق میں اٹکا دیا ھے ؛ اچھا خدا مالک
ھے !
مشکل یہ ھے کہ میں نے بھاری قسم کھائی تھی ، (جو پوری نہیں کر
سکا)
(اس صدمے سے) آج مجھے میٹھا پانی بھی کڑوا معلوم ھوتا ھے ۔
اے برھمن ! میں تم سے سچ سچ کہتا ھوں ؛
اس وقت تو میں خیرات دینے سے عاجز ھوں ۔

(۲۵)

بسوا متر برھمن

"اے راجا ! میں نے کئی ملکوں میں تمھاری نیکی کی شہرت سنی ھے ۔

---

۱ ۔ معلوم ھوتا ھے بسوا متر جنگل کے راستے میں برھمن کا بھیس بدل
کے کھڑا ھو گیا اور وھاں راجا ھری چند سے اس کی ملاقات
ھوگئی ۔
مترجم

میری دونوں بیٹیوں کی شادیاں کر دو ، بے شک مجھے ویسے خیرات نہ دو ۔
اے راجا ! میری بیٹیاں شادی کی عمر کی ہو چکی ہیں ۔
میرا کام رکا ہوا ہے ، یہی میری عرض ہے ۔
اے مہاراجا ! اس طرح تمھیں گنگا میں نہانے کا شرف حاصل ہو جائے گا۔
اس وقت موقع ہے ، نیک نامی حاصل کر لو''۔

(۲٦)

راجا نے جنگل میں گھوڑا باندھا اور نہانے کی تیاری کی ۔
وہ برھمن کے سامنے ھاتھ جوڑ کر کھڑا ھو گیا اور بولا : ''دادا ! خیرات لے لو ؛
جو چاھتے ھو ، مجھ سے مانگ لو ۔
میرے ھاتھی لے لو ، شکاری باز لے جاؤ ؛
جتنا مال چاھو لے لو ، بے شک میری سلطنت لے لو ۔
بس مجھ پر اتنا احسان کرو (کہ جو چیز تمھیں چاھیے ، بتا دو)''۔

(۲۷)

بسوا متر برھمن

''اے ھری چند ! مجھے ساٹھ بوجھ[1] سونا دے دو ۔
اب نظریں نیچی نہ کرو ، (بلکہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر) گنگا میں نہا لو ۔
گنگا[2] میں نہا لو ، مجھ سے پکا وعدہ کرو ۔
مجھے ساٹھ بوجھ سونا دو ۔
ساری دنیا میں تمھاری شہرت ھو جائے گی
اور میں تمھیں خوش اور کامیاب راجا کہوں گا ''۔

---

۱ ۔ جتنا بوجھ ایک مرد اٹھا سکے ۔ مترجم
۲ ۔ مرتب نے گنگا میں نہانے سے جلدی کام کرنا مراد لیا ہے حالانکہ 'گنگا میں نہانا' 'نیکی کمانے' کے معنوں میں مستعمل ہے ۔ مترجم

(۲۸)

راجا ہری چند

"(جا کر) اس انگوٹھی کے بدلے چالیس بوجھ سونا لے لو ؛
باقی بیس بوجھ کے عوض میرا سامان لے جاؤ ، یہ ساٹھ بوجھ پورے ہوئے ۔
جو کچھ میرے پاس تھا وہ سب میں نے تمھیں دے دیا ؛
اب یہ تمھاری مرضی پر موقوف ہے (کہ تم اسے قبول کرو یا نہ کرو)
میں نے تمھیں پورے ساٹھ بوجھ سونا خیرات میں دے دیا ہے ۔
اے میرے پیارے برھمن ! اب اطمینان سے اپنے گھر کو جاؤ"۔

(۲۹)

بسوا متر برھمن

اے راجا ! مجھے پوری خیرات خوشی سے ادا کرو ۔
یہ نیکی کمانے کا وقت ہے ، میری ناؤ پار لگا دو ۔
ناؤ پار لگا دو ، اے میرے عارف راجا !
ہم نے سنا ہے کہ تمھاری رانی پاک دامنی کی کان ہے ۔
مجھے خیرات دو اور میری تمنا پوری کرو ۔
تم ہمیشہ کے لیے جنت کے مکین ہو جاؤ گے "۔

(۳۰)

راجا ہری چند

ایک میری رانی تارا وتی ہے ، ایک میرا بیٹا رھتاس ہے ؛
ایک راجا ہری چند ہے جو تمھارے سامنے کھڑا ہے ۔
میں یہاں حاضر ہوں ، میری یہ درخواست ہے
کہ جو تمھاری مرضی ہے ، وہ مجھے بتا دو ۔
اجودھیا آ جاؤ اور اپنی خیرات پوری کر لو ۔
وہاں جلدی آ جانا ، (اور جلدی خیرات لے لینا) ، بے صبری سے کام نہ لو ۔

(۳۱)

(دونوں) جنگل سے روانہ ہوئے اور اجودھیا پہنچ گئے ۔
برھمن راجا ہری چند کے (محل کے) سامنے جا کر بیٹھ گیا ۔

اس نیک برھمن نے وھاں ڈیرے ڈال دیے
اور ایک لمحے کے اندر راجا کا غرور خاک میں ملا دیا ۔ (وہ کہنے لگا :)
''تم نے باغ لگایا اور اس کی ڈالی ڈالی میں پھول کھل رہے ھیں
مگر خیرات نہ دینے سے وہ سارا باغ (خوشبو سے) خالی ھے''۔

(۳۲)

راجا ھری چند

اے رانی تارا وتی ! سن ، میں اپنا سب کچھ خیرات میں دے چکا ھوں ۔
ھم تینوں خیرات میں بک چکے ھیں ، میں نے کسی کو الگ نہیں رکھا ۔
میں نے کھشتری[1] کا کوئی حصہ اپنے پاس نہیں رکھا ۔
موت لازمی ھے مگر ایمان ھاتھ سے نہیں دیں گے ۔
اے رانی ! حوصلہ قائم رکھ اور یہ نرالی نیکی کر جا ؛
قسمت کی لکیریں مٹائی نہیں جا سکتیں''۔

(۳۳)

اس نے اپنے بیٹے اور رانی کو ھمراہ لیا
اور برھمن سے کہا : ''میری بات سنو ؛
اے عارف پنڈت ! ادھر آؤ ، میری بات سنو ۔
رانی کہتی ھے : 'کہیں سے ھماری قیمت وصول کر لو'۔
جہاں جی چاھے ھمیں بیچ دو اور اپنے دام کھرے کر لو ۔
اے مہاراج ! مجھ پر اتنی مہربانی کرو''۔

(۳۴)

پنڈت انھیں ھمراہ لے کر بنارس شہر کو چل دیا
اور وھاں کاشی کے اندر انھیں بیچنے کے لیے آواز دینے لگا :
''میرے پاس تین لونڈی غلام ھیں ، کوئی خریدار ھو تو لے لے ۔

---

۱ ۔ راجا خود کو کھشتری کہتا ھے اور اپنی بیوی اور بیٹے کو اپنے حصے بتاتا ھے ۔ مرتب

ان کے عوض ساٹھ بوجھ سونا لوں گا۔
سستا سودا ہے ، ہے کوئی خریدار
جو مجھے ان کے عوض خوشی سے ساٹھ بوجھ سونا دے دے؟"

(۳۵)

ایک بازاری عورت نے بیس بوجھ سونا دے کر رانی کو خرید لیا۔
اس نے پورا سونا ترازو سے تول کر دے دیا ، باقی کچھ نہ رکھا۔
(وہ کہنے لگی :) "اے برھمن ! بیس بوجھ سونا لے لو ؛
میں اس کی ادائیگی میں ذرا حیل و حجت نہیں کروں گی۔
مجھے خوشی سے اس کی رسید دے دو ؛
پھر رانی کو میرے حوالے کرنا "۔

(۳٦)

برھمن نے اس بازاری عورت سے دام لے لیے
اور اسے رخصت کر دیا ؛ سودا خوش اسلوبی سے سر انجام پا گیا۔
(برھمن بولا :) "داتا نے میرے سب کام کر دیے ھیں ؛
خدا کی قدرت سے بھاگا نہیں جا سکتا "۔
اس کے ساتھ ھی برھمن نے یہ بھی کہ دیا :
"یہ لڑکا بھی بک جائے تو دل کی خواھش پوری ھو"۔

(۳۷)

بیج ناتھ سیٹھ

"اے برھمن مہاراج ! یہ لڑکا مجھے دے دو۔
اے برھمن ! مہربانی سے اس کی ٹھیک ٹھیک قیمت بتا دو۔
اے برھمن بھائی ! سچ کہو اور ایک ھی بار اس کی صحیح قیمت
بتا دو۔
چاروں ویدوں میں سچ کی تعریف کی گئی ہے"۔
"اے مہاراج ! میں نے یہ لڑکا تجھے بیس بوجھ سونے میں دیا۔
میں تجھ سے کہتا ھوں ، مجھے ابھی اتنا سونا تول دے"۔

(۳۸)

بیج ناتھ سیٹھ

"اے برھمن مہاراج ! یہ لڑکا مجھے دے دو"۔

برھمن بولا : ''مجھے ابھی اس کی قیمت تول دے ، میں تجھ سے کہتا
ہوں ۔
میں تجھے آج کی سچی بات بتاتا ہوں ،
میں نے تارا رانی کو بیس بوجھ کے عوض بیچ ڈالا ہے ۔
سودا سستا ہے ، خوشی سے لے لو
اور یہ راز کہیں فاش نہ کرنا[۱] ''۔

(۳۹)

اس نے بیس بوجھ سونا دے دیا اور لڑکے کو اپنے ساتھ لے گیا ۔
اس نے اپنی ساری دولت برھمن کے حوالے کر دی اور اپنے بدن کو
پاک کر لیا[۲] ۔
اس نے اپنا بدن پاک کر لیا ، ھر نے اس دنیا کو فریب بنا دیا ہے ۔
سیٹھ نے جواھرات ، لعل اور کندن پائے ؛
اس کو آرام اور چین حاصل ھوا ، اسے بڑی دولت مل گئی ۔
اسے جو تکلیف تھی ، سب دور ھو گئی ۔

(۴۰)

کلوا چنڈال[۳]

''ھری چند کی قیمت بتاؤ اور ھم سے وہ رقم لو ؛
منہ مانگے دام لو ، میں صحیح صحیح کہ رھا ھوں ۔
میں نے تمھیں سچ سچ کہ دیا ہے ؛
میں نے غلط بیانی سے کام نہیں لیا ، نہ یہ کہانی ہے ۔
ایک ھی بار اس کی صحیح قیمت بتا دو
اور جو بھی تم کہنا چاھتے ھو تفصیل سے کہ دو''۔

---

۱ ۔ کسی کو نہ بتانا کہ تم نے اتنے سستے داموں اس لڑکے کو خرید لیا ہے ۔ مرتب نے اس کا مطلب آلٹا لیا ہے ، یعنی ''اس میں کوئی بھید نہیں''۔ مترجم

۲ ۔ مشہور ہے، جس کا بیٹا نہ ھو اس کی نجات نہیں ، اس سے ظاھر ھوتا ہے کہ سیٹھ کا کوئی لڑکا نہ تھا ۔ مرتب

۳ ۔ برھمن سے کہ رھا ہے ۔ مرتب

(۴۱)

بسوا متر برھمن

''یہ راجا نیک ھے ، ھمیشہ سچ پر قائم رہے گا ۔
اس کا بیٹا بازار میں بک چکا ھے ، نہ کسی نے گوت کا خیال کیا ھے
نہ ناطے کا ۔
اس نے نیکی کی خاطر اپنا سارا مال و دولت بچ دیا ھے
اور نیکی ھی کی خاطر یہ کاشی میں بکنے کے لیے آ گیا ھے ۔
مجھے اسی وقت بیس بوجھ سونا دے دو
اور راجا ھری چند کو اپنے ساتھ لے جاؤ''۔

(۴۲)

اس نے قیمت کے مطابق بیس بوجھ سونا تول کے دے دیا ۔
تول کے مطابق پورا سونا دینے کے بعد وہ مہاراج کو ساتھ لے کے
چلا گیا ۔
اس نے بیس بوجھ سونا دیا تو اس کی شہرت پھیل گئی ۔
اس نے راجا کو مرگھٹ کے اندر پہرے پر مقرر کر دیا ۔
راجا ھری چند ھر روز بنیے سے ایک سیر ستو لیتا ، (اور اس سے اپنا
پیٹ بھر لیتا)
مگر اس نے نیکی کو ھاتھ سے نہ جانے دیا ۔

(۴۳)

گنگا بیسوا[۱]

''اے رانی ! میں نے تیری قیمت بیس بوجھ (سونا) ادا کی ھے ؛
اب تجھے عصمت فروشی کرنی پڑے گی ، میں تجھے بتائے دیتی ھوں ۔
اے رانی ! میں نے تجھے اپنے دل کی بات بتا دی ھے ؛
(اس کے علاوہ) میرے لیے (ھر روز) گنگا سے پانی لایا کر ۔
فکر نہ کر ، اپنے ھاتھوں پکا اور کھا ؛
ابھی جا اور گنگا میں جا کر نہا آ ''۔

---

۱ ۔ رانی تارا سے کہ رھی ھے جسے وہ خرید چکی ھے ۔ مرتب

(۴۴)

اس طرح رانی کو گنگا میں نہانے کا موقع مل گیا ۔
حصول نجات کے خیال سے اس کے چہرے کا جلال بڑھ گیا اور اس کی عفت میں اضافہ ہوا ۔
اس نے اپنا نقاب آلٹ دیا اور کوئی عار محسوس نہ کی ۔
رانی راجا کے متعلق سوچنے لگی کہ وہ کیسے کھانا کھاتا ہوگا۔
اے[1] کشن لال شب کنور ! اتنے میں اس کی نظر هری چند پر پڑی
اور[2] اس کی روح گویا اس کے بدن سے نکل هی گئی اور کوئی سمجھانے کی بات باقی نہ رهی ۔

(۴۵)

رانی تارا

اے راجا ! اپنے دل کا راز بے شک نہ بتاؤ ،
جب تک بات زبان سے نہ نکلے ، تم کامیاب رهو گے ۔
اے راجا ! میں نے تم سے پہلے هی یہ کہا تھا ؛
میں حیران هوں ، کیا تم نے بدن کھو دیا ھے ؟
تمہارا بدن سوکھ کر هڈیوں کا پنجر رہ گیا ھے ۔
تم کس فکر میں رهتے هو ؟ کھانا کیوں نہیں کھاتے ؟

(۴٦)

راجا هری چند

رانی ! یہ برهمن کا کیا ھے ، جس نے پورا دان لینے پر اصرار کیا ۔
عزت جاتی ھے تو جانے دے مگر ایمان نہ جانے پائے ۔
میری پیاری ! صداقت کو هاتھ سے نہ دینا ؛
صداقت کی خاطر ہم میں جدائی پڑی ہے ؛
صداقت کی خاطر هم سے بیٹا دور چلا گیا ھے ۔
صداقت کی رفاقت نہ چھوڑنا ، میں نے تجھ سے کہ دیا ھے"۔

---

۱ ۔ اس گیت کے مصنف ۔ مرتب
۲ ۔ وزن کے لحاظ سے یہ مصرع کسی اور گیت کا معلوم هوتا ھے ۔
مرتب

(۴۷)
رانی تارا

''راجا! میں بھی اس بیسوا کے ہاں مصیبت میں پڑ گئی ہوں ؛
میں بول نہیں سکتی ، ہر وقت زار و قطار روتی رہتی ہوں ۔
خدا کے حکم کو ٹالا نہیں جا سکتا ۔
اے میرے خاوند ! تقدیر میرے سامنے کھڑی ہے ۔
بیسوا نے مجھ پر بہت ظلم اور زبردستی کی ہے ؛
مجھے عصمت فروشی کے لیے کہتی ہے ، اب میرے لیے زندہ رهنا دشوار ہو گیا ہے''۔

(۴۸)
راجا هری چند

''رانی ! مجھے گھڑا اٹھانے میں مدد دے ، میں عاجزی سے عرض کرتا ہوں ۔
میں رات دن ایسے تڑپتا ہوں جیسے پانی کے بغیر مچھلی تڑپتی ہے ۔
رانی ! میں ہر وقت کیسے اپنے دل کو سنبھالوں ؟
میں چاروں طرف دیکھتا ہوں مگر کہیں راستہ نظر نہیں آتا ۔
میں کاشی میں آ کر مصیبت میں پڑ گیا ہوں ؛
ہمارے لیے موت کا سامنا ہے اور لوگ ہنستے ہیں''۔

(۴۹)
رانی تارا

''چھاتی تک دریا میں چلے جاؤ اور گھڑا اٹھا لو ۔
(خدا کے) سچے نام کا آسرا ہے ، اب تم گھر کو جاؤ ''۔
اس نے گھرا اٹھایا اور بھنگی کے گھر چلا گیا
اور پھر بنیے سے ایک سیر ستو لیے ۔
ابھی وہ کھانے کے لیے بیٹھا ہی تھا کہ برھمن پہنچ گیا ؛
اس نے وہ سارے ستو مانگ لیے اور راجا کچھ نہ کھا سکا ۔

(۵۰)
رانی دریائے گنگا کے کنارے حوصلہ قائم کیے کھڑی تھی ؛

وھاں کھڑے کھڑے اور سوچتے سوچتے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے ؛
اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے ۔
''ایمان کی خاطر میری عصمت ھاتھ سے جا رھی ھے ؛
آج دنیا میں میرا کوئی ھمدرد نہیں''۔
اپنی مصیبت کے خیال سے رانی رونے لگی ۔

(۵۱)

رانی اپنے دل میں اسی طرح پریشان ھو رھی تھی کہ وھاں ایک سیٹھ پہنچ گیا ۔
(اس نے پوچھا) ''تم کس طرح پانی کے گھڑے بھرنے لگی ، تم کیوں کر قسمت کے چکر میں آ گئی ؟''
اس نے اسے بیٹی کہ کر مخاطب کیا اور کہا : ''منہ سے کچھ کہو ، اپنے راز سے آگاہ کرو اور سچ سچ بتاؤ ۔
میں تمھیں اس مصیبت سے نجات دلانے کے بعد ھی کھانا کھاؤں گا ،
ورنہ میں یہاں سے اپنے گھر کی طرف واپس نہیں جاؤں گا''۔

(۵۲)

رانی نے گھڑا بھرا اور بیسوا کے گھر کی طرف چل دی ؛
سیٹھ جی بھی اسے سمجھاتے ھوئے اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگے ؛
وہ بیسوا کو سمجھاتے ھوئے کہنے لگے : ''اے پیاری بیسوا ! سنو ۔
میری خاطر اس رانی کو بیچ دو اور اس کی قیمت بتاؤ ۔
مجھ سے بیس بوجھ سونا لے لو
اور مجھے یہ رانی خوشی دے دو''۔

(۵۳)

گنگا بیسوا

''اے نیک خو سیٹھ ! سنو ، میں نے اس کی قیمت بیس بوجھ سونا ادا کیا تھا ۔
رانی کو لے لو مگر میں تمھیں یہاں سے جانے نہیں دوں گی[1] ۔

---

۱ - اپنے عوض رانی کو لے جاؤ ۔ مرتب

میں رانی کو تمھارے ساتھ بھیج دیتی ہوں ، اس کے بدلے کچھ نہیں لیتی -
میں تم سے انکار نہیں کرتی ؛
یہ لو مہاراج ! میں اسے پیش کر دیتی ہوں ؛
دیر نہ لگاؤ ، اسے ابھی اپنے گھر لے جاؤ''۔

(۵۴)

سیٹھ رانی کو لے آیا اور اسے بیٹے سے ملا دیا -
وہ موت سے بچ گئی ، خدا نے اس کی مدد کی -
رانی تارا اپنے بیٹے کے پاس پہنچ گئی
اور یہ بات دنیا میں سب کو معلوم ہو گئی -
ماں بیٹا ملے اور انھوں نے ایک دوسرے سے اپنا دکھ سکھ بیان کیا -
جب وہ گلے ملے تو ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے -

(۵۵)

رانی تارا

''بیٹا باغ میں جاؤ اور پھولوں کی بہار دیکھو ؛
جتنے تمھارے دوست ہیں انھیں بھی اپنے ساتھ لے لو -
لڑکوں کے ہمراہ باغ میں جاؤ
اور وہاں سے پھولوں کے ہار بنا کے لاؤ -
خوشی سے پھولوں کی ٹوکری بھر کر لاؤ -
جلدی واپس آ جانا ، دیر نہ کرنا ''۔

(۵۶)

اس کا پیارا بیٹا اپنے دوستوں کی بانہوں میں بانہیں ڈالے باغ کی جانب چل دیا -
وہاں اس نے مالیوں سے کہا : ''میں پھول لینے کے لیے آیا ہوں''۔
اس نے پھول توڑنے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو ناگ نے اسے ڈس لیا -
وہ زہر سے بے ہوش ہو گیا ، اس سے کوئی تدبیر بن نہ آئی -
وہ چکرا کے گر پڑا اور اس کا بدن زرد اور نیلا پڑ گیا -

(اس نے صرف اتنا کہا :) ''میری ماں سے کہنا ، اس نے مجھے چھاتی سے
لپٹا کر پیار نہیں کیا ''۔

(۵۷)

راج کنور رہتاس

''کوئی میرا دوست جائے اور میری ماں کو میرے حالات کی اطلاع
دے ۔
اے میرے همجولیو ! اب میں زندہ نہیں رہوں گا ، اب مجھ میں
سانس باقی نہیں ۔
اسے کہو کہ وہ آ کر مجھے دریا میں بہا دے ، میرا دل اسے ملنے
کے لیے بے قرار ہے''۔
''پھول پھولوں سے مل گیا ، سانپ نے اسے ڈس کر مار دیا ہے''۔
برھمن نے کایا پلٹ کر اس کی ماں سے یوں کہا :
''رہتاس کی ناؤ منجدھار میں پڑی ڈگمگا رہی ہے''۔

(۵۸)

بیٹے کی موت کی خبر سن کر رانی الم زدہ ہو گئی ؛
اس نے محل میں اپنے بال پریشان کر لیے اور جوگن کا لباس پہن لیا ؛
اس نے جوگن کا لباس پہن لیا اور سارے رشتوں کو خیر باد کہ دیا ،
وہ ایسا دکھ برداشت نہ کر سکی ۔
رانی بیٹے کے پاس پہنچی اور اسے سینے سے چمٹا لیا ۔
''وہ نادان عمر کا تھا ، ابھی اس نے دنیا کا کوئی لطف نہیں اٹھایا
تھا ''۔

(۵۹)

راج کنور رہتاس

''ماتا تارا وتی ! سچی بات سن لیجیے ؛
میں باپ سے مل نہیں سکا اور میری جان لبوں پر ہے ؛
مجھے اب مرنے کا خوف نہیں ؛
آج میری روح اس دنیا سے جا رہی ہے''۔
اس کے اوسان خطا ہو گئے اور وہ پاس کھڑی اپنی چھاتی پیٹنے
لگی ۔

''بیٹا ! اب میرا کوئی باقی نہیں رہا''۔

(٦٠)

رانی بیٹے کی لاش کو مرگھٹ پر لے گئی اور اس کی چتا کو آگ لگا دی ۔

وہ مرنے کی تیاری کرنے لگی ۔ ''میں بھی اپنی جان دے دوں گی''۔

وہ جان دینے ھی والی تھی کہ راجا وھاں پہنچ گیا :

''تو نے حکم[1] نہیں لیا ـــــ چتا کو آگ کیسے لگا دی ؟

پہلے مجھے سونے کے پانچ ٹکے دو ،

اس کے بعد لڑکے کو مرگھٹ میں جلانا''۔

(٦١)

رانی تارا

''پانچ ٹکے تو میرے لیے پہاڑ ھیں ، یہاں تو کوڑی تک پاس نہیں ۔

تمھارا اپنا بیٹا مر گیا ھے ، میری بات سنو ؛

اے میرے خاوند ! میری یہ عرض سنو ؛

تمھارے دل میں یہ کیا بات آئی ھے ، ایسی بات تو کبھی سننے میں نہیں آئی ۔

تم خود بتاؤ ، کس سے پانچ ٹکے مانگ رہے ھو ؟

مجھے کیوں اپنے بیٹے کی لاش جلانے کی اجازت نہیں دیتے ؟''

(٦٢)

راجا ھری چند

''میں کالوا کی حکم عدولی کیسے کر سکتا ھوں ؟

میرے لیے جینا دوبھر ھے مگر مجھے محصول تو وصول کرنا ھے ؛

ورنہ تو ھی بتا ، میں اسے کیا جواب دوں۔

صرف برھمن ھی ھنس کر قواعد کی خلاف ورزی کر سکتا ھے ؛

مجھے تو پانچ ٹکے ضرور چاھییں ۔

رانی ! مجھے اس بات کا جواب دے''۔

---

۱ - مرگھٹ کی فیس ادا نہیں کی ۔ مرتب

(۶۳)

اس نے اپنے سر پر سے دوپٹا آتارا اور اسے دے دیا[1] ۔
جب چتا کو آگ لگ گئی تو وہ بھی (بیٹے کی لاش کے) ساتھ جلنے کے لیے بیٹھ گئی ۔
برھمن نے چتا جلتے دیکھی تو وھاں پہنچ گیا ؛
وھاں اس نے رانی کو ننگے سر دیکھا ،
رانی شرم کے مارے ستی کی کوٹھڑی میں چلی گئی ۔
برھمن نے لاش نکال لی اور چتا کو آگ لگا دی ۔

(۶۴)

بسوا متر برھمن

''اے کلوا ! میری بات سنو ، ایک ڈائن ستی کی کوٹھڑی میں آئی بیٹھی ھے ۔
وہ آدم خور ھے اور وھاں لاش کو آلٹ پلٹ رھی ھے ۔
اس نے سیٹھ بیج ناتھ کا لڑکا کھا لیا ھے''۔
کلوا اسی وقت راجا کے پاس پہنچا (اور اسے حکم دیا) :
''ابھی جلدی سے تلوار لے کے جاؤ
اور ڈائن کو مار کے فوراً یہاں واپس آؤ''۔

(۶۵)

ھری چند ننگی تلوار ھاتھ میں لیے اس طرف گیا :
''تو نے میرے پہرے میں ایسا ظلم کیا ھے''۔
وہ ستی سے اپنی رانی نکال لایا ۔
اس وقت ھری چند نے یہ کہا :
''اے آدم خور ! یہاں سے لڑکا آٹھاؤ ؛
اے رانی یہاں بیٹھ جاؤ ، تمھاری موت کا وقت قریب آ گیا ھے''۔

(۶۶)

رانی ھاتھ جوڑ کر کھڑی ھو گئی (اور کہنے لگی) : ''اے میرے خدا !

---

۱ - فیس کے عوض ۔ مرتب

ایسا وار کیجیے جو ہم تینوں کو ہلاک کر دے"۔
راجا تلوار سونت کر اس کے سر پر آ گیا ۔
ایک بار تو رانی کا سارا بدن کانپ اٹھا ۔
جب راجا نے اسے قتل کرنے کے لیے تلوار اٹھائی
تو زمین و آسمان کانپنے لگے"۔

(٦٧)

بھگوان نے اس کی اونچی پکار سن لی ۔
اس طرح راجا تمام امتحانوں میں پورا اترا ۔
اس کے دھرم پر قائم رہنے کے باعث بھگوان نے اسے اپنے درشن دیے ؛
پھر تو راجا نے نجات حاصل کر لی
اور اپنی تمام بستی کو بھی نجات دلا دی ۔
"راجا ھری چند ! آج تو جو چاھے مانگ لے"۔ بھگوان نے اس سے کہا ۔

(٦٨)

بستی کے لوگوں نے نجات پائی ، گنگا بیسوا اور کٔوا بھنگی بھی ان کے ساتھ ھی نجات پا گئے ۔
"میرے سارے خاندان کو بخش دو ! میری یہ دعا سنو"۔
یہ حالات دیکھ کر برھمن وھاں آیا (اور کہنے لگا) :
"اے مہاراج (اندر) ! میں نے تو لاکھوں تدبیریں کیں
مگر راجا نے دھرم کو ھاتھ سے نہیں جانے دیا ۔
حیرانی کی بات ھے ، الٹا میرا دل کانپ رھا ھے"۔

(٦٩)

برھمن نے جو کچھ کہا ، اندر نے اسے غور سے سنا ۔
"راجا نے کہال کر دیا ھے ، اب اس کے خلاف کچھ نہیں کیا جا سکتا ۔
راجا نے مجھ سے میدان جیت لیا ھے ؛
اس نے اپنی ساری سلطنت چھوڑ دی مگر دھرم کو نہ چھوڑا ۔
دولت اور مال و متاع سب کو بیچ دیا ؛

یہاں تک کہ اپنے قریبی عزیزوں کی بھی پروا نہ کی‘‘۔

(۷۰)

رانی نے اپنے بیٹے کو گود میں اٹھا لیا ؛
خدا نے مہربانی کی ، اسے اپنا لڑکا زندہ مل گیا ۔
راجا دوبارہ اجودھیا میں آ گیا ؛
اسے اپنی ساری حکومت واپس مل گئی ۔
رانی نے پھر محل کے اندر رھائش اختیار کر لی
اور دولت سے لطف اندوز ہونے لگی ۔
کشن لال اور شب کنور نے یہ عظیم کہانی بیان کی ہے ۔
راجا اور رانی دوبارہ مل بیٹھے اور انھوں نے سچائی کا بول بالا کر دیا ۔

حکایت ۴۳

شمس تبریز کی کہانی

جالندھر کے ایک بھاٹ کی زبانی

اس مشہور صوفی بزرگ کے متعلق جو روایت زبان زد عام ہے ، یہ حکایت اسی کی تحریف شدہ صورت ہے ۔ قابل غور امر یہ ہے کہ یہاں اس کی کھال کھینچے جانے اور اس کے بعد اس کے گھومتے پھرنے کا واقعہ ملتان میں پیش آیا بیان کیا گیا ہے اور وہیں اس نام کے ایک بزرگ کا مزار یا مقبرہ بھی ہے ۔ ان کے لیے سورج کے مچھلی (یا بیل) بھوننے کا واقعہ بھی اسی جگہ کا بیان کیا جاتا ہے ۔ ملتان میں جو اس قدر شدید گرمی ہوتی ہے ، اس کا باعث یہی دوسرا واقعہ بیان کیا جاتا ہے ۔ در اصل یہ کہانی قونیا واقع روم کی ہونی چاہیے تھی ، جہاں شمس تبریز نے زندگی بسر کی اور وفات پائی ۔ جلد دوم میں اس کے متعلق بیان ہو چکا ہے ۔

مولانا شمس‌الدین محمدؒ تبریزی ، جلال‌الدین رومیؒ کے مرشد تھے ۔ رومیؒ نے اپنی ایک تصنیف ''دیوان شمس تبریزی'' انھی کے نام سے معنون کی ہے ۔ صوفیا کے دو گروہوں کے جھگڑوں میں ، جن میں سے ایک کے سرگروہ شمس تبریزیؒ اور دوسرے کے مولوی رومیؒ کے صاحبزادے علاؤالدین محمود تھے ، ۱۲۴۷ء میں شمس تبریز کو قونیہ کے ایک کنویں میں پھینک کر ہلاک کر دیا گیا ۔

ملتان میں ایک مشہور شیعہ خاندان ہے، جو اپنے آپ کو ملتان کے ایک بزرگ شمس تبریزؒ نامی کی اولاد بتاتا ہے ۔ ۱۷۸۶ء

میں اس خاندان کے ایک فرد نے اس بزرگ کے مزار پر ایک بڑا مقبرہ تعمیر کرا دیا تھا ۔ آہستہ آہستہ یہ مقامی شمس تبریز اصل شمس تبریز سے خلط ملط ہو گیا اور اس کے مقبرے اور اس کے متولیوں کو بہت منافع ہوا اور غالباً اس مقبرے کو تعمیر کرانے والے کا مقصد بھی یہی تھا ۔

شمس تبریز کی کرامت کا بیان

جو کوئی اللہ کی رضا کو پیش نظر رکھتا ہے ،
اللہ اس کے بگڑے ہوئے کام سنوار دیتا ہے ۔
دوستو ! یہ پیر شمس تبریز ہے ؛
جس کے فیض سے سارا جہان معمور ہے ۔
اگرچہ ملتان میں بہت سے نامور بزرگ گزرے ہیں
مگر ان سب میں شمس تبریز کا نام مشہور ہے ۔
ملتان میں ایک نواب تھا
جس کا اکلوتا بیٹا وفات پا گیا ۔
جب اس نے نواب کو غم زدہ دیکھا
تو اپنے حکم سے مردے کو زندہ کر دیا ۔
''اس نے کہا : 'میرے حکم سے زندہ ہو جا'۔
یہ کیوں نہ کہا : 'خدا کے حکم سے زندہ ہو'۔''
علماء نے اس پر یہ اعتراض کیا
(اور فتوا دیا کہ) ''ایسی پیری خلاف شرع ہے''
اور اس کی تعزیر[1] یہ سنائی کہ :
''اس کی کھال اُتروا دو''۔
جب جلاد اس حکم کی تعمیل نہ کر سکا
تو پیر نے جلدی سے یوں کہا :
''اے دوست ! میں خود اپنی کھال آتار دیتا ہوں
تاکہ تجھے تکلیف نہ ہو''۔

---

۱ - تعزیر وہ سزا ہے ، جو اللہ کے حکم سے ہو مگر جس کا تعین عدالت پر چھوڑ دیا گیا ہو ۔ مرتب

اس نے چٹکی بجانے کے وقفے میں اپنی کھال آتار دی
اور اللہ کو یاد کر کے وہاں سے چل دیا ۔
جب اسے سخت بھوک لگی
تو وہ کہیں سے ایک مچھلی لایا ۔
جب اس نے آگ پر مچھلی کو بھوننا چاھا
تو بازار والوں نے نفرت کے باعث اسے وہاں سے ھٹا دیا ۔
آخر اس نے مجبوراً سورج کو آواز دی :
''اے دوست ! اپنے ھم نام کی شرم رکھ لے''۔
کہتے ھیں سورج نیچے آ گیا
اور اس نے پیر کی مچھلی کو بھون دیا ۔
ملتان میں جو اس قدر گرمی ھے ،
وہ پیر کی اسی کرامت کا باعث ہے ۔
ملتان میں دیوان[1] عام خاص کے قریب
اس بزرگ کا فیروزی رنگ کا قبہ مشہور ھے ۔

---

۱ ۔ یہ عمارت دیوان ساون مل نے تعمیر کی تھی جو سکھوں کی حکومت میں ۱۸۲۹ء تا ۱۸۴۴ء ملتان کا گورنر تھا ۔ مرتب

حکایت ۴۴

شاہ قمیس کی کہانی

اس کا مواد قصبہ ساڈھورا اور کوہ‌تاھا کی پہاڑیوں واقع ضلع انبالا سے اکٹھا کیا گیا ہے

یہ حکایت ایک ایسے بزرگ کے متعلق ہے جو مقامی طور پر بہت مشہور ہیں ۔ ان کا مزار ساڈھورا میں ہے اور ان کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ سید عبدالقادرؒ جیلانی کے بیٹے عبدالرزاق کی اولاد میں سے ہیں ۔ سید عبدالقادرؒ جیلانی ۱۰۷۸ء تا ۱۱۶۶ء بغداد میں ہوئے ہیں ۔ جلد دوم میں ان کا کچھ تذکرہ بیان کیا جا چکا ہے ۔ شیخ عبدالرزاق تاریخ کی مشہور ہستیوں میں سے نہیں ہیں ۔

اس کہانی میں ایک شجرۂ نسب کے حوالے سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ شاہ قمیس کی ولادت ۱۴۲۵ء میں ہوئی اور وہ ساڈھورا میں پہلے پہل ۱۴۵۴ء میں وارد ہوئے ۔ دوسری جگہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ علاؤالدین حسین شاہ والیٔ بنگال نے (جس کا عہد حکومت ۱۴۹۳ء تا ۱۵۲۴ء تھا) شاہ موصوف کے دادا سید شاہ تاج‌الدین کو اپنی بیٹی کا رشتہ پیش کیا ، جنھوں نے اسے اپنے بیٹے شاہ ابوالحیات کے لیے قبول کر لیا ۔ چنانچہ شاہ قمیس کی والدہ یہی شاہزادی بیان کی جاتی ہیں ۔ ان کے بھائیوں کا نصیب شاہ المعروف نصرت شاہ والیٔ بنگال کی لڑائیوں میں حصہ لینا بیان کیا جاتا ہے ۔ نصرت شاہ کا عہد حکومت ۱۵۲۴ء تا ۱۵۳۸ء تھا ۔ بعض حکایات میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ خود شاہ قمیس نے بادشاہ کی بیٹی سے

شادی کی ۔ کہانی کے ایک اور حصے کی رو سے اس کا تعلق ان لڑائیوں سے بیان کیا گیا ہے ، جو ہمایوں بادشاہ نے سکندر شاہ سور سے پنجاب واپس لینے کے لیے ۱۵۵۵ء میں لڑیں ۔ ان میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے ان کا برادر نسبتی سید عبد اللہ ۱۵۶۲ء میں برہان پور کی لڑائی میں کام آیا تھا۔ ایک جگہ اس بزرگ کا تعلق اکبر کے عہد سے بتایا گیا ہے جس کا زمانہ ۱۵۵۶ء سے شروع ہوتا ہے ۔ اگرچہ یہ تمام تاریخیں درست نہیں ہو سکتیں مگر ان سے اتنا پتا ضرور چلتا ہے کہ شاہ قمیس کا زمانہ پندرھویں صدی عیسوی تھا ۔

شاہ اور ان کے والد کا بنگال کے شاہی خاندان میں شادیاں کرنا اگرچہ ناممکن نہیں ، مگر جہاں تک میں تحقیقات کر سکا ہوں ، تاریخ اس کی تائید نہیں کرتی ۔ اسی طرح مجھے اس بیان کی تائید میں بھی کوئی ثبوت نہیں مل سکا کہ شاہ قمیس کا سلسلہ بہار اور گورکھپور تک پھیلا ہوا ہے ، اگرچہ کہانیوں میں ایسا کہا گیا ہے ۔

چونکہ ان حکایات کی زبان عام آردو تھی ، اس لیے میں نے اصل زبان نہیں لکھی ۔

ساڈھورا[1] کا بزرگ

ان کا نام شاہ قمیس ہے اور وہ شاہ عبدالقادرؒ جیلانی کے سلسلے سے تعلق رکھتے تھے ۔ شاہ عبدالقادرؒ جیلانی نے انھیں اپنا بیٹا بنا لیا تھا مگر بعض کا خیال ہے کہ وہ سید عبدالقادرؒ جیلانی کے صلبی بیٹے تھے ، لے پالک نہ تھے ۔ ان کی یاد میں ہر برس لدھیانا ، ساڈھورا اور بہار میں تین میلے ہوتے ہیں ۔ ساڈھورا میں وہ مدفون ہیں اور باقی دو مقامات پر انھوں نے عبادت کی ، اس لیے وہاں یہ میلے لگتے ہیں ۔ یہ میلے بالعموم مارچ میں منعقد کیے جاتے ہیں ۔

---

۱ ۔ اس صورت میں ان کا زمانہ اس عہد سے جو اس کہانی میں بیان کیا گیا ہے ، تین صد سال قبل ہونا چاہیے ۔ مرتب

(۲)

شاہ قمیس کی حکایت بزبان پیر محمد سکنہ لاہور

میں شاہ قمیس کا مرید ہوں۔ ان کا شجرۂ نسب یہ ہے:
شاہ قمیس بن سید شاہ ابوالحیات بن سید شاہ تاج‌الدین بن سید شاہ بہاؤالدین بن سید شاہ جلال‌الدین بن سید شاہ داؤد بن سید علی ناصر بن سید شاہ بن سید صلاح‌الناصر بن سید شاہ عبدالرزاق بن سید شاہ محی‌الدین عبدالقادر جیلانی[1]۔

سات رمضان کی رات کو سید شاہ تاج‌الدین بغداد میں واقع روضۂ سید عبدالقادرؒ جیلانی میں سو رہے تھے۔ انھوں نے خواب میں حضرت پیرؒ پیراں کو دیکھا۔ حضرت نے ان سے کہا: بنگال جاؤ اور وہاں کے بادشاہ سید حسین شاہ کو اپنے حلقۂ بیعت میں داخل کرو۔ وہ جاگ اٹھے؛ پھر سوئے تو انھیں دوبارہ خواب میں ہندوستان جانے کی ہدایت کی گئی؛ چنانچہ وہ سفر پر چل پڑے اور مناسب وقت گزرنے پر بنگال پہنچ گئے۔ وہاں انھوں نے کئی کرامتیں دکھائیں، جن کے باعث بہت سے لوگ ان کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو گئے؛ بالخصوص گورکھ پور میں۔ بادشاہ نے ان کے متعلق سنا تو وہ بھی ان کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گیا۔

کچھ عرصے کے بعد بادشاہ نے اپنے وزیر کو ان کی خدمت میں اس گزارش کے ساتھ بھیجا کہ آپ میری بیٹی کو قبول کریں اور کہا کہ میں نے قسم کھائی ہے کہ میں اپنی بیٹی کا رشتہ آپ کو دوں، مگر انھوں نے وہ رشتہ اپنے بیٹے سید شاہ ابوالحیات کے لیے پسند فرمایا جو ان دنوں بغداد میں تھے؛ بالآخر یہ نکاح باقاعدگی سے انجام پایا۔

اس کے کچھ عرصے بعد سید شاہ تاج الدین بنگال کی طرف روانہ ہوئے اور راستے میں بنور (تحصیل پٹیالا) کی ایک مسجد میں ٹھہرے۔ وہاں انھوں نے اپنا گھوڑا مسجد کے صحن میں باندھ دیا۔ اگلے روز

۱۔ اس شجرۂ نسب کی رو سے شاہ قمیس کی پیدائش سنہ ۱۴۲۵ء کے قریب بنتی ہے، جو اس کہانی میں بیان کردہ واقعات سے بخوبی مطابقت رکھتی ہے۔ مرتب

جب لوگ نماز کے لیے آئے تو انھوں نے وہاں گھوڑا باندھنے پر اعتراض کیا ۔ لوگوں نے کہا : ''اس کی لید اور پیشاب سے مسجد میں غلاظت پھیلے گی''۔ پیر نے جواب دیا کہ ایسا نہیں ہوگا اور اگرچہ بارش شروع ہو گئی اور چالیس دن تک متواتر ہوتی رہی اور اتنے دن گھوڑا وہیں بندھا رہا مگر اس نے کوئی بول و براز نہ کیا ۔ پیر نے اس کے علاوہ اور بھی کئی کرامتیں دکھائیں اور بہت سے لوگ ان کے معتقد ہو گئے ، مگر اس نے انھیں مرید بنانے سے انکار کر دیا اور کہا : ''میں اپنے پوتے سید شاہ قمیس کو بھیجوں گا ، تم ان سے بیعت ہو جانا''۔ یہ کہ کر وہ وہاں سے چل دیے ۔

سید شاہ ابوالحیات کے تین بیٹے تھے ـــ سید شاہ قمیس ، سید شاہ محمد زکریا اور سید شاہ عبدالعزیز ـــ ایک روز محمد زکریا لڑکوں کے ساتھ کھیل رہے تھے ، لڑکے لکڑی کے گھوڑوں کی سواری کر رہے تھے ؛ شاہ محمد ذکریا کے پاس لکڑی نہ تھی ، وہ دیوار پر بیٹھ گئے اور اسے دوڑاتے پھرے ۔ باپ نے دیکھا تو بہت ناراض ہوا ؛ اس نے بیٹے کو بے وقت موت کی بد دعا دی اور ایسا ہی ہوا ۔ سید شاہ عبدالعزیز نے اپنے ماموں نصیب شاہ کے ہمراہ وسعت سلطنت کی لڑائیاں لڑتے ہوئے شہادت پائی ۔

شاہ قمیس نے اپنی زندگی اللہ کی خدمت کے لیے وقف کر دی ۔ ان کی شادی نصیب شاہ کی لڑکی سے ہوئی مگر انھوں نے اس سے ازدواجی تعلقات قائم نہ کیے ۔ ایک روز جب وہ عبادت میں مشغول تھے ، ان کی بیوی آئی اور آ کر ان کے سامنے کھڑی ہو گئی ۔ انھوں نے اسے بیٹھنے کے لیے کہا مگر وہ نہ بیٹھی ۔ انھوں نے اپنا ارشاد دو تین بار دھرایا مگر وہ بدستور کھڑی رہی ۔ آخر انھوں نے غصے میں آ کر اسے زمین میں دھنس جانے کی بد دعا دی اور وہ وہیں زمین میں دھنس گئی ۔

نصیب شاہ نے سنا تو وہ خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی : ''میری پہلی بیٹی کی قسمت میں جو کچھ تھا اس نے پا لیا ، اب دوسری بیٹی حاضر ہے ، اسے نکاح میں لے آئیے''۔

اس سے پیر صاحب ناراض ہو گئے اور وہاں سے ساڈھورا آ گئے ،

جہاں انہوں نے چالیس برس تک عبادت کی ؛ پھر وہ حج کے لیے مکہ گئے ؛ اس کے بعد اپنے دادا کے پاس بغداد چلے گئے ۔

دادا نے انہیں پانی کا ایک لوٹا دیا اور کہا ''اسے لے جاؤ اور جہاں اس کا پانی ختم ہو وہاں قیام کرو ۔ وہ پانی کا لوٹا لے کر چلے آئے ۔

ساڈھورا کے مقام پر لوٹے کا پانی ختم ہو گیا ، چنانچہ انہوں نے وهیں ایک سوکھے ہوئے درخت کے نیچے رہائش اختیار کر لی ۔ درخت فوراً ہرا ہو گیا اور وہ وہاں رہنے لگے ۔ یہ ۸۵۸ھ[1] (۱۴۵۴ء) کا واقعہ ہے ۔ پھر انہوں نے دعا کی کہ درخت کے قریب کنواں نکل آئے ۔ جب وہاں کنواں نکل آیا تو وہ اس کا پانی پینے اور وضو کے لیے استعمال میں لانے لگے ۔ ان کرامات سے ان کی شہرت ہو گئی اور وہاں کا بڑا قاضی[2] اور بہت سے لوگ ان کے معتقدین میں شامل ہو گئے ۔ اس کے بعد وہ پیر پور گئے ، جو وہاں سے قریب ہی ہے ۔ وہاں انہوں نے شیخ عبدالعزیز کی بیٹی سے نکاح کیا اور پھر واپس ساڈھورا آ گئے ۔

اسی زمانے (۱۵۵۵ء) میں شہنشاہ ہمایوں اپنی فتوحات میں مشغول تھا اور اس نے سرھند[3] میں علاوہ اور کارناموں کے شاہ قمیس کے بہت سے مرید بھی قیدی بنا لیے ۔ شاہ موصوف شاہ آباد میں ہمایوں سے ملے

---

۱ ۔ غالباً ان کے بنگال کے کارناموں سے پہلے کی بات ہے ۔ مرتب

۲ ۔ ساڈھورا کے مسلمانوں کا کہنا ہے کہ شہاب الدین غوری کے زمانے (۱۱۷۴ء تا ۱۲۰۶ء) میں سیدوں کے چار قبیلوں نے یہاں قبضہ کیا تھا اور قصبے کو چار محلوں ـــــ قاضی ، واسطی ، ابو حلیم اور سیانیا میں تقسیم کر لیا تھا ۔ بعد میں ایک نیا محلہ پیرزادہ قائم ہوا ، جہاں شاہ قمیس کی اولاد نے رہائش اختیار کی ۔ ان کی کہانی کے مطابق شاہ قمیس ۱۰۰۸ھ یا ۱۵۹۹ء میں ساڈھورا آئے تھے ۔ بڑے قاضی سے 'محلہ قاضی' کا سربراہ مراد ہے ۔ ۱۷۶۰ء میں سکھوں نے سیدوں سے ساری زمینیں اور جائداد چھین لی ۔ مرتب

۳ ۔ یہ لڑائی ۲۲ جون ۱۵۵۵ء میں لڑی گئی تھی ۔ مرتب

اور آسے اپنے مریدوں کو رہا کر دینے کے لیے کہا ، چونکہ بادشاہ ان کی کرامات کے متعلق سن چکا تھا ، اس لیے وہ اپنے وزیر بیرم خان[1] کے همراہ ان کے استقبال کے لیے آیا اور ان کی خدمت میں اپنا مؤدبانہ سلام پیش کیا ۔ انھوں نے دعا کی کہ بادشاہ دھلی کا تخت حاصل کرنے میں کامیاب ھو ۔ بادشاہ اور اس کے وزیر نے قسم کھائی کہ اگر وہ دلی کا تخت حاصل کرنے میں کامیاب ھو گئے تو آئندہ شاہ قمیس کے کسی مرید کو کوئی گزند نہیں پہنچے گا اور ساڈھورے کا مالیہ شاہ قمیس کے نام وقف کر دیا جائے گا تاکہ اس سے لنگر جاری کر سکیں ۔ اس کے بعد بادشاہ نے دلی پر چڑھائی کر کے اسے فتح کر لیا ۔ اس کے تھوڑے عرصے بعد اسے اس دنیا سے واپس بلا لیا گیا اور اس کی جگہ جلال الدین محمد اکبر تخت نشین ھوا ۔ جنوری ۱۵۵٦ء) ۔

انھی دنوں شاہ قمیس کے ھاں ایک لڑکا پیدا ھوا جو دن کے وقت اپنی ماں کا دودھ نہیں پیتا تھا ۔ شاہ صاحب کا یہ دستور تھا کہ وہ شہدا[2] کی قبروں پر روزانہ جاتے تھے ۔ شاہ صاحب کے برادر نسبتی سید عبداللہ نے بادشاہ اکبر کی ملازمت اختیار کر لی اور ایک مہم پر دکن کی طرف گئے ۔

برھان پور[3] پر ایک جنگ کے دوران میں دشمن نے سید عبداللہ کو گرفتار کر لیا ، اس نے شاہ قمیس کو امداد کے لیے پکارا تو وہ فوراً وھاں پہنچ گئے اور اسے رھائی دلائی ۔ ایک موقع پر ایک حجام نے جو شاہ صاحب کی حجامت بنا رھا تھا ، ان کے لباس کو بھیگے ھوئے دیکھا تو اس کی وجہ دریافت کی ۔ انھوں نے اسے بتایا کہ ان کے ایک مرید حاتم بیگ کا جہاز ڈوب گیا تھا اور وہ ابھی اسے پانی

---

۱ ۔ بیرم خان ، خان خاناں جو ھمایوں اور اکبر کے زمانے میں بڑا جرنیل تھا ۔ مرتب

۲ ۔ ظاھر ھے یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے ھمایوں کی جنگوں میں شہادت پائی ۔ مرتب

۳ ۔ ۱۵٦۲ء میں اکبر کی فوج نے برھان پور پر اچانک قبضہ کر لیا تھا۔ مرتب

سے نکالنے کے لیے گئے تھے ، اس لیے ان کے کپڑے بھیگ گئے تھے۔ ساتھ ھی انھوں نے حجام سے کہا کہ یہ بات کسی اور کو نہ بتانا ورنہ پاگل ھو جاؤ گے۔ کچھ عرصے کے بعد حاتم بیگ سفر سے واپس آیا تو اس نے حجام کی موجودگی میں مدد کے لیے شاہ صاحب کا شکریہ ادا کیا۔ حجام شاہ صاحب کی بات بھول گیا اور کہ اٹھا : ''ھاں ، شاہ صاحب نے مجھے اس کے متعلق بتایا تھا''۔ اور اس نے ساری کہانی بیان کر دی ؛ وہ کہانی ختم کرتے ھی پاگل ھو گیا اور ابھی تک اس کی نسل سے پاگل ھی پیدا ھوتے ھیں۔

ایک بار ان کے ایک مرید سید علی نے ان کی خدمت میں پارس پتھر پیش کیا۔ انھوں نے اسے فوراً دریا میں پھینک دیا۔ جب سید علی نے پوچھا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا اور کیوں اس چیز کی قدر نہیں کی جو آپ کے لیے اتنی محنت سے لائی گئی تھی ؟ تو انھوں نے اسے کہا کہ تم دریا کے دوسرے کنارے پر جاؤ ، وھاں تمھیں اپنا پتھر مل جائے گا۔ وہ دوسرے کنارے پر گیا تو اسے وھاں کئی پارس پتھر نظر آئے۔

ایک بار اکبر بادشاہ نے انھیں بلایا تاکہ ان کی کرامات کے متعلق ان کا امتحان لے۔ وہ دھلی چلے گئے۔ جب وہ دربار میں پہنچے تو اکبر کو ان کی آستین میں ایک شیر ببر نظر آیا۔ وہ اس قدر خوف زدہ ھوا کہ اس نے انھیں فوراً ساڈھورا واپس بھیج دیا۔ اس کے فوراً بعد وہ بہار چلے گئے ؛ جہاں انھوں نے وفات پائی۔ انھوں نے آخری وقت اپنے مریدوں سے کہا کہ وہ انھیں ساڈھورا میں دفن کریں ، چنانچہ ایسا ھی کیا گیا۔

حکایت ۳۵

سرور اور نیر

بڑاؤت ضلع میرٹھ کے ایک مشہور بھاٹ کی زبانی

میں یہ معلوم نہیں کر سکا کہ اس حکایت کے ہیرو کون تھے ۔ اس کہانی کے مطابق راجا امبا والئی پونا و ستارہ اور اس کی بیوی املی یا امبلی اور اس کے دو بیٹے سرور اور نیر بہت سی مشکلات کے بعد آجینی میں پہنچ جاتے ہیں اور بالآخر امبا وہاں کا راجا بن جاتا ہے ۔ اس کہانی میں امبا کو مرہٹا بیان کیا گیا ہے مگر وہ غالباً کوئی راجپوت راجا ہے ۔

بعض حکایات کے خاص کرداروں کو ان کی تاریخی پناہ گاہوں سے ڈھونڈ نکالنا بہت مشکل کام ہے ۔ ممکن ہے ابھی امبا کا کچھ پتا نہ لگایا جا سکے ۔ جب میں نے جلد دوم میں راجا ڈھول (جسے راجا نل کا بیٹا بتایا جاتا ہے) کی کہانی پیش کی تھی ، اس وقت میں اس کے متعلق معلومات فراہم نہیں کر سکا تھا ؛ اب مجھے ٹاڈ کے راجستھان (اصل ایڈیشن، جلد دوم ، صفحہ ۳۰۲) میں اس کے متعلق معلومات مل گئی ہیں ۔ راجا ڈھول نہایت مشہور راجپوت بہادر تھا ، جس نے امبر یا دھندار کی ریاست کچھواھا کی بنیاد رکھی تھی ۔ ٹاڈ نے مقامی معلومات کی بنا پر اس کے عہد کی ابتدائی تاریخ ۹۶۷ء لکھی ہے اور وہ اسے راجا نل کی نسل سے تینتیسواں بتاتا ہے ۔ علاوہ ازیں وہ راجا اجمیر کی بیٹی مارونی سے اس کی مشہور محبت کی داستان بھی بیان کرتا

ہے۔ ٹاڈ کی کتاب میں ڈھول اور مارون کو ڈھولا رائے اور ماروني لکھا گیا ہے ۔

پنجاب میں راجا امبا کا نام مشہور ہے اور اس کا تعلق رسالو کی کہانیوں سے قائم کیا جاتا ہے ۔ اسے راجا رسالو کا مخالف بیان کیا جاتا ہے ۔ ان کہانیوں کے مطابق امبا کالپی واقع ضلع لاهور اور مانی کیالا واقع ضلع راولپنڈی اس کے قبضے میں تھے ۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اسی نے انبالا کی بنیاد رکھی تھی ۔ کننگھم نے اپنی کتابوں ''ہندوستان کا قدیم جغرافیہ'' اور ''ہندوستان کے آثار قدیمہ کا جائزہ'' میں ایک مشہور شعر کا حوالہ دیا ہے جو ذیل میں درج ہے :

امبا کپا پائی لڑائی   کالپی بہن چھڑاون آئی

ترجمہ : جب امبا اور کپا میں لڑائی ہوئی
تو ان کی بہن کالپی صلح کرانے کے لیے آئی ۔

مگر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ آیا راجا امبا کا اس کہانی کے امبا سے بھی کچھ تعلق ہے یا نہیں ۔

سرور اور نیر کی کہانی

(۱)

ایک تھا امبا ، ایک تھی املی اور ایک سرور تھا اور ایک نیر تھا ۔
امبا پونا کا راجا تھا ، وهاں اس کے پاس ایک فقیر آیا ۔
اس نے بھبوت رما رکھی تھی ، اس نے وهاں آ کر نادہ بجائی ۔
وہ امبا کے باغ میں آ گیا اور اس نے وهاں 'آلکھ' کا نعرہ لگایا ۔
وهاں اس نے اپنا بستر بچھا دیا اور (رب کی طرف) متوجہ ھو کر بیٹھ گیا ۔
اس کے گلے میں مالا تھی اور دل میں (خدا کی) فکر ۔

(۲)

مالن نے دیکھا تو اس سے عرض کی :
''جو کچھ تم کہو میں تمہارے لیے لے آؤں ،
تمہارے لیے چھتیس کھانے لے آؤں ۔

اے فقیر ! تم کہو تو راجا کے پاس جا کر تمھارے متعلق اطلاع پہنچا آؤں ،
اور کہو تو تمھارے متعلق رانی سے بیان کروں ۔
ویسے ذرا ھوشیار رھنا اور میری اس بات کا خیال رکھنا "۔

(۳)

فقیر

"مجھے دولت یا سلطنت نہیں چاھیے ، نہ مجھے حکومت سے کچھ کام ھے ۔
(ھم فقیر ھیں) رات یہاں بسیرا کریں گے ، صبح کہیں اور چل دیں گے ۔
ھماری دعا ھے : "خدا تمھارے شہر کو آباد و خوش حال رکھے !
اے مالن ! تیری بستی آباد رھے !
میری خواھش تو صرف آگ اور پانی تک محدود ھے ۔
جلدی سے جا کر راجا کو خبر دے دے ۔
میرے دل میں مہربانی آ گئی ھے ، میرا کہنا مان"۔

(۴)

مالن باغ سے روانہ ھوئی ، اس وقت گھنگور گھٹا چھا رھی تھی ۔
"اے راجا ! تمھارے باغوں میں ایک جوگی آیا ھے ۔
نہ وہ کھانا کھاتا ھے ، نہ پانی پیتا ھے ۔
راجا ! بھلا بتاؤ وہ کیسے زندہ رہ سکتا ھے ؟
اے رانی ! تم ابھی میرے ساتھ چلو اور اس کے درشن کرو
اور اپنے دل میں ذرا بھی خوف نہ آنے دو"۔

(۵)

راجا اور رانی نے ھیروں ، لعلوں اور جواھرات سے تھال بھر لیے ۔
انھوں نے کھانے پینے کی اچھی اچھی چیزیں لیں اور اپنے توشہ خانے کھولے ۔
اپنے توشہ خانے کھول کر ، وھاں سے ھر قسم کی کھانے کی چیزیں لیں
اور وھاں سے دنیا کے استعمال کی اور چیزیں بھی لے لیں ۔

یوں راجا اور رانی باغ میں پہنچ گئے
اور انھوں نے اس جوگی کے سامنے کھانوں سے بھرے ہوئے تھال رکھ دیے۔

(٦)

اس نے خوب سیر ہو کر کھانے کھائے اور پھر نادہ بجائی۔
''جو کچھ تم سے مانگوں گا، وہ لے لوں گا، میں تمھیں بتائے دیتا ہوں۔
تم اپنی دلی خواهش سے میرے پاس کھانے لائے ہو،
اس لیے اے راجا! اب میری بات سنو۔
اے راجا! میں تمھاری سب خواهشات بیان کروں گا؛
تمھارے باغ میں آنے سے میرا یہی مقصد تھا''۔

(۷)

راجا امبا

''اے فقیر! جو بھی تمھارے دل کی خواهش ہے،
وہ مجھ سے مانگ لو، میں اس کے علاوہ تمھیں اور بھی بہت کچھ دوں گا۔
ابھی آرام سے بیٹھ کر کھانا کھاؤ،
اچھی طرح آرام کرو، پھر یہاں سے جانا۔
اے مہاراج! جو کچھ تمھارے دل میں ہے (بیان کرو)۔
ویسے میں نے بھی تمھارے دل کی ایک بات معلوم کر لی ہے''۔

(۸)

فقیر

''اے راجا مجھے اپنا سب کچھ دے دو، ورنہ نیکی کھو بیٹھو گے۔
میری ناؤ منجدھار میں پڑی ہے، اسے پار لگا دو۔
اگر تم اسے پار لگا دو، تو تمھاری نیک نامی ہے۔
تمھارا نام مشہور ہو جائے گا، میری بات مان لو۔
میرے پاس کوئی نہیں، میں بالکل تنہا ہوں۔
مجھے خوشی سے اپنا سب کچھ دے دو، خدا تمھارا مدد گار ہوگا''۔

(۹)

راجا اور رانی دونوں وهاں باغ میں سوچنے لگے۔

(رانی نے کہا :) ''اے راجا ! یا تو اپنا سب کچھ دے دو ، یا نیکی کھو دو ۔
اے میرے عقل مند راجا ! نیکی کو نہ گنوانا ۔
اپنا سب کچھ دے دو ؛ رانی تم سے کہتی ہے ۔
اس میں دیر نہ کرو ، یہ سب کچھ ابھی دے دو
اور فقیر کی خواہش خوشی سے پوری کر دو''۔

(۱۰)

اس کے بعد راجا نے اس فقیر کو اپنا سب کچھ بطور دان دے دیا :
''دولت کی دیوی تو نیکی کی باندی ہے ، میں اس سے پھر آ ملوں گا''۔
راجا نے دان دیا ، جوگی نے لے لیا ۔
راجا نے ساری حکومت اور جو کچھ اس کے پاس تھا ، دے دیا ۔
صرف سرور اور نیر کو اپنے دل سے لگا کر رکھ لیا
اور رانی کو رکھ لیا ، جوگی سے اس کی اجازت لے لی ۔

(۱۱)

راجا اور رانی وہاں سے چل دیے ، نیر کو رانی نے گود میں لے لیا ،
سرور کو راجا نے اٹھا لیا اور ان کے دل مطمئن تھے ۔
انھوں نے حکومت اور سلطنت چھوڑ دی ، دولت چھوڑ دی
اور رانی وہاں سے صرف نیکی کی تلوار لے کر آ گئی ۔
وہ اس جنگل کو چھوڑ کر دوسرے جنگل میں آ گئے
اور وہاں پھلوں اور جڑوں پر گزارہ کرنے لگے ۔

(۱۲)

رانی املی

''راجا ! میری انگیا لے لو اور اسے بازار میں جا کر بیچ آؤ
مگر یہ انگیا کسی ساھوکار کو دینا ۔
اس کی قیمت خود اپنے دل سے مقرر کر کے بتانا ۔
جو کوئی اس کی قیمت ادا کر دے ، وھی ھمارا محسن ھوگا ۔
بیٹے بھوکے ھیں ، انھیں کھانا کھلائیں ۔
مہاراج ، ابھی جلدی سے انگیا فروخت کر کے کھانا لائیے''۔

(۱۳)

راجا انگیا لے کر چل پڑا ، اس نے ذرا دیر نہ کی ۔
راستے میں اسے کندن ساھوکار مل گیا ۔
اس نے کندن کو وہ انگیا دکھائی اور کہا :
''میں اسے فروخت کر دینا چاھتا ھوں ؛
میں اس انگیا کی قیمت لینا چاھتا ھوں ؛
تم یہ انگیا اپنے پاس رکھ لو اور مجھے اس کی قیمت دے دو''۔

(۱۴)

ساھوکار نے راجا کو اپنے پاس بٹھا لیا اور اس سے سارا ماجرا پوچھا ۔
''تم نے رانی کو کہاں چھوڑ دیا ھے؟ اسے اپنے ساتھ کیوں نہیں لائے ؟
اسے تم ساتھ نہیں لائے ، کیا تم نے عقل کھو دی ھے ؟
آج تم نے یہ کیا عجیب حرکت کی ھے ؟
کہیں ایسا نہ ھو کہ دھوکے میں نقصان اٹھائے
اور یہاں سے واپس جائے تو رانی کا پتا ھی نہ چلے''۔

(۱۵)

راجا امبا

''رانی وھاں بڑ کے پیڑ تلے بیٹھی ھے ، سرور اور نیر بھی اس کے پاس ھیں ۔
اے میرے بھائی ! دام چکاؤ اور انگیا لے لو ۔
مجھے دس ھزار (روپے) دے دو
اور میری یہ انگیا لے لو ؛
سودا سستا ھے ، خوشی خوشی لے لو ؛
فکر نہ کرو ، مجھے یہ قیمت ادا کر دو''۔

(۱۶)

کندن ساھوکار نے راجا کو اپنی دوکان پر بٹھایا اور خود اپنے گھر کی طرف گیا
اور شہر میں پہنچ کر جلدی سے ایک ڈولی لے آیا ؛
وہ ڈولی لے کر رانی کے پاس پہنچ گیا ۔

اسے انگیا دکھا کر کہنے لگا : ''میرے ساتھ چلو ، راجا نے تمھیں
بلایا ہے''۔
اس نے پیاری رانی کو ڈولی میں بٹھا لیا ؛
لڑکے ایک طرف کر دیے اور کہار ڈولی لے کر آ گئے ۔

(۱۷)

ساھوکار لڑکوں کو وھیں چھوڑ کے آ گیا
اور رانی کو اپنے مکان میں لے گیا ۔
رانی کو چھوڑ کر وہ راجا کے پاس آیا اور اس سے کہنے لگا :
''گھر سے انگیا کی قیمت کا روپیا نہیں مل سکا ؛
یہ لو اپنی انگیا اور یہاں سے چلے جاؤ ۔
اسے کسی اور جگہ فروخت کر کے کھانا کھا لینا ''۔

(۱۸)

امبا نے انگیا لی اور لڑکوں کے پاس آ گیا
اور ان سے پوچھنے لگا : ''مجھے بتاؤ ، تمھاری ماں کہاں ہے ؟
مجھے اپنی ماں کے متعلق فوراً بتاؤ ؛
بیٹا ! مجھے صحیح صحیح حالات سے آگاہ کرو ؛
اپنے دل میں کوئی بات نہ رکھنا ، میں تم سے کہے دیتا ہوں''۔

(۱۹)

سرور اور نیر

''شہر سے ڈولی آئی تھی ، اس میں ھماری اماں کو بٹھایا گیا ؛
ہمیں وہ دھوکے سے یہیں چھوڑ گئے ؛ ہم تو سخت پریشان ہو گئے
تھے ۔
اے باپ ! ہم تو بالکل گھبرا گئے تھے ۔
وہ شخص ھماری ماں کو انگیا دکھا کر ساتھ لے گیا ۔
اس نے آ کر ماں سے یوں کہا : ''تجھے (راجا) بلاتے ہیں''۔
وہ اسے ڈولی میں بٹھا کر لے گیا ہے ، پھر واپس نہیں آیا ''۔

(۲۰)

راجا لڑکوں کی بات سن کر دل میں متفکر ھوا ۔
''اس مصیبت کا حال کس سے کہیں ، پردیس میں آئے ھوئے ہیں ،

بھوک اور پیاس سے بدن بے حال ہے ، کئی دنوں سے کھانا نہیں کھایا۔
خدا نے جو کچھ ہماری قسمت میں لکھ دیا ، وہی دیکھ رہے ہیں ۔
بیٹا ! آج دنیا میں تمھارا کوئی نہیں ؛
ویسے بھی قسمت کے لکھے کو کون مٹا سکتا ہے؟''

(۲۱)

سرور

''میری ماں کہاں چلی گئی ہے ، مجھے اس کے متعلق بتاؤ ۔
جو ہونا تھا وہ ہو کے رہا ، ہم موت سے پہلے مر رہے ہیں ۔
اے باپ ! مجھے ماتا کے پاس لے چلو ؛
کھانا ہم بعد میں کھا لیں گے ۔
مجھ پر اس غم کا بہت زیادہ اثر ہے ۔
مجھے یوں معلوم ہوتا ہے جیسے میری جان نکلنے والی ہو''۔

(۲۲)

راجا امبا

''سرور اور نیر! سنو ، تمھاری ماں تمھارے ماموں کے ہاں گئی ہے ۔
اگر تم ذرا صبر سے کام لو گے ، تو میں تمھیں اس سے ملا دوں گا ۔
میں تمھیں تمھاری ماں کے پاس لے چلوں گا ؛
گھبراؤ نہیں ، تمھیں تمھاری ماں سے ملا دوں گا''۔
اس نے دونوں بیٹوں کو اپنے کندھوں پر بٹھا لیا ۔ (اور چل پڑا)
کرنا خدا کا کیا ہوا ، سامنے ایک ندی آ گئی ۔

(۲۳)

راجا کنارے پر کھڑا سوچنے لگا ، ''پار کیسے اتروں ؟''
اگر میں حکومت نہ دیتا تو قول ہار چکا تھا ''۔
نیر کو اس نے وہاں کنارے پر بٹھا دیا اور سرور کو اٹھا لیا ؛
پھر وہ ندی کے اندر داخل ہوا اور زور لگانے لگا ۔
بیٹے کو دوسرے کنارے چھوڑ کر وہ واپس آیا ،
تو ایک مگرمچھ نے اسے نگل لیا ، یہی خدا کی مرضی تھی ۔

(۲۴)

چکوے چکوی کی طرح ایک کنارے پر سرور تھا اوردوسرے پر نیر ۔

قسمت کے لکھے کے سامنے تدبیر کیا کام آئے!
وہ دونوں وھاں جنگل میں بیٹھ کر رونے لگے
اور دل میں اپنی ماں کو یاد کرنے لگے۔
''ہم سے اب ہمارا باپ بھی بچھڑ گیا ھے،
جوگی نے ھم پر بہت ظلم کیا ھے''۔

(٢٥)

علی الصبح ایک دھوبی کپڑے لے کر گھاٹ پر پہنچ گیا؛
اس نے وھاں دو لڑکوں کو روتے دیکھا؛
لڑکوں کو دیکھ کر اس کے دل میں رحم آیا؛
اس نے دونوں لڑکوں کو آپس میں ملا دیا،
پھر انھیں اپنے گھر لے آیا۔
وھاں پہلے ان کے منہ ھاتھ دھوئے پھر انھیں کھانا کھلایا۔

(٢٦)

اس نے سرور اور نیر دونوں کو ایک ھی مکان میں رکھا۔
ایک برھمن ان کے لیے کھانا پکاتا اور انھیں ٹھنڈا پانی پلاتا۔
اس نے دونوں بھائیوں کو پڑھنا لکھنا سکھایا
اور انھیں اٹھنے بیٹھنے کے سب آداب بتائے۔
انھوں نے حکومت کے آداب و قواعد بھی سیکھے
اور سب اچھی کتابیں بھی پڑھ لیں۔

(٢٧)

انھوں نے بارہ برس تک تعلیم حاصل کی اور بہت عالم فاضل ھو گئے۔
جتنے قانون تھے وہ سب انھوں نے سیکھ لیے؛
پھر دونوں بھائی روزگار کی تلاش میں نکلے
اور چلتے چلتے اجین نگر پہنچ گئے۔
انھوں نے وھاں راجا کو اپنی ساری مصیبت کہ سنائی
کہ انھوں نے کیسے اپنا گھر بار اور ساری دنیا چھوڑ دی تھی۔

(٢٨)

اجین کا راجا

''تمھارا باپ کس ملک کا راجا تھا؟ مجھے اس ملک کا پتا دو۔

تمھاری ماں کون ھے ؟ تم نے یہ میلا سا لباس کیوں پہن رکھا ھے ؟
ھم سے سب حالات جستہ جستہ بیان کرو ،
مجھے صحیح صحیح بتاؤ کہ تمھارا یہاں آنے کا مقصد کیا ھے ؟
مجھے اپنے تمام حالات سے آگاہ کرو ۔
ھتھیار[۱] باندھ لو اور یہاں خوشی خوشی رھو''۔

(۲۹)

نیر

''املی میری ماں ھے اور امبا باپ ھے ؛
یہ میرا بھائی سرور ھے ، میرا نام نیر ھے ، یہی سچی بات ھے ۔
ھم یہاں روزگار کی تلاش میں آئے ھیں ۔
ھمیں خوشی سے اپنی ملازمت میں لے لیجیے ، ھم دونوں بھائی اکٹھے رھیں گے ۔
میرے باپ کو مگرمچھ نگل گیا تھا
اور ماں کو ایک ٹھگ دھوکے سے لے گیا ''۔

(۳۰)

اجین کا راجا

''جہاں میرے گھر کی عورتیں ھیں ، تم وھاں محل پر پہرا دو[۲]
اور خوب چوکس رھنا ، کسی کو قریب نہ آنے دینا ۔
میں تمھیں پوری وردی اور سب ھتھیار دے دیتا ھوں''۔
اس نے دونوں کو ملازمت دے دی اور اس کے متعلق احکام جاری کر دیے ۔
''تم ڈیوڑھی کے پاس نگران رھو
اور وھاں جو کچھ حالات پیش آئیں مجھے بتاؤ''۔

(۳۱)

دونوں بھائی رات دن محل کی حفاظت کرنے لگے ۔
وہ دن کے وقت سو جاتے اور ساری رات جاگتے ؛
وہ تلوار باندھ کر پہرہ دیتے

---

۱ ۔ ملازمت میں آ جاؤ ۔ مرتب
۲ ۔ ذمہ داری کا عہدہ ۔ مرتب

اور راجا سے براہ راست حکم لیتے ۔
وہ راجا کے بہت منظور نظر ہو گئے ؛
ہمیشہ اپنے کام پر حاضر رہتے ، کبھی غیر حاضری نہ کرتے ۔

(۳۲)

ایک ماھی‌گیر ندی پر آیا اور اس نے وھاں جال ڈالا ؛
جال میں ایک مگرمچھ پھنس گیا ، ماھی گیر نے اسے باھر نکال لیا ۔
جب اس نے مگرمچھ کا پیٹ چاک کیا
تو اس کے اندر سے راجا امبا نکلا ۔
وہ اسے لے کر اجین کے راجا کے پاس آیا
اور دونوں ھاتھ جوڑ کر اسے پیش کر دیا ۔

(۳۳)

راجا نے اسے دیکھا تو اپنے پاس بٹھا لیا اور پوچھا :
''اے بھائی ! تو کس طرح سے جال میں پھنس گیا ؟
تجھ پر یہ کیسی مصیبت آئی ؟
یہ تجھے کیسے میرے پاس پکڑ لایا ھے ؟
مجھے اپنا سارا حال جستہ جستہ سنا ؛
تو نے جنگل میں کیسے دن گزارے ؟''

(۳۴)

راجا امبا

''میں پونا میں پیدا ھوا ، جو ستارا کے پاس ھے ۔
میں بہت خیرات کیا کرتا تھا اور میرے کام خوب چلتے تھے ۔
جوگی نے مجھ سے ایک ایسا سوال کیا
کہ میں نے اپنا سب کچھ اسے دے دیا ۔
اپنا سارا راج پاٹ اور دولت اسے دے دی
اور رانی کو ساتھ لے کر جنگل میں آ گیا ''۔

(۳۵)

اجین کا راجا

''تیری رانی کہاں گئی ؟ اسے کیا واقعہ پیش آیا ؟

تو کیسے مگرمچھ کے چنگل میں پھنس گیا اور کیسے بن آئی موت
مر گیا ؛
تو نے اپنے سب بھائی بند چھوڑ دیے ۔
اے میرے دوست ! اب میں کیسے تیری مدد کروں ؛
مجھ سے اپنے دل کی بات کہ ،
تیری مصیبت دور ہوئی ، اب یہاں میرے پاس رہ''۔

(۳٦)

راجا امبا

''رانی کو جنگل میں بٹھا کے میں بنارس شہر میں گیا ۔
دو لڑکے بھی تھے ـــــ ایک کا نام سرور تھا ، دوسرے کا نیر ۔
میں نے انگیا لی اور اسے بیچنے کے لیے گیا ،
سامنے سے مجھے کندن ساھوکار مل گیا ،
میں نے اسے انگیا کی قیمت بتائی ،
اس نے قیمت سن کر مجھ سے انگیا لے لی''۔

(۳۷)

راجا امبا

''ساھوکار نے وہ انگیا رانی کو جا کر دکھائی ،
اس نے لڑکوں کو وھیں بڑ کے درخت تلے چھوڑ دیا اور رانی کو اپنے
ساتھ لے گیا ۔
رانی کو گھر میں بٹھا کے مجھے انگیا واپس لا دی ۔
میں انگیا لے کے لڑکوں کے پاس گیا ،
مگر وھاں رانی کہیں نظر نہ آئی''۔

(۳۸)

راجا امبا

''پھر میں لڑکوں کو ساتھ لے کر ندی پر پہنچا ،
وھاں مگرمچھ نے مجھے نگل لیا ۔
اس طرح سے میں بھاری مصیبت میں مبتلا ھو گیا
اور یوں میری رانی مجھ سے جدا ھو گئی ۔
اب آپ جس طرح چاھیں میری مدد کریں ؛

میں نے آپ کے سامنے اپنی ساری کہانی بیان کر دی ہے''۔

(۳۹)

راجا نے اس کی خوب خاطر تواضع کی اور اس سے دلی محبت کرنے لگا۔
اسے اپنا بیٹا بنا لیا ؛ یہ قدرت کے کھیل ہیں۔
اسے وہاں رہتے بیس برس گزر گئے ،
یہاں تک کہ راجا کا آخری وقت آ پہنچا۔
راجا وفات پا گیا اور وہ اس کی جگہ تخت پر بیٹھا
اور اس طرح اس کے دن بدل گئے۔

(۴۰)

کندن ساہوکار رانی سے یوں کہنے لگا :
''تمھیں جنگلوں میں پھرتے بہت دن ہوئے ، اب میرے گھر میں رہو۔
میرے گھر میں بسو اور یہیں رہنا سہنا اختیار کرو
اور مجھے اپنے دل کی پوری بات سے آگاہ کرو۔
آؤ اب ہم دنیا کی رسم کے مطابق دن گزاریں۔
اے میری پیاری ! اب تم میرا گھر بار بساؤ''۔

(۴۱)

رانی املی

''پہلے میں گنگا میں نہا لوں ، پھر تیرا گھر بساؤں گی۔
اب تجھے میرے دل پر اختیار حاصل ہو چکا ہے۔
تو میری اتنی سی بات مان لے کہ مجھے نہانے کے لیے گنگا تک لے چل ؛
اس کے بعد مجھے جیسے کہے گا ، میں کروں گی۔
اب دیر نہ کر میری بات مان لے ،
پھر تیری بات سے بھی انکار نہیں ہوگا''۔

(۴۲)

اس نے ہاتھی ، گھوڑے ، رتھ ساتھ لیے اور لاکھوں روپوں سے بھری ہوئی تھیلیاں بھی رکھ لیں۔
رانی رتھ میں بیٹھ گئی اور وہ وہاں سے روانہ ہوئے۔
جب وہ اجین نگر میں پہنچے

تو انھوں نے وھاں خیمے نصب کر دیے اور ان میں قیام کیا ۔
کندن ساھوکار راجا کی خدمت میں حاضر ھوا ۔ (اور وھاں عرض کی :)
''میں نے آپ کے شہر میں قیام کیا ھے''۔

(۴۳)

راجا امبا

''جو کچھ تو کہنا چاھتا ھے ھم سے کہہ دے ،
جو کچھ تو مانگے گا ، تجھے دوں گا ، تجھ سے اس کی کوئی قیمت نہیں لی جائے گی ۔
جہاں تو نے قیام کیا ھے ، اپنی حفاظت خود رکھنا ؛
ھاں کھانے کے لیے تجھے جو کچھ چاھیے وہ ھم مہیا کر دیں گے ؛
اس کے علاوہ کچھ اور کہنا چاھتا ھے تو اجازت ھے ۔
جا ، خوب اچھی طرح سے گنگا میں اشنان کر''۔

(۴۴)

کندن ساھوکار

''رات اندھیری ھے ، مجھے پھرےدار دے دیجیے ۔
پچھلی راتیں ھم نے بہت مصیبت میں گزاری ھیں ، راتوں کو ذرا چین نصیب نہیں ھوا ۔
ھمیں اشنان کے لیے گنگا جانا ھے ؛
وھاں ھم خوب خیرات دیں گے اور بہت سا کھانا تقسیم کریں گے ۔
مہاراج ! ھم تو یہاں آپ کی پناہ میں آ گئے ھیں ،
ھم گھر سے بہت مال و دولت لے کے آئے ھیں''۔

(۴۵)

راجا نے سرور اور نیر کو پھرا دینے کے لیے بھیجا ؛
وہ رات بھر خیموں کی حفاظت کرتے رھے ، حالاں کہ مینہ برستا رھا ۔
دونوں بھائی اپنی مصیبت کی کہانی بیان کرنے لگے ۔
''بھائی ! ھماری ماں کیسے دن گزارتی ھوگی ؟
معلوم نہیں ھمارا باپ کس ملک کو چلا گیا ھے ؟ اس سے ملاقات نہیں ھوتی ۔

جب سے وہ گیا ہے اس کے متعلق کوئی اطلاع نہیں ملی"۔

(۳٦)

ان کی ماں نے بھی یہ باتیں سن لیں ۔
خدا کا کرنا کیا ہوا ، اس نے اپنے بیٹوں کو پہچان لیا ۔
اس نے راج کماروں کو پہچان لیا تو خیمہ پھاڑ ڈالا ۔
(اور کہنے لگی :) "میرا کئی لاکھ کا مال چوری ہو گیا ہے"۔
رانی چیخنے اور شور مچانے لگی :
"میرے خیمے میں کس نے چوری کی ہے ؟"

(۳۷)

رانی نے سرور اور نیر دونوں کو گرفتار کرا دیا ۔
دیکھیے اب راجا امبا کی تقدیر درست ہوتی ہے ۔
ان دونوں کو پکڑ کر راجا کے سامنے پیش کر دیا گیا ۔
"یہی دونوں بھائی میرے چور ہیں ۔
اے راجا ! اب انصاف کرنا ،
تاکہ ہم سب مل کر آپ کی رعایا پروری کے گیت گائیں"۔

(۳۸)

راجا نے دربار منعقد کیا اور حالات دریافت کرنے لگا :
"ہمیں مفصل بتاؤ ، رات کو کیا واقعہ ہوا ؟
اے خاتون ! تمھارا کتنی قیمت کا مال چوری ہوا ؟"
راجا اپنے دل میں سخت متفکر ہوا ۔
"میں نیک نیتی سے انصاف کروں گا ؛
مال تمھارا چوری گیا ہے مگر تکلیف سے میرا دل تڑپ رہا ہے"۔

(۳۹)

رانی نے یوں بیان دیا : "جب سرور نے کہا : 'جوان ہاتھی کا خیال رکھنا ۔
بجلی چمک رہی ہے اور موسلا دھار مینہ برس رہا ہے'۔
اس وقت نیر نے کہا : 'بھائی سرور سنو !
خدا جانے ہماری ماں کس ملک کو چلی گئی ہے'۔
میں نے اپنے بیٹوں کو پہچان لیا اور میرا دل غم سے بھر گیا ۔

اے راجا ! میں نے اس وجہ سے یہ شور مچا دیا ''۔

(۵۰)

راجا امبا اٹھ کر اس سے بغل گیر ہوا ۔
املی اور امبا مل بیٹھے ، خدا نے ان کی مدد کی ۔
راجا نے کندن کو پھانسی پر لٹکانے کا حکم دیا ۔
اور جلادوں سے کہا کہ وہ اسے ابھی لے جائیں ۔
''یہ بہت بد معاش ھے ، اسے مار ڈالنا چاھیے ۔
اس کا خاتمہ کر دو تاکہ یہ زندہ نہ بچے''۔

(۵۱)

جلاد فوراً آ گئے اور انھوں نے اسے پھانسی پر لٹکا دیا ۔
کندن کے گلے میں پھندا ڈالنے کے بعد
اسے پھانسی سے آتار کر نیچے پھینک دیا گیا
اور ایک ھی بار میں اس کی گردن مار دی گئی ۔
پھر وہ اسے دور جنگل میں ڈال آئے
اور واپس آ کر راجا کو اطلاع دی ۔

(۵۲)

رانی محل میں آ گئی اور اس کی ساری مصیبتیں دور ھو گئیں ؛
اسے سب راج پاٹ دوبارہ مل گیا اور وہ راجا کے پاس رھنے لگی ۔
رانی اپنی نیکی اور خوش قسمتی ساتھ لائی
اور اس نے اپنی نیکی کے باعث بہت نام پایا ۔
وہ پہلے نہاتی اور عبادت کرتی ، اس کے بعد کھانا کھاتی ۔
وہ ھر روز رتھ میں سوار ھو کر نہانے کے لیے گنگا جاتی ۔

(۵۳)

راجا نے رانی سے کہا : ''ھم پر سخت مصیبت آئی تھی ؛
ھیرے ، لعل اور جواھر کی قیمت کوئی نہیں جانتا[1]۔
رانی تو کس طرح سے کھانا کھاتی رھی
اور تو نے کہاں کہاں کا پانی پیا ؟

---

۱ - سوائے اس کے جو انھیں گنوا چکا ھو ۔ مرتب

مجھے اپنے سارے حالات جستہ جستہ بتا
اور اپنی مصیبت کے ایام سے آگاہ کر"۔

(۵۴)

رانی املی

"جس کو خدا عزت دے وہ کبھی بے عزت نہیں ہو سکتا ؛
خواہ لاکھ دشمن اس کے سر پر کھڑے ہوں ، وہ اس کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتے ۔
اے مہاراج ، جس پر وہ آقا خوش ہو ،
وہ اپنی نیکی کے بل پر ہر مصیبت سے بچ نکلتا ہے ۔
مجھے اپنے بیٹے بھی دوبارہ مل گئے ہیں اور خاوند بھی ؛
خدا نے خود میرا ہاتھ پکڑا ہے"۔

(۵۵)

راجا یہ سن کر بہت خوش ہوا اور اس کا دل مسرت سے بھر گیا ۔
رانی اور بیٹے سب مل گئے اور وہ پہلے سے زیادہ خوش تھے ۔
خدا نے حکومت بھی دی اور مال و دولت بھی ؛
جو کچھ ان کی قسمت میں لکھا تھا ، وہی انہیں پیش آیا ۔
اس کے بعد راجا اور رانی خوشی سے دن گزارنے لگے
اور آپس میں میٹھی میٹھی باتیں کرنے لگے ۔
"نمک[1] کے سمندر میں نمک کی گڑیا داخل ہوئی"۔
کہو[2] کشن لال اور شب کنور ! اس کا جواب کون دے سکتا ہے ؟

---

۱ - پہیلی - جس کا مطلب "سمندر میں قطرہ" ہے ۔ مرتب
۲ - کشن لال اور شب کنور گیت بنانے والوں کے نام ہیں ۔ مرتب

حکایت ۳۶

راجا دھرو کی کہانی

بڑاوت ضلع میرٹھ کے ایک مشہور بھاٹ کی زبانی

دھرو کی کہانی تمام شمالی ہندوستان میں مقبول ہے۔ یہ کہانی اپنی جدید صورت میں پرانوں کی قدیم کہانی پر مبنی ہے۔ موجودہ کہانی اس کہانی پر مبنی نظر آتی ہے جو وشنو، بھگوت، پدم، اگنی اور نارد پرانوں میں بیان کی گئی ہے، علاوہ ازیں یہ ھری وانسا میں بھی ملتی ہے۔

اس کہانی کی عام روایت کے مطابق منو سوا یمبھوا کے لڑکے آتان پد کی دو بیویاں تھیں ــــ ایک سروچی اور دوسری سنڑیتا، پہلی کے بطن سے اتم اور دوسری سے دھرو پیدا ہوا۔ سروچی کی خواھش تھی کہ اس کا بیٹا تخت کا وارث ہو۔ سنڑیتا اور دھرو بھی اس سے متفق ھو گئے۔ دھرو نے اعلان کر دیا کہ مجھے دنیوی عزت سے سروکار نہیں، میں صرف دینی عزت کا خواھاں ھوں؛ چنانچہ اس نے ایسی ریاضتیں کیں کہ وشنو اسے قطب ستارہ بنا کر آسمانوں پر لے گئے۔

مگر موجودہ کہانی اس سے بہت کچھ مختلف ہے۔ اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ اتان پد اجودھیا کا راجا تھا اور رانی سروچی راجا مان پال والئی امراؤتی کی بیٹی تھی۔

ایک مشہور کہاوت ہے ــــ ''دھرو کی ماں پوری ماں، گوپی چند کی ماں آدھی ماں''۔ اس کا ماخذ یہ ہے کہ دھرو کی ماں نے اسے مذھبی ریاضتوں سے باز رکھنے کی کوشش نہ کی؛

دوسری طرف گوپی چند کی ماں نے پہلے اسے ریاضت کی زندگی بسر کرنے کی ترغیب دی اور پھر روکا۔ جلد دوم میں اس کا بیان ہو چکا ہے۔ کہانی کے اس پہلو کے متعلق پیرا ۶۲ میں ایک اشارہ ہے مگر اسے زیادہ نمایاں نہیں کیا گیا۔

راجا دھرو کی کہانی

(۱)

اجودھیا میں ایک مشہور راجا اتان پات تھا ؛
اس کی رانی بانجھ تھی اور اسے اولاد کی کوئی امید نہ تھی۔
وہ مایوس اور غمگین رہتا۔
اس کی رانی ہمیشہ اس سے یہ کہتی :
''راجا ! ہمارا کوئی بیٹا نہیں اور محل سونا ہے ؛
باغ خشک ہے ، مالی کوئی نہیں''۔

(۲)

راجا اتان پات

''بکری کے صرف دو تھن ہیں۔
اگر میں انھیں کاٹ دوں تو اس کی خوب صورتی جاتی رہتی ہے ، اگر رہنے دوں تو اسے تکلیف ہے۔
رانی سوت بری ہوتی ہے ، ہر وقت دل کو جلاتی ہے۔
جب تمھارا دل جلے گا ، اس وقت تمھیں پتا چلے گا۔
رانی ! اگر تم اس بات سے متفق ہو اور اسے دل سے چاہتی ہو
تو میں ایک اور رانی لے آتا ہوں اور اپنی زندگی پر مسرت بنا لیتا ہوں''۔

(۳)

پہلی رانی

''راجا ! تم اور بیاہ کر لو ، میں اس پر اعتراض نہیں کروں گی۔
محل میں کوئی بیٹا تو ہو ، جو تخت پر بیٹھ سکے۔
راجا ! جس کے گھر میں دودھ اور بیٹا ہو ،
اسے کوئی دکھ نہیں ہوتا اور اطمینان کی نیند سوتا ہے۔

. بیٹے کے بغیر حکومت اور عزت سب چیزیں کھوکھلی ہیں ،
اس لیے راجا بہتر یہی ہے کہ تم اور بیاہ کر لو"۔

(۴)

راجا نے مان پال کو چٹھی لکھی :
"میرے ہاں کوئی بیٹا نہیں ، اس لیے میں نے بیاہ کا ارادہ کیا ہے ۔
میرے ہاں کوئی بیٹا نہیں ، رانی روتی رہتی ہے ۔
نہ وہ کچھ کھاتی ہے ، نہ اطمینان سے سوتی ہے ۔
میری پیاری رانی نے مجھ سے اس خواہش کا اظہار کیا ہے
کہ میں بیاہ کر لوں اور اولاد حاصل کروں"۔

(۵)

قاصد چٹھی لے کر امراوت پور میں پہنچا
اور راجا مان پال کو وہ چٹھی دکھائی (اور کہا) :
"مہاراج ! دیکھیے ، میں یہ چٹھی آپ کے پاس لایا ہوں ۔
راستہ کٹھن تھا اور میں نے راستے میں بہت تکلیف اٹھائی ؛
مجھے اس کا جواب لکھوا دیجیے ۔
راجا ! چٹھی کو خوشی سے لیجیے"۔

(۶)

راجا نے چٹھی دیکھی تو خوش ہوا ۔
"میری خواہش پوری ہوئی اور تمنا بر آئی ۔
سچ پوچھو تو اس میں کوئی ایچ پیچ کی بات نہیں ۔
اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ۔ میری بات سنو ؛
میری ایک بیٹی ہے اور میں خوشی سے اس کا رشتہ دیتا ہوں ۔
گھبراؤ نہیں ، میں نے خط کا پیغام قبول کر لیا ہے"۔

(۷)

ماگھ کی پانچویں تاریخ تھی ، موسم بہار شروع ہو چکا تھا ۔
(اس نے کہا) : "کھانا تیار کرو اور سارا سامان بھی ۔
شادی کی تمام خوشیاں منانا ،
ہر قسم کا سامان اور ضروریات کی چیزیں تیار رکھنا "۔

راجا نے نیک نیتی سے خط کا پورا جواب لکھایا :
''مجھے اس سے کوئی اختلاف نہیں ہے[۱]''۔

(۸)

قاصد وھاں سے چلا اور اجودھیا پور پہنچ گیا
اور وھاں آ کر راجا کو برات کے استقبال کی تیاریوں کی اطلاع دی ۔
اس نے کہا : ''راجا ! اس نے میرا خط خوشی سے لے لیا تھا
اور وہ مجھ سے بڑی مہربانی سے پیش آیا ۔
اس نے موسم بہار کی تاریخ دی اور مجھے کہا :
''جاؤ اور بڑی برات لے کر میرے دروازے پر آنا ''۔

(۹)

یہ سن کر راجا نے تیاری شروع کر دی اور لوگ خوشی کے گیت گانے لگے ۔
اس نے رنگ برنگ ھاتھیوں ، گھوڑوں اور پالکیوں سے برات سجائی ؛
اس نے سارے باغ کو منور کر دیا ۔
باجے بجنے لگے اور عورتیں گیت گانے لگیں ۔
اپنے ھاتھیوں ، بازوں اور فوج کے ساتھ
راجا شاندار برات لے کر روانہ ھوا ۔

(۱۰)

اس نے شادی کے کنگن اور کڑے باندھے اور باجے بجنے لگے ۔
خوب صورت راجا شاندار برات کے ساتھ روانہ ھوا ۔
وہ امراوت پور جا کر آترے ؛
وھاں ان کا خوب خوب استقبال ھوا ۔
انھوں نے خیمے لگا دیے اور ان میں ٹھہر گئے ۔
خادم طرح طرح کے کھانے لیے حاضر ھو گئے ۔

---

۱ ۔ شاید یہ الفاظ راجا نے خط لکھانے کے بعد ، جب وہ اسے پڑھ کر سنایا گیا ہو ، اس وقت کہے ہوں ۔ مترجم

(۱۱)

نیک ساعت کے انتظار میں وہ شادی کی تیاری کرنے لگے۔
(جب مقررہ ساعت ہوئی تو) راجا کو فوراً بلا لیا گیا اور برھمن نے اشلوک پڑھنے شروع کر دیے۔
مقدس آگ روشن کی گئی اور ان دونوں کے شجرے پڑھے گئے۔
پھیروں کے موقعے پر دلھن کی سب سہیلیاں موجود تھیں۔
راجا نے اپنی بیٹی خوشی سے دے دی
اور شادی نہایت حسن و خوبی سے انجام پائی۔

(۱۲)

ھاتھی، گھوڑے، رتھ، جواھرات اور بہت سا مال و دولت جہیز میں دیا گیا۔
نوکر اور باندیاں دی گئیں، پھر راجا نے سب کو جھک کر سلام کیا،
برات رخصت کی اور سب کو الوداع کہا۔
اس نے بہت عاجزی کی۔
راجا رانی کا ڈولا لے کو اجودھیا پہنچ گیا؛
وھاں اس کا سارا خاندان دیکھنے کے لیے باھر نکل آیا۔

(۱۳)

رانی کا ڈولا محل میں آتارا گیا؛
شہر کی بہت سی دوشیزائیں اسے دیکھنے کے لیے آئیں۔
عورتوں نے گیت گائے اور ڈھولکیں بجائیں۔
انھوں نے دلھن کو بٹھایا اور کھانا کھلایا؛
خاندان کے سب لوگوں نے اپنی اپنی جگہ خوشی کا اظہار کیا۔
انھوں نے رانی کی ھر ممکن خاطر تواضع کی۔

(۱۴)

راجا جب محل میں رانی کے پاس آیا، (تو اس نے کہا:)
''جو کچھ تم چاھو گی میں کروں گا، میری بات سن لو۔
میں تمھیں سونے کا پلنگ اور سونے کی صراحی دوں گا۔
اے میری پیاری رانی! محل میں خوش و خرم رھو،

جو بھی خواہش ہو ، منہ سے کہ دینا ؛
کسی قسم کی فکر نہ کرنا ، خوشی سے زندگی بسر کرنا"۔

(۱۵)

دوسری رانی

"جب ڈولا اُتارا گیا تھا ، اس وقت سر پر ایک کوا بولا تھا[1] ۔
محل میں میری سوت آ گئی ہے ، اسے اپنے سے الگ کر دو ؛
اسے اپنے سے الگ کر دو ، یہی میری خواہش ہے ۔
مہاراج ! اسی میں تمھاری بھلائی ہے ۔
اس رانی کو الگ محل دے دو ،
میری اتنی عرض مان لو"۔

(۱۶)

راجا اتان پات

"تو نے اچھا کیا ، اپنے دل کی بات بتا دی ،
جو تو چاہتی ہے ، میں وہی کر دوں گا ۔
میں اسے الگ کر دوں گا اور تیری نازبرداری کروں گا ؛
میں اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا "۔
رانی کی بات سن کر راجا بہت متفکر ہوا ۔
"اے خدا ! تو نے مجھے کس مصیبت میں ڈال دیا ؟"

(۱۷)

راجا علی الصبح اُٹھ بیٹھا ، وہ اپنے دل میں متفکر تھا ۔
"میں کیا کروں ؛ میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا "۔
راجا اپنی پہلی رانی کے پاس گیا اور
اسے اپنے دل کی بات بتاتے ہوئے کہا :
"میں تجھے الگ کرنا چاہتا ہوں ، میرا یہ ارادہ ہے ؛
قسمت کا لکھا مٹایا نہیں جا سکتا "۔

(۱۸)

پہلی رانی

"مہاراج جی ! اس رانی کی قسمت خوب چمکی ہے ۔

---

۱ - برا شگون ۔

اے راجا ! مجھے کسی قصور کے بغیر کیوں نکالتے ہو ؟
راجا ! میری غلطی معاف کر دو ۔
تمھیں کس نے ایسا کرنے پر آکسایا ھے؟
میں تو خوش تھی کہ تم دوسری رانی بیاہ لائے۔
اگر تم اس کے پاس رھو گے تو میں صبر سے کام لوں گی''۔

(۱۹)

راجا اتان پات

''رانی اپنے سر پر سے سرخ اوڑھنی اتار دو ،
بیوہ کے کپڑے پھن لو ، میرا پھول کانٹا بن چکا ھے ۔
میں تمھیں ایک علیحدہ محل دے دیتا ھوں ۔
آئندہ میٹھا پانی پینا چھوڑ دو اور کھارا پانی پیو ۔
تمھیں ھر روز مقررہ کھانا مل جایا کرے گا ؛
باقی سب کھانے چھوڑ دو ، صرف جو کھاؤ''۔

(۲۰)

اس نے راجا کی موجودگی میں سرخ اوڑھنی آتار دی ۔
''اب یہاں میرا کوئی نہیں ؛ اے مالک ! تو نے یہ کیا کر دیا ؟
میرا کوئی عزیز و اقارب نہیں ؛
اے بد نیت سوت ! تیرا بھلا ھو ۔
تیرا کوئی قصور نہیں ، میری قسمت ھی بری تھی ۔
مالک کا لکھا ٹالا نہیں جا سکتا ''۔

(۲۱)

اس نے رانی کو ایک ٹوٹے پھوٹے مکان میں بھجوا دیا ۔
اسے ایک پھٹا پرانا بستر دے دیا اور کھانے کے لیے جو دیے ۔
رانی کو علیحدہ کر دینے کے بعد راجا اپنے محل میں آ گیا ؛
(دوسری) رانی سے کہنے لگا : ''اب تم خوش رھو''۔
راجا نے اسے اور باتیں بھی بتائیں
اور جتنے راز تھے سب اس پر عیاں کر دیے ۔

(۲۲)

دس ماہ کے بعد راجا شکار کے لیے گیا ۔

اس نے جنگل میں گھوڑا ڈال دیا اور وہ ایک ہرن مار لایا ۔
ہرن کو لے کر واپس آ گیا
اور اس مکان پر آیا جہاں اس کی پہلی رانی رہتی تھی ۔
اس نے وہیں کھانا کھایا اور رات بسر کی ۔
خدا کا کرنا رانی کو حمل ٹھہر گیا ۔

(۲۳)

راجا علی الصبح بیدار ہوا اور دوسری رانی کے پاس آ گیا ۔
اسے سینے سے لگایا ، پیار کیا اور اس کے پاس رات گزاری ۔
اس کو بھی حمل ٹھہر گیا ــــ اس کی قدرت ہے ؛
رانی نے راجا سے طنز کی ایک بات کہی :
''راجا ! کل رات کہاں تھے ؟
میں شرم کے مارے اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہہ سکتی''

(۲۴)

راجا اتان پات

''رانی ! میں جنگل میں شکار کھیلنے کے لیے گیا تھا ،
میرے دل میں اس کے علاوہ کوئی خیال نہ تھا ؛
شکار کھیلتے کھیلتے رات ہو گئی ؛
چنانچہ مجھے جنگل کے اندر ایک جھونپڑی میں رات بسر کرنی پڑی ۔
جوں ہی صبح ہوئی میں تمھارے پاس آ گیا ،
تم یوں ہی مجھ پر شبہ کرتی ہو''۔

(۲۵)

نو ماہ کے بعد پہلی رانی کے ہاں لڑکا پیدا ہوا ،
اس کی سوت نے سنا تو وہ دل میں جل گئی ۔
وہ حسد کے مارے بے تاب ہو گئی ۔
دوسری رانی نے حسد سے یوں خیال کیا :
''مجھے بتاؤ ، باپ کے بغیر بیٹا کیسے پیدا ہو سکتا ہے ؟
میرا خاوند سنے گا تو شرمسار ہوگا''۔

(۲۶)

پہلی رانی کے ہاں خوشیاں منائی گئیں ، اس کے ہاں اصلی بیٹا پیدا ہوا ۔

جس گھر میں ایسا بیٹا ہوگا ، وہ گھرانا ہمیشہ خوش حال رہے گا ۔
رانی کے محل کے باہر نوبتیں بجنے لگیں ۔
سارے شہر نے سن لیا اور سب ملکوں میں خبر پھیل گئی ۔
راجا نے اسے الگ محل دے دیا ۔
کیسا پیارا تھا وہ شاہزادہ !

(۲۷)

دوسری رانی

''میری سوت کے محل میں کوئی دیو رہتا ہے یا کوئی بلا رہتی ہے ۔
اے راجا ! میں تمھارے دل کا راز معلوم نہیں کر سکی ۔
میں اسے معلوم نہیں کر سکی ، میرے لیے یہ سربستہ راز ہے ۔
پہلی رانی تمھارے لیے کیسے شرم کا باعث بنی ۔
تلوار لو اور اس کی گردن اڑا دو
اور پھر اس کا بدن پانی میں بہا دو''۔

(۲۸)

راجا اتان پات

''رانی ! صبر سے کام لو ، فکر نہ کرو ۔
میں اسے رکھنے کا نہیں ، اسے کسی اور ملک میں بھیج دوں گا ۔
جو کچھ تم نے کہا ہے ، میں نے اسے غور سے سن لیا ہے ؛
جو کچھ تم نے کہا ہے ، بالکل درست ہے ۔
میں اس کی تدبیر کروں گا ، تم کھانا کھاؤ ؛
فکر نہ کرو اور آرام سے رہو''۔

(۲۹)

دوسری رانی کے ہاں بھی لڑکا پیدا ہوا اور وہاں باجے بجنے لگے ۔
خیرات دی گئی ، خوشیاں منائی گئیں اور شہرت ہوئی ۔
راجا اپنے دل میں بہت خوش ہوا
اور اس نے موتیوں کے بھرے ہوئے کئی تھال لٹا دیے ۔
''میرے پاس کھانے پینے کے لیے بہت تھا ، صرف میوے[۱] کی خواہش تھی ۔

---

۱ - اولاد ۔

خدا نے میری ناؤ پار لگا دی''۔

(۳۰)

دھرو[1] پانچ برس کا ہوا تو اس نے یوں کہا :

''اے ماں ! مجھے میرے باپ کے متعلق کچھ بتا ۔

اے ماں ! مجھے اس کے متعلق ساری بات بتا دے۔

تو یہاں آ کر کیسے رہنے لگی ؟

اے ماں ! ہمیں یہ کھانا کہاں سے آتا ہے ؟

میں تو اس مصیبت کو برداشت نہیں کر سکتا''۔

(۳۱)

پہلی رانی

''بیٹا تیرے باپ نے بہت ناجائز کام کیا ہے ۔

محبت کو بالائے طاق رکھ کر بغیر کسی قصور کے مجھے اپنے گھر سے نکال دیا ۔

تیرے باپ نے مجھ سے محبت قطع کر لی ؛

اب تو وہاں نہ جانا ، میری بات مان لے ۔

راجا نے میری سوت کی بات پر عمل کیا

اور اس طرح وہ مجھ سے ناراض ہو گیا ۔

(۳۲)

دھرو یہ بات سنتے ہی اپنے باپ کے پاس گیا اور اسے جھک کر سلام کیا ۔

وہ فوراً کسی ھچکچاھٹ کے بغیر اپنے باپ کے تخت کے پاس چلا گیا ۔

راجا کے دل میں محبت موجزن ہوئی ، اس نے اسے چھاتی سے لگا لیا

اور اسے بھی اپنے دوسرے بیٹے کے ساتھ اپنے پاس بٹھا لیا ۔

راجا دونوں سے اسی طرح پیار کرتا تھا

جیسے چکوا اُڑ اُڑ کر چاند سے پیار کرتا ہے ۔

(۳۳)

دھرو

''ایک شہر میں دو راجے ہیں اور دونوں حکومت کرنا چاہتے ہیں ۔

---

۱ ۔ دھرو پہلی رانی کا بیٹا تھا ۔ مرتب

اے باپ ! مجھے بتاؤ ، وہ دونوں کیسے حکومت کر سکتے ہیں ؛
مالی باغ لگاتا ہے اور وہ اپنے دل میں ہر ایک درخت کو جانتا ہے ؛
وہ ہر درخت کی ٹہنیوں اور پھلوں کو الگ الگ پہچانتا ہے ۔
انھیں پر تکلف کھانے دیتے ہیں اور ہمیں جو کے دانے ؛
ان کے پاس جڑاؤ پلنگ ہیں اور ہمارے لیے پرانا پھوس''۔

(۳۴)

راجا نے بیٹے کی بات سنی تو اس کے دل میں اتر گئی
اور وہ اس سے بہت پیار کرنے لگا ۔
تب وہ دوسری رانی آ گئی اور کوئی بات نہ بن سکی ۔
وہ بہت متفکر ہوا اور اس کا بدن کانپنے لگا ۔
راجا پر ایک دم گھبراہٹ طاری ہوئی ۔
''آج کس طرح ہماری عزت بچ سکتی ہے؟''

(۳۵)

دوسری رانی نے لڑکے کو دیکھا تو مارے حسد کے اس کا دل جلنے لگا ۔
اس نے اسے تخت سے نیچے گرا دیا اور اوپر سے ایک تھپڑ رسید کیا ؛
اوپر سے ایک تھپڑ رسید کیا اور کہا : ''پھر یہاں نہ آنا ؛
اے بد قسمت ! جاؤ اور اپنا جو کا کھانا کھاؤ''۔
اس کے بعد وہ غصے میں راجا سے مخاطب ہوئی :
''اسے منہ نہ لگانا ، میں تم سے کہے دیتی ہوں''۔

(۳٦)

راجا اتان پات

''رانی میں تجھے بتا دوں ، میں جس روز شکار کے لیے گیا تھا ،
اس رات میں اپنی پہلی رانی کے محل میں رات گزارنے کے لیے چلا گیا ۔
میں وہاں چلا گیا اور وہیں کھانا کھایا ۔
پھر صبح ہوتے ہی وہاں سے تمھارے پاس چلا آیا ۔
اس طرح یہ بیٹا پیدا ہوا ، میں نے تمھیں ساری بات بتا دی ہے ۔
بیٹا میرے پاس آیا تو میرے دل میں محبت نے جوش مارا ''۔

(۳۷)

دوسری رانی

جس دن سے میری سوت کے ہاں بیٹا پیدا ہوا ہے ،
میرے اور تمہارے درمیان اس کی وجہ سے وہ محبت نہیں رہی ۔
اس دن تو تم مکر گئے تھے
اور تم نے مجھے اپنے دل کے بھید سے آگاہ نہیں کیا تھا ۔
اے میرے خاوند ! تم نے میری بات نہ مانی ،
اب یہاں میرا رہنا مشکل ہے''۔

(۳۸)

میں[1] تخت پر بیٹھا تھا اور میرا باپ مجھ سے پیار کر رہا تھا ،
ماں غصے سے آئی اور اس نے مجھے تخت سے نیچے اتار دیا ۔
اس نے مجھے نیچے اتار دیا اور سخت سست کہا ؛
یہ بے انصافی دیکھ کر میرا بدن کانپنے لگا ۔
اے ماں ! اب میرا یہاں رہنا درست نہیں ؛
اے ماتا ! اس میں تیرا کوئی قصور نہیں''۔

(۳۹)

پہلی رانی

''بیٹا ! منہ سے رام کا نام لو ، اسی کو دنیا میں اختیار حاصل ہے ۔
جو کچھ وہ لکھ دے گا ، دنیا میں وہی ہوگا ۔
راجا کو دوسری رانی کی باتیں کوئل کے راگ سے زیادہ میٹھی معلوم ہوتی ہیں ،
اور ہماری باتیں اسے کوے کی آواز کی طرح ناگوار گزرتی ہیں ۔
جس گھر میں پاپ ہوگا ، وہاں اسی قسم کے پھول اور پھل آئیں گے ؛
دھوپ وہاں سے رخصت ہو جائے گی اور اندھیرا چھا جائے گا''۔

(۴۰)

دھرو

''میرا باپ تو دھوکے میں بے انصافی کر رہا ہے ۔

---

۱ - اپنی ماں سے - مرتب

پارے ، پانی اور عورت سے کبھی محبت نہیں کرنی چاہیے[1]''۔
وہ[2] نیکی کے تخت پر بیٹھ گیا اور دنیا کی سیر کرنے لگا ۔
کوئی اسے کچھ کہتا مگر وہ منہ سے نہ بولتا ؛
وہ نیک نیتی سے جوگی بن کر بیٹھ گیا ۔
اسے کوئی اور دیکھ نہ سکتا ، اس نے ایسی تنہائی اختیار کی ۔

(۳۱)

وہ سونے سے کندن ہو گیا اور اس کی حالت بالکل بدل گئی ؛
اس کے دل سے مار ، دھاڑ اور تلوار تینوں کی خواہشیں مٹ گئیں ۔
لڑکے اس کے پاس آئے تاکہ اس کے دل کا راز معلوم کریں
اور اس سے کہنے لگے : ''تو دن رات ہمارے ساتھ کھیلتا تھا ،
اب تو گونگا بن کر بیٹھ گیا ہے ، منہ سے کچھ نہیں کہتا ۔
تو نے پہلا سا اٹھنا بیٹھنا چھوڑ دیا ہے اور ایک دم نیک ہو گیا ہے''۔

(۳۲)

اس[2] نے نیکی کا راستہ اختیار کیا اور شہر میں دھوم مچ گئی ۔
لوگ اس کی طرف جانے لگے جیسے چکور چاند کی طرف جاتا ہے ۔
اس کے حالات سن کر شہر کے سارے لوگ وہاں پہنچے ۔
''راجا کا بیٹا سب سے الگ ہوا ''۔
سب لوگ راجا سے یہ کہنے گئے ؛
سب لوگ اکٹھے اس کے پاس پہنچے ۔

(۳۳)

ان کی بات سن کر راجا نے یوں کہا :
''اس لڑکے سے کہ دو ، جو کچھ وہ مانگے گا ، میں اسے دوں گا ۔
وہ جتنی دولت چاہے مجھ سے لے لے ،
میں اسے ناخلف بیٹوں کی طرح نہیں رکھوں گا بلکہ اسے اپنا پیارا بیٹا سمجھوں گا ۔
ابھی جا کر اسے سمجھا دو

---

۱ - ضرب المثل ہے ۔ مرتب
۲ جوگی ہو گیا ۔ مرتب

که وه فوراً اپنے گھر چلا جائے''۔

(۴۴)

راجا نے اجازت دی اور دیوان وهاں سے روانه هوا ؛
اس نے لڑکے کو راجا کا کہنا واضح کر دیا :
''تیرے باپ نے تجھے بلایا ہے ؛
جو کچھ تجھے کھانے پینے کے لیے چاهیے ، وه سب لے لے اور دولت بھی لے ۔
تو ابھی میرے ساتھ چل
اور جو بھی تیری خواهش هو راجا سے حاصل کر''۔

(۴۵)

دھرو

''جیسے لوهار کی سنسی کبھی پانی میں هوتی ہے ، کبھی آگ میں ؛
اسی طرح بد قسمت جینے اور مرنے کے چکر میں پھنسے رهتے هیں ۔
مجھے کسی مال و دولت کی خواهش نہیں ؛
میں تو اب یک رنگ هو چکا هوں ، اسے جا کر که دو ۔
میں تمهاری بات نہیں مان سکتا ،
میں نے اب دنیا چھوڑ دی ہے اور جنگل میں رهنا اختیار کر لیا ہے''۔

(۴۶)

دیوان اس کی عارفانه باتیں سننے کے بعد وهاں سے واپس آ گیا
اور راجا سے کہا : ''اسے اب اپنا نه سمجھیے ۔
میرے راجا ! اب اسے اپنا بیٹا نه سمجھیے ۔
اس نے تو دنیا ترک کر دی ہے اور جنگل میں ڈیرا لگا لیا ہے ۔
اب اس کے دل میں کوئی وسوسه نہیں رها ؛
وه آپ کی سونے کی لنکا چھوڑ چکا ہے''۔

(۴۷)

یه سن کر راجا روانه هوا اور اس کے ساتھ شہر کے سب لوگ تھے ۔
اس نے بیٹے کو گود میں آٹھا لیا اور اس سے احوال پوچھنے لگا ۔
''جو تو چاهتا ہے ، مجھ سے مانگ لے ؛

بیٹا میری اتنی بات مان لے ۔
حکومت ، سلطنت ، دولت ، ملک جو بھی تو چاہے ،
تخت اور میرا سب کچھ ـــــ مجھ سے لے لے"۔

(۴۸)

دھرو

"رعیت کے ہر شخص کو اس کا حق ادا کیجیے ،
جس جگہ کسی نے رہائش اختیار کر لی ہے ، وہ اسی کے پاس رہنے دیجیے ،
اپنی ساری رعیت کو اپنا سمجھیے
اور ہر ایک کو اس کی اہلیت کے مطابق دیجیے ۔
جس گھر میں دھرم بڑھتا ہے وہاں رحمت آتی ہے ؛
وہاں روشنی پھیل جاتی ہے اور اندھیرا دور ہو جاتا ہے"۔

(۴۹)

راجا اتان پات

"بیٹا خوش قسمت ہو جائے تو باپ کو اور کیا چاہیے ۔
وہ اپنا راج پاٹ ، دھن مال سب اسی کو دے دیتا ہے ۔
اسے چاہیے کہ جو اندھا ہو جائے اسے وہ روشنی کے ذریعے صحیح راستہ سجھا دے ۔
یہ ایسی نیکی ہے جس کی کوئی حد نہیں ۔
اب اپنے گھر میں آ جا ، میری بات مان لے ؛
کوئی اور خواہش ہو تو وہ بھی مجھ سے بیان کر"۔

(۵۰)

دھرو

"جوں جوں لوہے کو آگ میں تپا کر کوٹا جاتا ہے ،
اگرچہ وہ من کا سیر رہ جاتا ہے ، مگر قیمت بہت زیادہ پاتا ہے ۔
جب لوہا تپ رہا ہوتا ہے ، اس وقت اسے کوئی ہاتھ نہیں لگاتا
مگر جب وہ تپش کھو دیتا ہے ، بے قیمت ہو جاتا ہے ؛
اس پانی کی طرح جو ہوتا ایک ہے مگر اسے مختلف گھڑوں میں ڈالا جاتا ہے ۔

جیسے جیسے کسی گھڑے کی صورت ہوتی ہے ، ویسی ہی شکل وہ پانی اختیار کر لیتا ہے''۔

(۵۱)

بیٹے نے راجا کی بات نہ مانی ۔

راجا وہاں سے رخصت ہوا اور شہر کے لوگ بھی اس کے ساتھ واپس آ گئے ۔

وہ سب لوگوں کو ساتھ لے کر شہر میں آ گیا ۔

راجا اس کا بھید نہ پا سکا ۔

اس نے تخت پر بیٹھ کر یہ حکم صادر کیا :

''سب لوگ اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے جائیں''۔

(۵۲)

دھرو نے وہ جگہ چھوڑ دی اور گھنے جنگل کے اندر چلا گیا ۔

وہاں شیر ، گیدڑ اور ہرن پھرتے تھے ، اس نے بھی وہیں آسن لگا دیا ۔

وہاں آسن جما کر اس نے خدا سے لو لگائی ۔

وہاں جنگل میں کوئی دوست اس کے پاس نہیں جاتا تھا ۔

اس نے دوست احباب اور مال و دولت سب کو اپنے سے دور کر دیا ۔

وہ خدا کی طرف ایسے متوجہ ہوا کہ اسے اس کے بغیر اور کچھ نظر ہی نہیں آتا تھا ۔

(۵۳)

جنگل میں اسے نارد منی ملا اور اس نے اس کی راہ نمائی کی ۔

''وہ داتا تجھے ضرور ملے گا ، گھبراہٹ کو پاس نہ آنے دینا ۔

بے شک جنگل میں گیدڑ اور شیر گھومتے پھرتے ہیں ۔

بسا اوقات وہ تیری پیٹھ پر پاؤں رکھ کر دھاڑیں گے ۔

وہ سب تجھے ایک بار اس طرح مصیبت میں ڈالیں گے

کہ تیرا گوشت نوچ نوچ کر کھا جائیں گے''۔

(۵۴)

نارد منی

''آلتی پالتی مار کر بیٹھ جا اور کمر کو باندھ لے ۔

ٹھیک سیدھا بیٹھ اور اپنی توجہ آسانوں کی طرف رکھ"۔
اس کے پاس بستر نہ تھا ، اس کا بدن عریاں تھا ؛
وہاں اس کے پاس کوئی ساتھی اور دوست نہ تھا ۔
شیر کود کود کر اس کی طرف آتے
مگر وہ اس کی توجہ میں رخنہ انداز نہ ہو سکے ، وہ اس طرح متوجہ ہو کر بیٹھا تھا ۔

(۵۵)

جب وہ ثابت قدم ہو گیا تو بھگوان خود آ کر اس سے ملے ۔
انھوں نے اسے اسی ہزار سپاہی اور کئی جھنڈے دیے ۔
اسے جنگل میں ساری حکومت دے دی ۔
اس کے ہر طرف علیحدہ علیحدہ سردار کھڑے ہو گئے ۔
میدان میں جنگی باجے بجنے لگے
اور اس کے سر پر پوری طرح پگڑی باندھ دی گئی ۔

(۵٦)

بھگوان نے دھرو کو اپنے ہاتھ سے ہاتھی پر بٹھا دیا ۔
وہ اپنے شہر میں آ گیا ؛ ساری فوج اس کے ہمراہ تھی ۔
فوج نے شہر میں پہنچ کر ڈیرے ڈال دیے ۔
لوگوں نے سنا تو اسے عجیب بات سمجھ کر وہاں سے بھاگنے لگے ۔
سب نے راجا کو جا کر اطلاع دی :
"مہاراج ہماری بات غور سے سنیے"۔

(۵۷)

شہر کے لوگ

"آپ کی سلطنت میں دشمن سر پر آ پہنچا ہے ۔
سب لوگ خوف سے کانپ رہے ہیں ، ان کے بدن تھرا رہے ہیں ۔
دشمن کی فوج کالی گھٹا کی طرح امنڈ کے آ گئی ہے ۔
ہم کس طرف کو بھاگ کر جائیں ، ہمیں بھاگنے کے لیے راستہ نہیں ملتا ۔
اے راجا ! لوگوں کی عرض سنیے ۔
اس جنگل کے اندر جنگی باجے بج رہے ہیں"۔

(۵۸)

راجا اتان پات

''میری حالت ایسی ہے کہ مجھ میں تو لڑنے کی ہمت نہیں ''۔
راجا نے اپنے گلے میں کلہاڑا لٹکا لیا ۔
راجا نے سونے کی بوریاں بھر لیں ۔
اس نے ہاتھیوں اور بازوں کے جوڑے ساتھ لیے
اور یہ تحائف لے کر آگے گیا ۔
مگر دشمن کی طاقت دیکھ کر گھبرا گیا

(۵۹)

اس نے باپ کی صورت دیکھی تو وہ تخت سے نیچے آتر آیا ۔
وہ باپ کے سامنے اوندھے منہ گر گیا اور کہنے لگا : ''آپ بہت خوش قسمت ہیں ۔
مہاراج ! میں تو آپ کا بیٹا ہوں ؛
مجھ سے خوف نہ کھائیے ۔
میں تو آپ کی خدمت میں حاضری دینے کے لیے آیا ہوں ۔
اپنی سوتیلی ماں کے باعث مجھے یہ عہدہ حاصل ہوا ہے''۔

(٦۰)

باپ اور بیٹا ملے اور وہاں سے اکٹھے روانہ ہوئے
اور اپنے محل کو آئے ۔ سب سردار اور درباری ان کے پیچھے پیچھے آ رہے تھے ۔
راجا نے اپنا سب راج پاٹ بیٹے کو دے دیا
اور خود ان سب چیزوں سے الگ ہو گیا ۔
دھرو راجا بن کر تخت پر بیٹھ گیا
اور ساری رعایا اس سے ڈرنے لگی ۔

(٦۱)

دھرو اپنی سوتیلی ماں کے پاؤں میں گرا اور اس سے باتیں کرنے لگا ۔
اس پر جو حالات گزرے تھے ، وہ سب اس نے بیان کر دیے ۔

اس نے ماں سے اپنا سب حال کہہ دیا ۔
''آپ کی وجہ سے میں خدا کا محبوب ہو گیا ہوں ۔
اے میری ماں ! افسوس نہ کیجیے ۔
یہ سب مال ملک آپ ہی کے لیے ہے''۔

(٦٢)

پھر وہ تخت پر بیٹھ گیا اور اس نے اپنی ماں کو وہاں بلا لیا ۔
''میں تو بالکل نادان تھا ، آپ نے مجھے سنبھالا ۔
آپ کے نیک اثر کے باعث میں جنگل کی طرف گیا
اور وہاں سے یہ سارا سامان لے کر واپس آیا ۔
اے ماں ! آپ کا شہر با برکت ہو گیا ہے ۔
خدا نے مجھے ایک لمحے میں یہاں کی حکومت عطا کر دی ، ذرا دیر نہیں کی''۔

(٦٣)

دھرو

''حکومت سکھی رہے ، رعایا سکھی رہے ، ان کے بچے سکھی رہیں ۔
میں نے سچائی اختیار کی تو مجھے بھگوان مل گئے ۔
ماتا ! میں نے ایسی زندگی اختیار کی
کہ بھگوان خود مجھے نجات دینے کے لیے آ گئے ۔
سچائی کے باعث میری خواہش پوری ہوئی ۔
اب میں چھتیس ہزار برس تک زندہ رہوں گا''۔
کشن لال اور شب کنور علم کے پھول پیدا ہوئے ہیں ؛
وہ میدان کو اس طرح فتح کرتے ہیں ، جیسے توپ کا گولا ۔

حکایت ۴۷

جالندھر کے پیر

یہ معلومات شہر جالندھر کے مختلف فقیروں سے جمع کی گئیں

جالندھر کے قدیم شہر کی اراضی کے موجودہ مالک زیادہ تر افغان ، سید ، شیخ اور مغل ہیں اور انھوں نے عام طور سے یہ اراضی گزشتہ تین صدیوں کے دوران میں خرید کی ہے ۔ شہر کے ارد گرد مضافاتی بستیاں ہیں جو زیادہ تر شیخوں اور سیدوں کی ملکیت ہیں ۔ ان بستیوں کے نام ہی ان کے بانیوں یا وہاں بسنے والی قوموں کے نام پر ہیں ۔ چونکہ ان بستیوں کے یہ بانی علماء کی جماعت سے تھے ، اس لیے قدرةً وہ بزرگ سمجھے جاتے ہیں ۔ ان کے متعلق بہت سی کہانیاں مشہور ہیں اور کئی کرامتیں ان سے منسوب ہیں ۔ یہاں ان کرامتوں کے چند موزوں نمونے پیش کیے گئے ہیں ۔ یہ سب کہانیاں ان ہی خطوط پر چلتی ہیں جو ہندوستانی بزرگوں کی کہانیوں میں بالعموم نظر آتے ہیں ۔

جالندھر کے برک پٹھانوں کے آباو اجداد ۱۵۹۳ء میں وادی لوغار واقع افغانستان سے شیخ احمد غوث کی معیت میں آئے ۔ (شیخ احمد غوث کا ذکر نیچے دیے گیے شجرۂ نسب میں موجود ہے) ۔ اور کرار خاں کے محلہ اور اخوند روڈ پر آباد ہو گئے ۔ اور غزان ، الیاک اور بابا خیل برک پٹھانوں ہی سے ہیں ۔

ان صفحات میں جالندھر کے سب سے بڑے بزرگ امام ناصرالدین شیرانی اور جوگی جالندھر کے واقعات بھی بیان کیے گئے

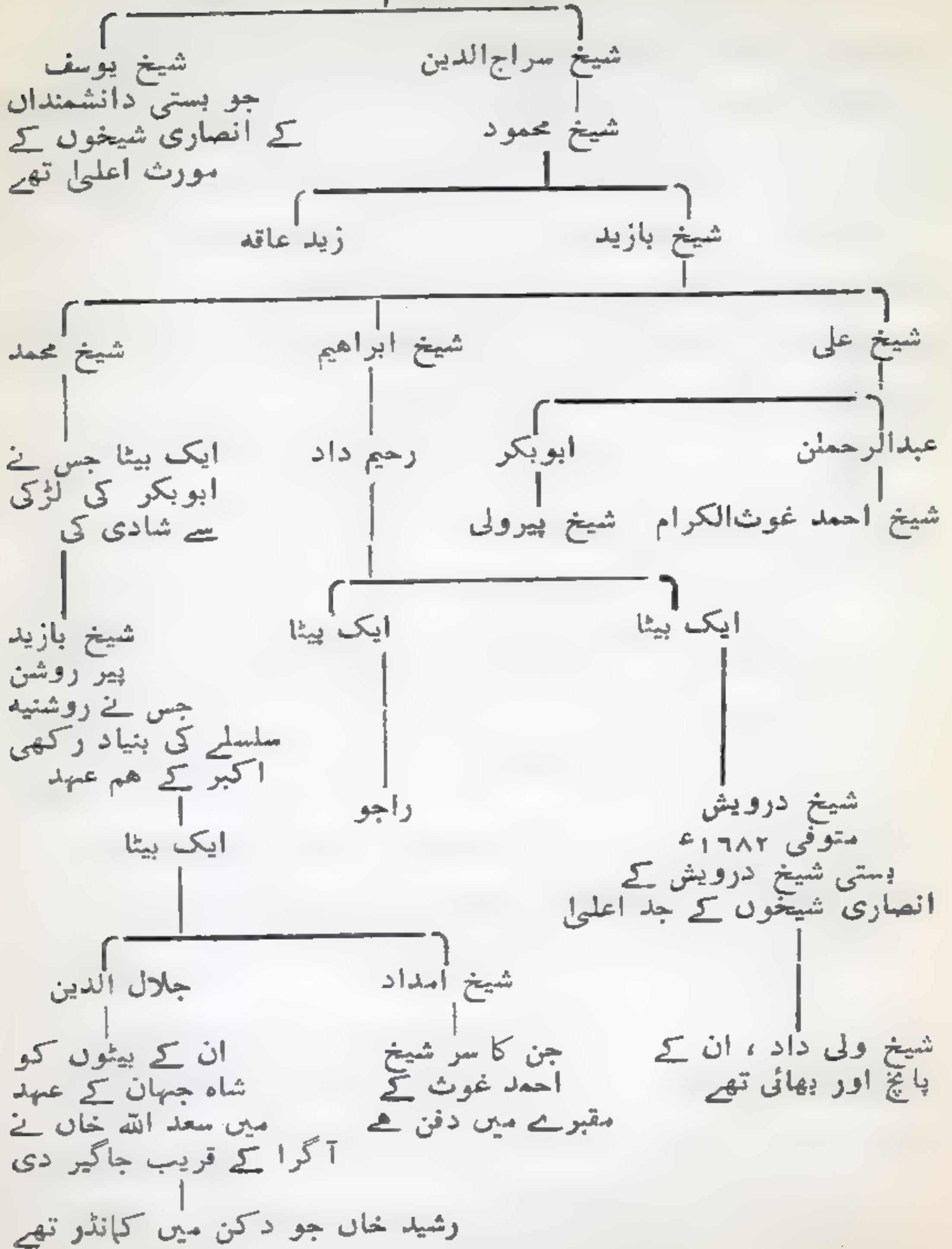
ہیں - ضلع جالندھر کی قدیم تاریخ ہمیں پرانوں کے زمانے اور کٹوچ راجپوتوں کی طرف واپس لے جاتی ہے - کسی زمانے میں یہ راجپوت جالندھر دوآب پر قابض تھے مگر اب بہت عرصے سے ضلع کانگڑا اور اس کے ارد گرد کی پہاڑیوں پر آباد ہیں - جالندھر کی ابتدائی کہانی پدم پران میں بیان کی گئی ہے اور وہاں سے پھر کمی بیشی کے ساتھ بہت سی نسبتاً جدید کتابوں میں نقل کی گئی ہے - اس کہانی کے مطابق شو نے اسور پر فتح پا کر اسے آسمانوں سے نیچے گرا دیا اور اس کے طویل و عریض بدن کے مختلف ٹکڑے جالندھر ، ہوشیار پور اور اضلاع کانگڑا کے مختلف مقامات پر گرے ، مگر اس بارے میں ایک اور مختلف کہانی بھی ہے جو جوگی جالندھر ناتھ کا تعلق گورو گورکھ ناتھ سے قائم کرتی ہے (دیکھو جلد دوم) اور بیان کرتی ہے کہ جوگی جالندھر نے چودھویں یا پندرھویں صدی عیسوی میں موجودہ شہر کی بنیاد نئے سرے سے رکھی - اس صورت میں اگر یہ بیان درست ہو کہ امام ناصرالدین شیرانی حضرت نظام‌الدینؒ اولیا کے ہم‌عمر تھے (۱۲۳۶ء تا ۱۳۲۵ء - دیکھو دسویں حکایت) تو پھر امام مذکور اور جوگی جالندھر بھی ہم عمر ہو سکتے ہیں - ایک اور مقامی کہانی کے مطابق جوگی جالندھر کی سمادھ کو گرا کر امام ناصرالدین کی یاد میں تعمیر کردہ مسجد کے لیے راستہ بنایا گیا تھا -

جالندھر کے مضافات میں بستی دانشمنداں اور بستی شیخ درویش (جسے مختصراً بستی‌شیخ بھی کہتے ہیں) کی بنیاد انصاری‌شیخوں نے رکھی تھی - یہ شیخ برک یا برکی پٹھانوں سے قریبی تعلق رکھتے ہیں اور ان کے آپس میں رشتے ناطے بھی ہیں - بستی دانشمنداں کی بنیاد ۱۶۰۹ء اور بستی شیخ درویش کی بنیاد ۱۶۱۷ء میں رکھی گئی تھی اور دونوں کے لیے زمین خریدی گئی تھی - انصاری شیخ مدینے کے خالد انصار (متوفی ۵۵ھ یا ۶۷۵ء) کی اولاد ہونے کے دعویدار

ھیں - بستی دانشمنداں کے بانی مولانا ابراھیم دانشمند خالد انصار کی نسل سے پندرھویں تھے - وہ ترک سکونت کر کے ملتان میں آباد ھو گئے تھے اور انھوں نے ۱۲۷۰ء میں وھیں وفات پائی - مولانا ابراھیم کا ایک شجرۂ نسب[1] موجود ھے جس سے ان کی نسل کے مختلف بزرگوں کے باھمی رشتے پر روشنی پڑتی ھے -

---

۱ - شجرۂ نسب سامنے کے صفحے پر ملاحظہ فرمائیے -



یه تمام شجرۂ نسب حسب معمول بہت الجھا ہوا ہے ۔

(۱)

شیخ محمود

میاں شیخ محمود صاحب سکنہ بستی شیخ درویش چالیس برس صحراؤں میں فقرا کی صحبت میں رہے اور جب واپس آئے تو مجذوبانہ حالت میں تھے ۔ ان سے بہت سی کرامتیں ظہور میں آئیں ۔ ان کے قتل کا ارادہ کرنے والوں کو خوف زدہ کرنے کے لیے ان کے دونوں پہلوؤں سے دو شیر پیدا ہوئے ۔ انھوں نے اپنے ایک مرید شیر شاہ کو دوبارہ زندہ اور صحت مند کر دیا ۔ ولی محمد[1] نان‌بائی ان کی توجہ سے دولت مند اور صاحب اولاد ہو گیا اور ایک بافندے کو ان کی وجہ سے دفینہ مل گیا ۔

جب میاں شیخ محمود صاحب سجادہ نشین ہوئے
تو ان کے مریدوں کی سب امیدیں بر آئیں اور وہ اپنے معبود کا شکر بجا لائے ۔
جوانی میں انسان بے راہرو ہوتا ہے ، سب عقل مند اس بات کو جانتے ہیں ۔
شیخ محمود بھی (جوانی میں) چھپ چھپ کر راگ سنا کرتے تھے ۔
ایک رات شیخ محمود کو انتباہ ہوا ۔
'یوں تو سہروردی[2] پیر کہلاتے ہو ، مگر راگ سے رغبت رکھتے ہو'۔
یہ خواب دیکھنے کے بعد شیخ محمود نے مسجد میں جانا چاہا
مگر مسجد کے چاروں طرف باڑ ہونے کی وجہ سے اس کے اندر نہ جا سکے ۔
انھوں نے سمجھا کہ پیر ان پر خفا ہیں ،
ورنہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کوئی مسجد کے چاروں طرف باڑ لگا دے ۔

---

۱ ۔ آئندہ کہانی میں اس واقعے کا ذکر نہیں ہے ۔ مرتب

۲ ۔ خواجہ حبیب‌ؒ عجمی (م- ۷۳۸ء) چار پیروں میں سے سمجھے جاتے ہیں ۔ سلسلۂ سہروردیہ شیخ ضیاء الدین ابو نجیب سہروردی سے خواجہ حبیب‌ؒ عجمی تک جاتا ہے ۔ مرتب

انھوں نے اپنا وطن چھوڑ دینے کا ارادہ کیا ۔
تجارت کے لیے گھوڑے خریدے اور ھندوستان کی طرف چل دیے ۔
دس بیس منزلیں طے کرنے کے بعد وہ ایک نا معلوم جگہ پر پہنچ گئے ۔
وھاں انھوں نے وہ گھوڑے اپنے ملازموں کو دے دیے اور خود ایک گنجان جنگل کے اندر چلے گئے ۔
وھاں چالیس برس تک فقیروں کی خدمت کی ۔
وطن میں عزیز و اقربا کو اپنے متعلق کوئی اطلاع نہ دی اور تقدیر پر راضی ھو کر بیٹھ رہے ۔
ان کی جائداد ، محلات اور باغوں پر ان کے رشتہ داروں نے قبضہ کر لیا ۔
کوئی شخص ان کی واپسی کا خواھاں نہ تھا بلکہ وہ ان کی موت کی خبر کے منتظر تھے ۔
مگر اللہ کی قدرت دیکھیے ، وہ واپس آئے مگر فقیری رنگ میں ۔
وہ شاہ نواز اپنا نام بتاتے اور بے ربط باتیں کرتے ۔
ان کے سب مرید اپنے دل میں خیال کرتے ۔ ”یہی ھمارا مقررہ پیر ھے ۔
اگر یہ ھمارے سروں پر جوتے مارے تو بھی ھمیں کوئی عذر نہ ھوگا“۔
مگر غاصبوں نے یہ سازش کی کہ انھیں ختم کر دیا جائے۔
مبادا وہ اپنی ملکیت ھم سے واپس لے کر اپنے بھائیوں اور مریدوں کو دے دیں“۔
ایک رات دشمن انھیں زبردستی بستی سے باھر لے آئے۔
ظالموں نے راستے میں پہلے سے چند اجڈ چوھڑے بٹھا رکھے تھے ۔
انھوں نے چوھڑوں سے یہ کہ رکھا تھا ۔ ”جب وہ فاترالعقل اس طرف سے گزرے ،
اسے یہیں مار ڈالنا ۔ وہ یہاں سے زندہ واپس نہ جانے پائے۔
شیخ صاحب جب رات کے وقت دو تین کوس باھر نکل آئے ،
تو وہ ظالم اپنی چھپی ھوئی جگہ سے باھر نکل آئے۔
پہلے تو شیخ صاحب نے ان سے کہا ”اے مردودو! دور ھو جاؤ ،
ورنہ اللہ کی طرف سے تمھیں نقصان پہنچ جائے گا “۔
مگر جب وہ اپنے برے ارادے سے باز نہ آئے تو شیخ صاحب نے اپنے دونوں بازو اٹھا دیے ۔

اور ان کے دونوں پہلوؤں سے دو شیر نکل آئے اور وہاں دھاڑنے لگے ۔
چوھڑوں نے شیخ صاحب کی یہ کرامت دیکھی تو وہ فوراً اپنے
گھروں کی طرف بھاگے ۔
شیخ صاحب ویرو وال[1] میں جا کر آباد ہوئے ۔
وہاں فوراً آپ کے بہت سے مرید ہو گئے۔ وہ کہنے لگے :
کسی مخالف کی کیا مجال کہ وہ آپ کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی
دیکھ سکے ۔
اول تو ہم آپ کی جائداد مخالفوں سے لے کر آپ کے حوالے کریں گے ،
ورنہ ہم میں سے ہر ایک اپنی آدھی جائداد آپ کی خدمت میں پیش
کر دے گا"۔
شیخ صاحب نے فرمایا ۔ "ہمیں جائداد کی کچھ پروا نہیں"۔
اب آپ کے دل میں یہی خیال تھا کہ پیروں کے شہر (جالندھر)
میں جائیں ۔
چنانچہ آپ نے اپنے خادم غوث سے کہا : "کچھ کھانا تیار کرو ،
بستی (شیخ درویش) سے میرے کچھ بھائی آ رہے ہیں ، انہیں خوب پیٹ
بھر کر کھانا کھلاؤ ۔
رات کے بچے ہوئے کھانے میں پانی ڈال دو
اور اسے چولھے پر رکھ کر اس کے نیچے جلدی سے آگ جلا دو"۔
کہتے ہیں کہ رات کے وقت چاول پکائے گئے تھے
اور ان میں سے صرف چند دانے کناروں کے ساتھ لگے رہ گئے تھے
مگر شیخ صاحب کے حکم کی برکت سے دیگ بھر گئی ۔
اس میں سے ایک سو اشخاص نے کھانا کھا لیا ، پھر بھی کم از کم
آدھی دیگ ضرور بچ گئی ۔
حضرت وہاں سے نکل کر پھر امرتسر میں جا آباد ہوئے ۔
جب وہاں ان کی کرامات کی شہرت ہوئی تو وہاں سے ملتان چلے گئے ۔
ایک بار جب چند مرید ان کی زیارت کے لیے روانہ ہوئے

۱- ضلع امرتسر ۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انصاری شیخوں کے
جالندھر میں آباد ہونے سے پہلے ہندوستان میں ان کی کوئی اور
بستی بھی تھی - مرتب

تو انھیں راستے میں صحرا کے اندر سخت مصائب اٹھانے پڑے
اور ان میں سے ایک مرید شیر شاہ نامی کے دائیں ھاتھ پر زخم آ گیا۔
زخم اگرچہ معمولی تھا مگر اس نے اسے بہت تکلیف دی۔
ملتان شہر تک پہنچتے پہنچتے وہ زخم اتنا بڑھا
کہ اس میں کیڑے پڑ گئے اور اس کی وجہ سے شیر شاہ کی جان لبوں پر آ گئی۔
زخم کی وجہ سے وہ چند دن بیمار رہا مگر پھر اس کی حالت ایسی خراب ہوئی
اس کی نبض چلنے سے رک گئی اور ہر ایک کو یقین ہو گیا کہ اب وہ مر چکا ہے۔
تب اس کے بھائی علی شیر نے شیخ صاحب کی خدمت میں جلدی سے عرض کی:
''شیر شاہ وفات پا گیا ہے، اب اسے کہاں دفن کریں؟''
علاوہ ازیں تو اس نے حضرت بابا جان کی خدمت میں یہ بھی عرض کی:
''مرنے والا تو مر گیا، اب ہم یہاں کیا کریں؟''
حضرت اسی وقت مراقبے میں گئے اور پھر فرمانے لگے:
''تم جتنے اشخاص آئے تھے صحیح و سالم واپس جاؤ گے، اللہ کو یہی پسند ہے۔
یہاں سے تم کوڈے شاہ کے ڈیرے پر جاؤ
اور وھاں جا کر اس سے کہو کہ وہ شیر شاہ کے بدن پر اپنا ھاتھ پھیر دے''۔
وہ حکم کے مطابق کوڈے شاہ کے پاس پہنچے،
اسے شیخ صاحب کا پیغام سنایا اور اپنے ڈیرے پر لے آئے۔
کوڈے شاہ کہنے لگا: ''لوگو! میں تو اس کا غلام ہوں۔
بابا جان خود ھی زندہ کرتے ھیں، ھمیں وہ یوں ھی بدنام کرتے ھیں''۔
کوڈے شاہ نے وھاں پہنچ کر جب لاش پر اپنا ھاتھ پھیرا
تو مردہ بدن میں جان آ گئی اور وہ صحیح و سالم ہو گیا۔
اس کے بعد شیر شاہ چالیس برس تک زندہ رہا۔
یہ واقعہ اس نے خود بیان کیا ہے اور دوسروں نے بھی سنایا ہے۔
حضرت کو وفات پائے تقریباً پچاس برس ہوئے ھیں۔

لوگ (ان کے مزار پر) نذریں پیش کرتے ھیں - اس میں کوئی شک و شبہ
نہیں -
شیر شاہ نے یہ واقعہ بیان کیا ھے : ''مجھے دو دن چھوڑ کے تیسرے
دن بخار آتا تھا ؛
میں اس وجہ سے اتنا لاچار تھا کہ نہ زندوں میں تھا ، نہ مردوں میں -
'اب جینے کی کچھ امید باقی نہیں رھی ، ابھی موت کا بلاوا آتا ھے'۔
یہی سوچتے سوچتے میری آنکھ لگ گئی -
میں نے (خواب میں) اپنے آپ کو حضرت کے روضے پر دیکھا -
وھاں شیخ محمود نے مجھے یہ بشارت دی : 'ھمت نہ ھار
اللہ کا یہ فرمان ھے کہ ابھی تمھاری بہت سی عمر باقی ھے'۔
یہ بشارت سنتے ھی میرا بخار اتر گیا -
میں ان ولیوں کے قربان جاؤں جنھوں نے مجھے خوش کر دیا ''۔
شیخ صاحب کو خلق خدا سے اس قدر پیار تھا کہ وہ جس کوچے میں
جاتے ،
اگر وھاں کسی کا بچہ رو رھا ھوتا تو وہ اسے گود میں لے کر چپ
کرا دیتے -
ایک رات وہ ایک کوچے میں سے گزر رھے تھے
کہ ایک غریب جلاھا آپ کے پاس آ کر رونے لگا :
''حضرت ! میری یہ حالت ھے کہ مجھے ھمیشہ رزق کی تنگی رھتی ھے -
صبح کھانے کو ملتا ھے تو شام کو فاقہ ھوتا ھے ، میں بہت تنگ
آ چکا ھوں''۔
بابا جان نے اسے کہا کہ ایک تنوری روٹ لے آؤ -
دو روٹیاں تھیں اور تین کھانے والے تھے ، وہ کیسے پوری ھو سکتی
تھیں ؟
وہ جلاھا تھوڑی دیر کے بعد روٹی لے کر حاضر ھو گیا -
حضرت نے فرمایا : ''تو نے اس کام میں کیوں اتنی دیر کر دی ؟
جا ، جا کر گڑھا کھود لے ، وھاں سے تجھے بہت سا مال مل جائے گا
اور تو اللہ کی عنایت سے بہت خوش حال ھو جائے گا ''۔
کہتے ھیں کہ جب زمین کھودتے کھودتے صبح ھو گئی ،
تو اسے وھاں سے روپوں سے بھرا ھوا ایک دیگچہ ملا -

اس نے آ کر عرض کی : ''یا حضرت ! خوش حال تو بہت ہو گیا ہوں
مگر مجھے دولت اتنی دیر سے کیوں ملی ، بس میں یہی پوچھنا چاہتا
ہوں''۔

آپ نے فرمایا ''اگر تو روٹی لانے میں دیر نہ کرتا
تو تجھے یہ مال بھی فوراً مل جاتا ''۔

پیر صاحب کی اور کرامتیں پھر کبھی عرض کروں گا ؛
اس وقت مجھے فرصت کم ہے اور ان کے لیے وقت چاہیے ۔

(۲)

شیخ احمد غوث

حضرت شیخ احمد غوث ولی کی کرامت کا بیان ، جو اکبر کے
عہد میں افغانستان سے آئے اور راستہ اخون[1] ، جالندھر
میں آباد ہوئے۔ ان کی رحلت کا سال ۹۹۹ھ (۱۵۹۰ء[2]) ہے ۔
ان کا مزار منور لمہ کرار خاں متصل آبادی بلند خیل
میں ہے ۔

جالندھر کے احمد غوث ولی کو ساری دنیا جانتی ہے ۔
ان کی کرامات نزدیک و دور مشہور ہیں ۔
میں ان کی ساری کرامات کیسے بیان کر سکتا ہوں ؟
البتہ ان میں سے چند ایک پیش کرتا ہوں ۔
شیخ احمد غوث کا ایک مرید طویل سفر پر گیا ۔
اسے راستے میں ناگہانی طور سے دریا عبور کرنا پڑا ۔
اس کی کشتی گرداب میں پھنس گئی اور ڈوبنے لگی ۔
مرید جان کے خوف سے اپنے پیر کو پکارنے لگا ۔
اس نے پیر کی نذر مانتے ہوئے یوں کہا :
''اگر یہ کشتی پار لگ جائے تو آدھا مال آپ کا ہوگا ''۔
اس کا مال صحیح و سالم دوسرے کنارے پر پہنچ گیا اور اس نے چکیاں
خرید لیں ۔

---

۱ ۔ یا اخوند ۔ مرتب

۲ ۔ یہ تاریخ واقعات کے مطابق نہیں ، تعارف دیکھیے ۔ مرتب

اس نے اتنا منافع کمایا کہ وہ خوش ہو گیا ۔
پیر صاحب اس وقت ضروری حاجت کے لیے گئے ہوئے تھے
اور وہیں سے کشتی بچانے کے لیے فوراً دریا پر پہنچ گئے ۔
جب وہ فارغ ہو کر باہر آئے تو ان کے ہاتھ ریت سے آلودہ تھے ۔
ان کے خادم نے پوچھا : ''حضور ، یہ کیا بات ہے ؟
حضرت نے اسے واقعہ بتا دیا ، مگر ساتھ ہی یہ تاکید کر دی :
''اس بات کو کسی پر ظاہر نہ کرنا ، اس میں ایک حکمت پوشیدہ ہے''۔
اس خادم کی بیوی نے یہ بات آگے بتا دی
جس کے باعث اس کی ایک چھاتی فوراً سوکھ گئی ۔
کچھ عرصے کے بعد وہ مرید سفر سے واپس آیا
تو اس نے پیر کے حضور اپنی نذر پیش کی ۔
پیر صاحب بولے ''اس مال پر تم نے جو منافع کمایا تھا ،
وہ بھی لاؤ ، اس پر بھی میرا حق ہے''۔
اس نے وہ سارا منافع بھی پیر صاحب کی خدمت میں پیش کر دیا
اور اس کی نیک نیتی کا پودا ہمیشہ سر سبز[1] رہا ۔

(۳)

شیخ پیر ولی

شیخ[2] پیر ولی کیسے میاں شیخ غوث ولی جالندھری کے مرید ہوئے اور کس طرح ان کی کرامت سے چوروں کا گروہ بھاگ نکلا ۔

ایک روز میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا
کہ پیر ولی کے خفیہ حالات بیان کروں :
پہلے پہل وہ رسالے میں بھرتی ہوئے

---

۱ - اپنی نیک نیتی کے باعث وہ ہمیشہ خوش حال رہا ۔ مترجم

۲ - کہا جاتا ہے کہ آپ شیخ احمد غوث کے خالہ زاد اور ہم عہد تھے ۔ ان کا زمانہ سترھویں صدی عیسوی بیان کیا جاتا ہے ۔ مرتب

اور انھوں نے برھان پور یا احمد آباد میں ملازمت کی ۔
وھاں شیر خاں برک صوبیدار[1] تھا
اور اس کے سپاھی افغانوں میں ھر جگہ نمایاں تھے ۔
پیر ولی کبھی کبھی خواجہ خضر[2] کے پاس جا بیٹھتے تھے ۔
وہ ھمیشہ درویشوں کے متلاشی رھتے اور ان سے ملنے کا شوق رکھتے ۔
پیر ولی ایک درویش سے ملنے کے لیے گئے
تو اس درویش نے ان کا مبارک نام معلوم کرنے پر بہت اصرار کیا ۔
انھوں نے فرمایا : ''میرے والد مجھے پیر ولی کہتے تھے؛
لوگوں نے اس کے ساتھ شیخ کا بھی اضافہ کر لیا ھے''۔
تب اس درویش نے کہا : ''سائیں شیخ پیر ولی !
انسان کو اسم با مسمیٰ ھونا چاھیے ، یہی راز عیاں ھے''۔
اس درویش کی اس بات نے ان پر اتنا اثر کیا
کہ وہ نوکری چھوڑ کر جالندھر شہر میں آ گئے ۔
احمد غوث جو رشتے میں ان کے حقیقی خالہ زاد تھے ،
فوراً ان کے پاس گئے اور ان کی بیعت کر لی ۔
پہلے جب غوث کبھی ان سے بیعت کے لیے کہتے
تو وہ خواجہ خضر کا خیال کر کے ان کی بات پر کان نہ دھرتے ۔
یہ شیخ غوث احمد کی کرامت اور ان کی روحانی طاقت کا اثر تھا
کہ پیر ولی ان کے پاس اپنے آپ بیعت کے لیے پہنچ گئے ۔
انھوں نے نیک نیتی سے اپنے پیر کی خدمت کی اور اعلیٰ رتبہ پایا ۔
انھیں خلیفۂ ارشاد[3] کا لقب ملا اور لوگ انھیں پیر ولی کہنے لگے ۔
ایک دفعہ شیخ پیر ولی کے کچھ مرید تجارت کی غرض سے سفر پر روانہ ہوئے ۔

---

۱ ۔ گورنر ۔

۲ ۔ شاید اس سے مراد رشید خاں ھو ، جس کا ذکر تعارف میں آ چکا ھے ، مگر رشید خاں تو احمد غوث کے بہت بعد ھوا ھے اور احمد غوث کو پیر ولی کا ھم عہد اور خالہ زاد بتایا جاتا ھے ۔
مرتب

۳ ۔ اللہ کی ھدایت کو لوگوں تک پہنچانے والا ۔ مرتب

رھزنوں نے ان پر حملہ کر دیا اور ان کا مال لوٹ لیا ۔
ان لوگوں نے لاچار ھو کر اپنے پیر کو مدد کے لیے پکارا
تو فوراً دور سے ایک سپاھی نمودار ھوا ۔
وہ سیاہ گھوڑے پر سوار تھا اور اس نے اپنے ھاتھ میں نیزہ تھام رکھا تھا ۔
اس نے اپنا گھوڑا سرپٹ چوروں کے پیچھے ڈال دیا ۔
چوروں نے اسے دیکھا تو اتنے مرعوب ھوئے
کہ سارا مال وھیں چھوڑ کر اپنی جانیں بچا کر بھاگ گئے ۔
مرید اپنا مال واپس مل جانے پر خدا کا شکر بجا لائے ۔
پیر ولی نے بھی اس کے بعد چوروں کا تعاقب نہ کیا ۔

(۴)

شیخ درویش

حضرت شیخ درویش کی پیدائش کے بارے میں ۔
شہر بلخ[۱] میں ایک مجذوب رھتا تھا ،
جسے خدا کی یاد کے سوا اور کچھ محبوب نہ تھا ۔
اس کے پاس کوئی امیر سے امیر بھی آتا
تو وہ اس کی پروا نہ کرتا ۔
مگر جب اس کی ملاقات شیخ کے دادا[۲] جی سے ھوئی
تو وہ انھیں بہت تعظیم سے ملا اور ان سے ھنس ھنس کر باتیں کرتا رھا ۔
کسی نے اس سے پوچھا : ''اے پیر ! بتائیے
کہ آپ اس شخص سے کیوں اتنی عزت سے پیش آئے ھیں ؟''
اس نے جواب دیا : ''یہ خدا کا خاص بندہ ھے
اور اس پر اللہ کا خاص فضل ھے ۔
اس کی صلب میں ایک موتی ھے ۔

---

۱ ۔ تاریخ میں اس کا کوئی ثبوت نہیں کہ شیخ درویش کے والد کبھی بلخ میں رھے ھوں ۔
۲ ۔ ان کا نام رحیم داد تھا ۔ مرتب

جس کی تعظیم مجھ سے بے ساختہ وقوع میں آ رہی ہے''۔
پیر[۱] ولی یوں فرماتے ہیں :
''اس تقریر کے اسرار و رموز کو سمجھنے کی کوشش کر''۔
سمجھ لے کہ وہ موتی شیخ ایوب تھا ،
جو شیخ درویش کا بہت نیک بھائی تھا ۔
جب اس مجذوب نے غور سے دیکھا تو اس پر ظاہر ہوا
کہ اس کا عم زاد بھائی راجو بہت با کمال ہوگا
اور اکمل لوگ بھی اس کی برابری نہیں کر سکیں گے''۔
مجذوب کی یہ بات شیخ درویش کے متعلق صحیح ثابت ہوئی ۔

(۵)

شیخ درویش

حضرت شیخ درویش صاحب کی کرامات کا بیان ، جنھوں نے بستی شیخ درویش ، جالندھر کی بنیاد رکھی اور جو اس بستی کے انصاریوں کے مورث اعلیٰ تھے ۔ آپ کا اصل وطن کانی کرام ضلع بنوں تھا ۔

---

(۱) شیخ درویش کی پہلی کرامت

ایک شخص نے بے ادبی کی تو اس کا منہ ٹیڑھا ہو گیا ؛ پھر انھی کی دعا و برکت سے اسے صحت حاصل ہوئی ۔

کانی کرام میں ایک شخص رہتا تھا ؛
وہ شیخ درویش سے بے ادبی سے پیش آیا ؛
اس نے گستاخی سے نازیبا الفاظ کہے
اور اس کی زبان سے برے کلمات نکلے ۔

---

۱ ۔ غالباً یہ اس مجذوب کے نام کی بجائے استعمال ہوا ہے جس کا ذکر پہلی سطر میں آیا ہے ؛ یا ممکن ہے یہ پیر ولی اوپر نمبر تین پر بیان کردہ واقعے سے متعلق ہو ؛ یا ممکن ہے اس سے مراد قندھار کے مشہور بابا ولی مراد ہوں جنھیں حسن ابدال بھی کہتے ہیں ۔ یہ چودھویں صدی کے آخر میں تیمور کے عہد میں ہوئے ہیں ۔ مرتب

اس کا چہرہ بالکل ٹیڑھا ہو گیا ،
اس کی شکل بگڑ گئی اور اسے کسی علاج سے کوئی فائدہ نہ ہوا ۔
اسے بات کرنی مشکل ہو گئی ۔
اس کی آنکھیں ہر وقت روتی رہتی تھیں ۔
جب وہ اس مرض میں مبتلا ہوا
تو اس نے شیخ درویش صاحب سے معذرت کی اور معافی کا خواست گار ہوا ۔
جب شیخ صاحب نے اس کی خطا معاف کر دی
تو شفا دینے والے اللہ نے بھی اسے بالکل صحت عطا فرما دی ۔

(٦) حضرت شیخ درویش کی دوسری کرامت

فوج دار[۱] کابل بیگ پر اپنا اثر ڈالا اور اس نے شیخ صاحب کے خادم کو کسی حیل و حجت کے بغیر رہا کر دیا ۔
سندرانہ ایک مشہور گاؤں ہے ،
جو بستی شیخ درویش کے قریب ہے ، وہاں سے دور نہیں ۔
اس گاؤں کے مالکوں نے اسے فروخت کرنا چاہا
تو شیخ صاحب نے اس کی قیمت ادا کر کے اسے خرید لیا ۔
جالندھر میں ایک امین تھا ، جو مالیے کی تشخیص کرتا تھا ۔
اس کا نام شیوا رام تھا ۔
اس نے اس گاؤں کی چک بندی کی
اور اسے احمد راجپوت کے نام لکھ دیا
اور اسے کہا : ''اپنے تئیں اس کا مالک سمجھو ۔
اب مالیہ ادا کرنا تمھاری ذمہ داری ہے''۔
شیخ درویش نے سنا
تو اپنے ایک مرید کو وہاں بھیجا
(اور اسے کہا) : ''وہاں ایک پختہ مکان تعمیر کرو
تاکہ جھگڑے کی کوئی صورت پیدا ہو جائے''۔
احمد نے اس کا یہ حل سوچا
کہ فریاد لے کر فوج دار کی خدمت میں جا پہنچا ۔

---

۱ ۔ ظاہر ہے کہ وہ سرہند کا گورنر تھا ۔

جب درویش کے خادم کی فوج دار کے سامنے طلبی ہوئی
تو وہ بے چارہ بہت آزردہ خاطر ہوا (اور کہنے لگا) :
''یہاں میرا کوئی سفارشی نہیں
اور سفارش کے بغیر یہاں کوئی شنوائی نہیں''۔
رات کے وقت خادم نے خواب دیکھا
کہ شیخ درویش اس کے پاس موجود ہیں اور
کہ رہے ہیں : ''تو آداس نہ ہو ،
تیرا پیر تیری مدد کے لیے پہنچ گیا ہے''۔
جب وہ خواب سے بیدار ہوا
تو اس کے کانوں میں آواز آئی ،
فوج دار اس سے کہ رہا تھا :
''یہاں سے چلے جاؤ ، یہاں نہ رہو ؛
میں شیخ کو خفا نہیں کرنا چاہتا ،
بلکہ میں چاہتا ہوں کہ وہ مجھ پر خوش رہے''۔

(۳) حضرت شیخ درویش کی تیسری کرامت

ان کے پاکیزہ سانس کی برکت سے سفید بالوں کی جگہ سیاہ بال نکل آئے۔

جس شخص کی ساری اولاد نیک ہو ،
سمجھو کہ اس پر حق تعالیٰ کا (خاص) فضل ہے ۔
شیخ صاحب کے پانچ پیارے بیٹے تھے
جو سب کے سب عبادت گزار اور نیک تھے ۔
سب سے بڑے کا نام میاں ولی داد تھا ۔
وہ بچپن ہی سے خدا کو یاد کیا کرتا تھا ۔
جب وہ باپ کے پاس آتا
تو باپ اسے اپنے دائیں جانب بٹھاتا ۔
شیخ (درویش) صاحب کے بالوں کی سیاہی اسی طرح قائم تھی ۔
اس میں ذرا بھی تبدیلی نہیں ہوئی تھی
مگر زہد کے باعث بیٹے کا یہ حال تھا
کہ اس کے بیشتر بال سفید ہو چکے تھے ۔
جب کوئی ناواقف شیخ صاحب سے ملنے کے لیے آتا ،

وہ پہلے ان کے لڑکے سے مصافحہ کرتا ؛
اس کے چہرے پر بڑھاپے کے آثار دیکھ کر
وہ اسے شیخ درویش سمجھ لیتا ۔
شیخ درویش اسے دل سے پسند نہ کرتے
مگر اس کا کچھ علاج بھی نہ کر سکتے ۔
جب شیخ صاحب نے بیٹے کی یہ صورت دیکھی
تو اسے قرآن پاک کی ایک آیت بتائی
اور کہا : ”جب حجام
حجامت بنانے کے لیے آئے
تو اس کے پاس یہ آیت پڑھتے ہوئے جانا
اور اسے کہنا کہ وہ تمھارے سارے سفید بال چن دے ۔
اس کے بعد حق تعالیٰ کے کلام پاک کی برکت سے
ان کی جگہ تمام سیاہ بال آ گیں گے“۔
بیٹے نے جب باپ کے حکم کے مطابق عمل کیا
تو بڑھاپے نے وہاں سے اپنا بستر گول کیا
اور ہر ایک کو نظر آنے لگا
کہ وہ پیر ہے اور یہ جوان سال ہے ۔

(۴) حضرت شیخ درویش کی چوتھی کرامت

اپنے فرزند ارجمند میاں ولی داد کو اپنے مصلے کے نیچے بے بہا خزانہ دکھا دیا ۔

علی[1] نامی مشہور پٹھان خاندان ہیں ،
جن میں سے ہر ایک بہت معزز ہے ۔
وہ بستی شیخ درویش میں آ کر آباد ہوئے ،
وہاں وہ سب دنیا کی نعمتوں سے مالا مال تھے ،
ان کے بہت سے آباد مکان تھے ۔
ان کا الگ محلہ آباد ہو گیا ، جو علی محلے کے نام سے مشہور ہوا ۔
وہ تجارت پیشہ تھے ،

---

۱ ۔ یا علیاک برک ۔ مرتب

اس لیے لوگ انھیں تجار کہتے تھے ۔
ان میں سے ایک مشہور پٹھان تھا ،
جو حضرت شیخ (درویش) کی خدمت میں سلام کے لیے حاضر ہوا کرتا تھا ۔
جب بھی وہ شیخ صاحب کی خدمت میں آتا ،
ان سے دست بستہ عرض کرتا :
''مجھے اپنا خاص غلام سمجھیے ،
میری ہر چیز کو اپنی سمجھیے ،
حضرت کو جس چیز کی ضرورت ہو ،
اس غلام کے مکان سے منگوا لیا کریں''۔
اگرچہ شیخ (درویش) بھی دولت مند تھے
اور ان کے پاس بہت سی جاگیر تھی
مگر ایک بار جب ان سے سرکاری مالیہ طلب کیا گیا
تو انھوں نے اپنا ایک خادم علی کی طرف بھیج دیا
کہ اسے اپنی ضرورت بتا کر
اس سے کسی مہلت کی قید کے بغیر مبلغات لائے ۔
خادم اس کے دروازے پر پہنچا ؛
پہلے دستک دی ، پھر حضرت کا پیغام سنایا ۔
لونڈی نے آ کر جواب دیا : ''میاں
اس وقت گھر پر موجود نہیں ہیں''۔
خادم نے واپس آ کر
حضرت کی خدمت میں یہ جواب بے کم و کاست سنا دیا ۔
وہاں میاں ولی داد بھی موجود تھے ۔
وہ بولے : ''میاں ! افسوس کا مقام ہے ۔
ایسے لوگوں سے مانگنے سے کیا حاصل ؟
اگر آپ مجھے ارشاد فرماتے
تو میں سونے کی دیوار اور دروازے بنا دیتا
اور اس میں ذرا دیر نہ کرتا''۔
یہ سنتے ہی حضرت شیخ درویش کا چہرہ سرخ ہو گیا
اور اسے کہنے لگے : ''میرے بیٹے ! ذرا قریب آنا''۔

پھر اپنے مصلے کا ایک کنارہ اٹھایا
تو نیچے بے بہا خزینہ موجود تھا ۔
پھر اسے دو تین بار سخت تاکید کی
کہ 'یہ راز ذرا بھی افشا نہ ہونے پائے'۔

(٦)

شیخ درویش

میاں شیخ درویش صاحب کی مزید کرامات اور حالات

میاں شیخ درویش بستی شیخ درویش جالندھر کے انصاری شیخوں کے مورث اعلیٰ تھے۔ اپنے مرید شیخ جلال[1] بن موسیٰ کی مدد کے لیے فوراً بخارا پہنچے اور مخاک مسجد کے خادموں کو راہ پر لائے۔

شیخ جلال ایک مشہور شخص تھا ،
جو بخارا میں اقامت گزیں ہوا ۔
جب ماہ رمضان شروع ہوا
تو اس نے اپنے دل میں یہ فیصلہ کیا
کہ میں رمضان کا آخری عشرہ
مسجد مخاک میں گزاروں گا ۔
چنانچہ وہ اس رات نماز ادا کرنے کے بعد وہیں ٹھہر گیا ۔
مسجد کے خادموں نے اسے اپنے پاس بلایا اور کہا[2] :

---

۱ - اس سے ضرور سید جلال بخاری مراد ہوں گے جو ۱۱۸۸ء تا ۱۲۸۳ء رہے اور جنھوں نے اُچ میں وفات پائی ۔ آپ شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی (۱۱۷۰ء تا ۱۲۶۶ء) کے مرید تھے۔ آپ مشہور پیر شیخ جلال مخدوم جہانیاں جہاں گشت (۱۳۰۸ء ۱۳۸۴ء) اور سید صدرالدین راجو قتال (۲ - ۱۴۰۳ء) کے دادا تھے۔ حضرت مخدوم جہانیاں ملنگوں اور جلالیہ فقیروں کے بانی تھے ۔ سید جلال بخاری کو بسا اوقات شیخ جلال مخدوم سے خلط ملط کر دیا جاتا ہے۔ یہاں شیخ درویش کی عظمت جتانے کے لیے انھیں ان کا مرید ظاہر کیا گیا ہے ۔ مرتب

۲ - یہاں سے صیغۂ متکلم شروع ہو گیا ہے ۔ مرتب

''ہم تمھیں یہاں نہیں رہنے دیں گے ،
اس لیے یہاں سے چلتے بنو''۔
جب وہاں ٹھہرنے کی کوئی صورت دکھائی نہ دی
تو میں نے اپنے پیر کو یاد کیا ۔
شیخ صاحب فوراً محراب سے ظاہر ہوئے ،
خادموں نے انھیں دیکھا تو بھاگ گئے ۔
اس کے بعد دس دن تک
مسجد کے خادم مجھ پر بہت مہربان رہے ۔
وہ مجھے حلوہ کھلاتے رہے
اور کہتے : ''اے پیر کے فرزند !
تیرا پیر[1] ملتان میں ہے ۔
خدا جانتا ہے وہ بہت روحانی طاقت رکھتا ہے''۔
موسیٰ[2] کے بیٹے نے اس واقعے کو
کئی بار بطور مثال پیش کیا ہے ۔ (وہ خود کہتا ہے :)
کہ ''میں نے اپنے پیر کی بدولت
وہاں بہت عزت پائی''۔

(۷)

شیخ ولی داد

میاں شیخ درویش صاحب کے بڑے بیٹے میاں ولی داد کی کرامات کا بیان

انھیں چھوٹے میاں کہتے ہیں ، ان کی طبیعت میں جلالی رنگ زیادہ تھا ۔ میاں ولی داد نے مردہ بلی کو زندہ کر دیا ۔ وہ اپنے مرید کو شیر کی صورت میں دکھائی دیے اور انھوں نے اپنی قبر کو جو باہر تھی ، روضے کے اندر کر لیا ۔

شیخ درویش ہمیشہ
حضور اکرمؐ کی سنت کو پیش نظر رکھتے ۔

---

۱ ۔ شیخ بہاؤالدین زکریا ۔ مرتب
۲ ۔ شیخ جلال ۔ مرتب

وہ ہر جمعہ فاتحہ پڑھنے کے لیے قبروں پر جاتے
اور اس میں کبھی ناغہ نہ کرتے۔
ایک روز جب وہ معمول کے مطابق گئے
تو اپنے بیٹے ولی داد کو بھی ساتھ لے گئے۔
جب وہ قبروں سے واپس آ رہے تھے
تو انھوں نے راستے میں ایک مردہ بلی دیکھی۔
جب اس کے پاس چھوٹے میاں نے بات کی
تو وہ تن مردہ زندہ ہو گیا۔
جب شیخ درویش نے یہ واقعہ دیکھا
تو غصے میں آ کر اپنے بیٹے کو ڈانٹا
اور کہا: ''دیکھو! کوئی ایسا کام نہ ہونے پائے
جس سے شرع میں رخنہ پڑے''۔
اب یہ بات قابل غور ہے
کہ چھوٹے میاں لاہور کیوں گئے تھے۔
جب ان کے والد نے انھیں مجبور کیا
کہ وہ فقیروں کے خلاف شرع کاموں اور کرامتوں سے الگ رہیں
تو وہ والد سے اجازت لیے بغیر چلے گئے
اور لاہور میں جا کر اقامت گزیں ہو گئے۔
شیخ درویش نے بھی ان کے پیچھے
لاہور جانے کا ارادہ کیا۔
جب وہ وہاں پہنچے تو پہلے انھوں نے یہ معلوم کیا
کہ ان کا بیٹا کس کوچے میں رہتا ہے؛
پھر اپنے خادم[۱] کو حکم دیا: ''جلدی جاؤ
اور میرے بیٹے کو میرے پاس لاؤ''۔
جب وہ خادم پہلی بار وہاں گیا
تو اسے وہاں ایک شیر نما انسان نظر آیا؛
جب وہ دوسری بار وہاں پہنچا
تو اسے وہ شیر دھاڑتا ہوا نظر آیا؛

۱۔ حضرت میاں میرؒ۔ دیکھیے آگے سطر نمبر ۴۰۔ مرتب

جب وہ تیسری بار وہاں حاضر ہوا
تو وہ شیر اسے پھاڑنے پر تیار تھا ۔
خادم واپس شیخ درویش کی خدمت میں حاضر ہوا
اور انہیں سارا واقعہ من و عن سنا دیا ۔
شیخ نے یہ سن کر میر[1] سے کہہ دیا :
''میرا یہ بیٹا اس ہفتے کے اندر وفات پا جائے گا''۔
جب وہ فوت ہو جائے ، تو اس کی لاش کو بستی (شیخ درویش) میں
لے جانا
اور اس میں ذرا تاخیر نہ کرنا''۔
ولی داد اسی ہفتے کے اندر فوت ہو گئے ۔
میانمیرؒ کو اپنے شیخ کی بات یاد تھی ؛
انہوں نے لاش کو ایک صندوق میں بند کیا
اور اسے (اونٹ پر رکھ کر) بستی کی طرف روانہ ہوئے ۔
کہتے ہیں کہ جب وہ لاش وہاں پہنچی
تو اسے روضے کے باہر ہی دفن کر دیا گیا ۔
لوگوں نے کہا : ''حضرت میاں درویش !
کیا چھوٹے میاں کے لیے روضے کے اندر کوئی جگہ نہیں؟''
انہوں نے فرمایا : ''بیٹا ! اگر تو واقعی شیر ہے
تو خود روضے کے اندر آ جا ''۔
اگرچہ ان کی قبر روضے سے باہر بنائی گئی تھی
مگر رات کے دوران وہ روضے کے اندر چلی گئی
اور لوگوں پر یہ بات ظاہر ہوگئی
کہ چھوٹے میاں بھی صاحب کمال ہستی تھے ۔

(۸)

سید عبداللہ تنوری

سید عبداللہ عرف تنوری جالندھری کی کرامت کا بیان ۔

---

۱ ۔ غالباً اس سے لاہور کے مشہور بزرگ شیخ محمد شاہ میر ، المعروف حضرت میانمیرؒ مراد ہے جنھوں نے ۱۵۵۰ء تا ۱۶۳۵ء تک کا زمانہ پایا ۔ مرتب

نواب تغلق[1] والیٔ لاهور نے انهیں لوهے کے گرم تنور میں ڈلوایا
مگر خدا کے فضل و کرم سے ان کے ایک بال تک کو
آنچ نه آئی اور وه تنور سے صحیح و سالم باهر نکلے - ان کے
والد کا نام سید ابراهیم تنوری هے ، ان کا مزار سرهند
میں هے -

پاک صحیفوں میں یه مرقوم هے—— اس لیے یه بات شبہات سے بالا
هے
که لوگوں کے اچھے اور برے اعمال کی بدولت ان پر عادل یا ظالم
حکم ران مقرر کیے جاتے هیں -
اگر لوگوں کے اعمال اچھے هوں تو الله
ان کے لیے کوئی عادل اور منصف حاکم بھیج دیتا هے ، جو هر معاملے
میں انصاف سے کام لیتا هے ،
لیکن اگر لوگ برے کاموں پر کمر باندھ لیں
تو الله پاک بھی انهیں کسی ظالم کے پنجے میں پھنسا دیتا هے -
ایک رذیل شخص لاهور کا صوبیدار مقرر هو گیا -
وه همیشه سیدوں کو قتل کرا کے خوش هوتا -
اس نے کسی سے یه سن پایا تها :
''یه سچی روایت هے که جو اصل سید هوگا
اس پر آگ مطلق اثر نه کرے گی''-
پھر ایک نالائق مصاحب نے اس کے کان میں یه بات ڈال دی
که بهت سے لوگ جو سید نہیں هیں ، اپنے تئیں سید ظاهر کر کے لوگوں
کو لوٹ رهے هیں -
وه ''شاه جی'' کہلاتے هیں اور بهت سے مرید بنا لیتے هیں
اور پھر اپنے مریدوں سے نذریں نیازیں وصول کر کے خوب عیش آڑاتے
هیں -
اس نے شهر لاهور میں یه حکم نافذ کر دیا که ''جو کوئی سید هے وه
حاضر هو''-

---

۱ - تغلق خاندان کے کسی فرد سے مراد هے ، جنهوں نے ۱۳۲۱ء تا
۱۳۹۸ء لاهور پر حکومت کی - مرتب

جب سید آتے تو نواب کا چوب دار انہیں پکڑ کر کچھری میں پیش
کر دیتا ۔
جو بد نصیب شخص اس کی کچھری میں آ جاتا
وہ لوہے کا ایک تنور گرم کرا کے اسے اس کے اندر ڈال دیتا جہاں وہ
جل جاتا ۔
اس ظالم موذی نے بہت سے سیدوں کو اس طرح جلوا دیا ۔
دوستو ! وہ ظالم ایسا سخت دل تھا کہ اس کے دل میں رحم کا گزر
نہیں ہوتا تھا ۔
کرنا خدا کا یوں ہوا کہ ایک دن سید عبداللہ شاہ لاہور شہر میں آئے
اور وہاں کسی مومن کے پاس حقہ پینے کے لیے بیٹھ گئے ۔
پاس ہی ایک ہندو کا مکان تھا ، جس کا باہر کا دروازہ بہت نیچا تھا ۔
آپ نے اس سے کہا : ''اے رذیل ! اسے اونچا کر دے''۔
ہندو نے غصے میں آ کر کہا : ''سائیں ! آپ کے ساتھ ہاتھی تو ہے
نہیں
کہ آپ اس کی خاطر مجھے یہ ڈانٹ پلاتے ''۔
دوسرا شخص بولا ''آپ کی ذات کیا ہے ؟
آپ شیخ ہیں یا مغل یا منگتے سید ہیں ؟''
انہوں نے جواب دیا ''ہمیں سب لوگ سید کہتے ہیں ۔
ہم حضرت شبیرؓ[1] کی نسل سے ہیں ، اس میں کوئی شبہ نہیں''۔
لوگ یہ سن کر بہت متاسف ہوئے ۔
سرکاری پیادے نے آپ کو گرفتار کر لیا مگر آپ نے اف تک نہ کی ۔
جب آپ کو کچھری میں پیش کیا گیا تو اس ظالم نے دریافت کیا :
''صاحبزادے ! آپ کی ذات کیا ہے ؟ ہمیں بتائیے''۔
انہوں نے جواب دیا : ''ذات صفات کا مالک اللہ ہے ،
لوگ ہمیں حسینی سید کہتے ہیں اور اس میں کوئی شبہ نہیں''۔
اس موذی نے حکم دیا : ''تنور میں جلدی سے آگ روشن کرو
اور اس سید کو بھی اس لذت سے آشنا کرو جو اس کے اور بھائی پہلے
چکھ چکے ہیں''۔

---

۱ ۔ امام حسینؓ ۔

سید نے جواب دیا : ''اللہ کی جو مرضی ہے ، مجھے اس میں کچھ عذر نہیں ۔
میں اسے خوشی سے تسلیم کروں گا ، اس کے سامنے دم نہ ماروں گا ،
اس کے مطابق عمل کرنا میرا اولین فرض ہے''۔
جب تنور کا لوہا آگ سے سرخ ہو گیا ،
سید نے بسم اللہ پڑھی اور اس کے اندر قدم رکھ دیا ۔
جب سید صاحب تنور کے اندر داخل ہوئے
تو سرکاری ملازموں نے فوراً اس کے اوپر ڈھکنا رکھ دیا ۔
تیسرے دن اس ظالم اور گنہ گار حاکم نے ایک سپاہی بھیجا
کہ تنور کے اندر سے سید صاحب کی راکھ لے آئے ۔
سرکاری ملازم نے وہاں پہنچ کر جب ڈھکنا اٹھایا
تو کیا دیکھتا ہے کہ شاہ صاحب تنور کے اندر بیٹھے کلمہ پڑھ رہے ہیں ۔
اس نے عرض کی : ''حضرت ! اب یہاں سے باہر آ جائیے''۔
آپ نے جواب دیا : ''کوئی بات نہیں ، تم حاکم کو یہاں بلا لاؤ''۔
حاکم یہ سنتے ہی فوراً وہاں پیادہ پا پہنچا
اور ان سے معافی کا خواستگار ہوا ، شاہ صاحب نے اسے کہا :
''اس میں تمہاری کچھ خطا نہیں ، یہ میری تقدیر تھی ۔
جو آئے اسے برداشت کرنا چاہیے، اس سے بچنے کی تدبیر کیوں کی جائے ۔
آپ اگر مجھ سے معافی چاہتے ہیں ، تو میں اللہ کے نام پر معاف کر دیتا ہوں ،
مگر اس شرط پر کہ آئندہ آپ یہ برا کام ترک کر دیں''۔
نواب صاحب نے ان کی خدمت میں خلعت اور نذر پیش کی
اور عرض کی ''ایک ہاتھی بھی ساتھ لیتے جائیے''۔
شاہ صاحب نے اپنے لیے فیل خانے سے ایسا مست ہاتھی منتخب کیا ،
جو ہر زنجیر کو جو اسے پہنائی جاتی تھی ، ایک ہی جھٹکے سے توڑ دیتا تھا ۔
شاہ صاحب نے اسے سوکھی گھاس دکھا کر کہا : ''اے ہاتھی ! سن
یہاں تو نے بہت نعمتیں کھائیں ، اب ہمارے پاس تو بس یہی سوکھی گھاس ہے''۔

ھاتھی نے وہ گھاس سونڈ میں لے کر اپنے ماتھے پر رکھ لی ۔
آگے آگے شاہ صاحب چل دیے اور پیچھے پیچھے وہ ھاتھی چلنے لگا ۔
جب شاہ صاحب اس جگہ پر پہنچے
جہاں انھوں نے حقہ پیا تھا اور اس ھندو نے انھیں طعنہ دیا تھا
تو لوگوں نے عرض کی ''یہ دروازہ نیچا ھے ،
آپ دوسرے دروازے سے اندر آ جائیں ، وہ بہتر رھے گا ''۔
آپ نے فرمایا : ''دوستو ! تم خاموش رھو ۔
جب میں ھاتھی کو حکم دوں گا ، وہ اپنے لیے خود راستہ بنا لے گا ''۔
ھاتھی نے ٹکر ماری اور وہ دروازہ گر گیا
اور شاہ صاحب کی پیش[1] گوئی پوری ھو گئی ۔
جب اس واقعے کی شہرت عوام الناس کے کانوں تک پہنچی
تو حضرت نے فیصلہ کر لیا کہ وھاں سے چلے جائیں ۔
دوستو ! جو بڑے بڑے سید جالندھر میں رھائش پذیر ھیں
وہ سب فخر کی خاطر انھیں اپنا جد امجد بتاتے ھیں ۔
ان کا مزار بستی شیخ درویش اور شہر جالندھر کے درمیان ھے ۔
علی شاہ نے اسے دوبارہ تعمیر کرایا تھا ، اس پر ایک شان دار چونے گچ گنبد ھے ۔
انھیں اس دنیا سے گئے نو[2] سو آٹھ برس گزر چکے ھیں ،
وہ ھمیشہ دنیا کو ھیچ سمجھتے رھے ، اللہ خود ھی ان کے کام سنوار دیتا رھا ۔
یہ صحیح روایت ھے کہ سید ابراھیم نے
تنوری[3] صاحب کا لقب پایا اور خلد میں داخل ھوئے ۔

---

۱ ۔ معلوم ھوتا ھے کہ بھاٹ پیش گوئی بتانا بھول گیا ۔ مرتب
۲ ۔ یہ تاریخ محض ذھنی تخلیق ھے ۔ مرتب
۳ ۔ سید ابراھیم تنوری جو بھی صاحب تھے ، ان کے نام کے ساتھ تنوری کسی جگہ کی نسبت سے تھا ۔ جالندھر میں اب یہ لقب عام ھے ۔ وھاں اس کی وجہ تسمیہ ان کا آتشیں تنور سے صحیح و سالم بچ آنا ھی بتائی جاتی ھے ، مگر ان کے باپ کے نام کے ساتھ تنوری کا ھونا اس نتیجے کو درھم برھم کر دیتا ھے ۔ مرتب

ان کی قبر مسجد کی چار دیواری کے اندر موجود ہے ،
اس میں کوئی جھوٹ نہیں ، جو چاہے اس کی زیارت کر لے ۔
جب سید ابراہیم اپنا وطن چھوڑ کر جالندھر میں آباد ہوئے
تو اپنا آبائی لقب ساتھ لائے اور یہاں بھی لوگ انہیں تنوری ہی کہتے رہے ؛
ورنہ ان کا اصلی نام دانش مند عبداللہ ہے ۔
وہ کامل ولی ہیں اور یہاں کے سب خدا رسیدہ لوگ انہیں ولی تسلیم کرتے ہیں ۔

(۹)

شاہ عبدالغفور

شاہ عبدالغفور[1] ساکن بستی دانش منداں ، جالندھر کی کرامت کا بیان

بندوق کی گولیاں جو ان کی چادر پر پڑتی تھیں ، ٹھنڈی ہو کر زمین پر گرتی رہیں ۔

ضلع جالندھر میں بھوانی پور ایک مشہور گاؤں ہے ۔
وہاں پیروں کی مجالس ذکر ہمیشہ پر نور ہوتی ہیں ۔
ایک دفعہ شاہ عبدالغفور وہاں سے آ رہے تھے
اور ان کے ہمراہ بہت سے درویش تھے ۔
جب وہ بڈالا[2] کے قریب پہنچے
تو تڑا تڑ گولیاں برسنے لگیں ۔
خوف کے مارے ان کے ساتھیوں کا برا حال ہو گیا ۔
آپ نے فرمایا : ''صبر کی ڈھال بنا لو''۔
جب وہاں سے دو چار قدم آگے بڑھے
تو ایک دم گولیوں کی بوچھاڑ آئی ۔
ساتھی کوئی پناہ کی جگہ ڈھونڈنے لگے
تو آپ نے فرمایا : ''راضی بہ رضا کا کوٹ پہن لو''۔
جب وہ اور آگے گئے

---

۱ - کوئی بہت ہی مقامی پیر ہیں ۔ مرتب

۲ - جالندھر سے تین میل کے فاصلے پر ۔ مرتب

تو گولیاں چھما چھم برسنے لگیں ۔
ساتھی چیخنے چلانے لگے :
''اب ہماری جانیں بچتی نظر نہیں آتیں''۔
تب انھوں نے اپنی چادر آتار کر انھیں دے دی
اور فرمایا : ''تم سب اسے اپنے سر کے اوپر تان لو''۔
پہلے جو گولیاں آئیں
وہ ان کے دائیں بائیں سے گزر گئیں ،
پھر گولیاں چادر پر پڑنے لگیں ،
پھر وہاں سے ٹھنڈی ہو کر زمین پر گرتیں ۔
یہ کرامت دیکھ کر وہ ساتھی جو دل چھوڑ بیٹھے تھے ،
ان کے شکر گزار ہوئے ۔

(۱۰)

امام ناصرالدین سیرانی

امام ناصر الدین[۱] صاحب کا جالندھر میں تشریف لانا اور جالندھر نامی جوگی کو مغلوب کر کے وہاں سے نکال دینا اور ان کی دیگر کرامات کا بیان ۔

سب سے پہلے میں خدا کی حمد بجا لاتا ہوں ، اس کے بعد نبی کریم ؐ پر سلام بھیجتا ہوں ۔
وہ میرا دلی مقصد بر لائے اور اپنے ولی پر اس کی رحمت ہو ۔
جب سید ناصر الدین سیرانی جالندھر میں آئے
تو وہ لوگوں کی گزارش پر یہیں مقیم ہو گئے ۔
ان دنوں اس شہر میں ایک بہت مغرور جوگی رہتا تھا ،
وہ من مانی کرتا اور لوگوں کو بہت تکلیف پہنچاتا تھا ۔
اس ظالم کے ڈر سے گایوں کے مالک

---

۱ - آپ جالندھر کے سب سے بڑے بزرگ ہیں ۔ آپ غالباً کوئی مقامی بزرگ تھے مگر ممکن ہے ان سے ناصر الدین اودھی مراد ہوں جو تیرھویں صدی میں مشہور حضرت نظام الدین ؒ اولیاء دھلوی کے شیخ تھے ۔ مرتب

صبح سویرے گائیں دوہ کر ان کا دودھ ان کے سامنے لے آتے۔
اگر کوئی دیر سے دودھ لاتا یا دودھ نہ لاتا
تو اس کا دودھ خراب ہو جاتا یا اس کی گائے مر جاتی۔
ایک دن حضرت نے دیکھا کہ بہت سی جوان اور بوڑھی عورتیں
دھی اور دودھ کے بھرے ہوئے برتن اٹھائے اسے دینے کے لیے جا رہی
تھیں۔
امام ناصر الدین صاحب کو ان پر رحم آ گیا
اور آپ نے ان میں سے ایک گوجر عورت کو اپنے پاس بلا لیا۔
اس کے دودھ کے برتن میں دو پھول ڈبو کر اسے کہا : ''یہ دودھ
لے جاؤ
اور جو کچھ پیش آئے ، وہ مجھ سے بیان کرنا ''۔
جب وہ گوجر عورتیں جوگی کے پاس دیر سے پہنچیں
تو اس نے پوچھا : ''دیر کیوں کر دی ؟ کیا مصیبت آ گئی تھی؟''
اس نے جب ان کا دودھ دیکھا تو وہ خون کے رنگ کا تھا۔
اس نے غصے سے تیوری چڑھا کر کہا : ''اس کا یہ رنگ کیوں ہے ؟''
بڑھیا مارے ڈر کے کانپنے لگی ، پھر بولی : ''ایک فقیر نے
میرے دودھ میں اپنی انگلی ڈبوئی تھی ، میں سمجھی وہ کوئی بزرگ
ہے''۔
جوگی نے فوراً اپنے چھ چیلوں کو یہ حکم دے کر بھیجا :
''اگر وہ تمھارے کہنے پر نہ آئے تو اسے زبردستی لے آؤ ؛
جلدی سے جاؤ اور اس فقیر کو پکڑ لاؤ ،
جس نے میرے تازہ دودھ کو لہو رنگ کر دیا ہے''۔
وہ چھ چیلے حضرت کے پاس آئے تو انھوں نے سچا کلمہ[1] پڑھ لیا
اور وہیں حضرت کے پاس بیٹھے رہ گئے۔ انھوں نے جوگی کی بات کے
متعلق کچھ نہ کہا۔
جوگی نے غصے میں آ کر دس بیس اور چیلے بھیجے
تاکہ وہ امام صاحب کو جلدی سے پکڑ لائیں۔
وہ بھی وہاں جا کر مسلمان ہو گئے اور ان میں سے کوئی جوگی کے پاس

---

۱ - وہ مسلمان ہو گئے۔

واپس نہ پہنچا ۔
ـس کی حمایت پر وہ سچا صاحب ہو ، ہر ایک اسی کی حمایت کرتا ہے ۔
ب جوگی نے پچاس اور چیلے بھیجے (جب وہ بھی نہ آئے تو) کہنے لگا :
''یہ کیا غضب ہے ، جو کوئی وہاں جاتا ہے ، وہیں کا ہو رہتا ہے''۔
پھر وہ باقی سب چیلوں کو ساتھ لے کر خود وہاں پہنچا
اور امام صاحب کے پاس پہنچ کر یوں یاوہ گوئی کی :
''صاحب ! یا ہماری کرامت دیکھیے یا ہمیں اپنی کرامت دکھائیے''۔
امام صاحب نے جواب دیا : ''اچھا پھر اللہ کی قدرت کا تماشا اپنی آنکھوں سے دیکھو ۔
پہلے یہ ہندو شہر تھا ، اب مسلمان ہو جائے گا ۔
ساری بڑائی اللہ کے اختیار میں ہے ؛ وہ جسے بڑائی دے ، اسے مل جاتی ہے''۔
جوگی یہ بات سن کر آسمان کی طرف پرواز کرنے لگا ؛
ساتھ ہی حضرت امام صاحب کا جوتا بھی ہوا میں اڑا ۔
جوتا تڑاخ تڑاخ اس کے سر پر پڑنے لگا ؛
آخر وہ جوگی کہیں جا کر چھپ گیا اور امام صاحب نے حق تعالیٰ کے نور کی مدد سے اسے شہر سے نکال دیا ۔
امام صاحب کی یہ پہلی کرامت بہت مشہور ہے ۔
اگرچہ اس پر بہت وقت گزر چکا ہے مگر کوئی اس میں شک نہیں کرتا ۔
مؤرخوں کا بیان ہے کہ جس شخص نے اس شہر کی بنیاد رکھی تھی ،
اسے اپنے گورو سے جالندھر کا لقب حاصل تھا ۔
اس کے بعد جو بھی اس گدی پر بیٹھتا جالندھر کہلاتا ۔
اس طرح اس جوگی تک یہی لقب چلا آ رہا تھا ۔
جب جوگی کے بھاگ جانے کی خبر چاروں طرف مشہور ہوئی
تو لوگ آ آ کر شاہ صاحب کے گرد جمع ہو گئے ۔
گوالوں نے نہایت خوشی سے شکر کا کلمہ پڑھا[1] ۔

---

۱ ۔ اسلام قبول کیا ۔

اس کے بعد ہمیشہ ان کی دینی اور دنیوی خواہشات پوری ہوتی رہیں ۔
حضرت امام صاحب کے مزار پر نہایت عالی شان روضہ بنایا گیا
اور ہندو اور مسلمان دونوں وہاں زیارت کے لیے جاتے ہیں ۔
لوگ وہاں نذریں اور نیازیں پیش کرتے ہیں اور اپنے دل کی مرادیں حاصل کرتے ہیں ۔
اساڑھ کے مہینے میں وہاں میلہ لگتا ہے اور سب لوگ اسے دیکھنے کے لیے جاتے ہیں ۔
میں اللہ کے قربان جاؤں جو ہر کام کا کرنے والا ہے ۔
وہ اپنے بندوں کے غم دور کرتا ہے ، کیوں کہ وہ غفار ہے ۔

---

(۱۱)
عاقل شاہ سیرانی

عاقل شاہ بخاری صاحب سیرانی[1] کی کرامت کا بیان ، جنھوں نے اپنا مکان جوڑیاں والے چاہ پر بنا کر وہاں ایک خوب صورت باغیچہ لگایا ۔

عاشور بیگ ایک نہایت مشہور مغل تھا ۔
وہ آموں تلے اپنے ہاتھی اور گھوڑے باندھ کر آرام سے سو گیا ۔
ایک گھوڑا وہاں سے چھوٹ کر فقیر کے باغیچے میں جا گھسا ۔
فقیر نے اسے ڈرایا تو وہ گھوڑا گر پڑا ۔
مرزا صاحب بیدار ہوئے تو انھیں اپنا گھوڑا لنگڑاتا نظر آیا ۔
غصے سے لال بھبوکا ہو کر اس نے ہاتھ میں کوڑا لیا
اور فقیر سائیں کو کوڑے کی دو سخت ضربیں رسید کیں ۔
شاہ صاحب نے خاموشی سے کوڑے کھا لیے ، انھوں نے ذرا بھی آواز نہ نکالی ۔

---

۱ ۔ چونکہ شیرانی پٹھان ہیں ، اس لیے اس بزرگ کا بخارا سے آنا واقعے کے مطابق نہیں ہو سکتا ۔ مرتب

صرف اتنا کہا : ''مرزا ! اگر تجھے پیشانی پر گولی لگے
تو یہ سمجھنا کہ وہ تیرے اعمال کا پھل ہے ، تقدیر کا اثر نہیں''۔
وہ شہر جالندھر کے اندر داخل ہو رہا تھا کہ ایک گولی سیدھی اس
کی طرف آئی
اور اس کے ماتھے پر لگی ، جس سے اس کی جان لبوں پر آ گئی ۔
دوستو ! کیا ایسی گولی لگنے کے بعد کوئی بچتا بھی ہے ؟
اللہ کی جو تقدیر تھی ، وہ اس کے حق میں پوری ہو گئی ۔

اب حضرت عاقل شاہ صاحب بخاری کا فیض اثر مزار اسی مقام پر موجود ہے ۔ وہاں ہر سال ایک مختصر سا میلہ لگتا ہے ، فقیر لوگ یہاں آتے ہیں اور رقص کرتے ہیں ۔ یہ پر فضا جگہ بستی شیخ درویش کے رقبے میں جالندھر جانے والی پختہ سڑک کے کنارے مشرق جانب واقع ہے ۔

(۱۲)
اعظم شاہ

میاں اعظم شاہ صاحب کا تذکرہ، جو پوٹھووال (گجرات) کے رہنے
والے تھے ، بعد میں بجواڑا[۱] میں سکونت اختیار کی اور
آخری دم تک وہیں رہے ۔

میاں احمد شاہ قادری بہت با کمال پیر تھے ۔
ان کی بزرگی اور کرامت کی برکت سے ملک خوش حال ہو گیا ۔
اگرچہ انھوں نے حکومت سے کوئی جاگیر نہیں لی تھی مگر ان کا لنگر
بہت وسیع تھا ۔
واللہ سب درویش اور مسافر وہاں سے کھانا کھاتے مگر اس میں کبھی
کمی نہ آتی ۔
ایک دفعہ بجواڑا میں ایک بڑی بارات آئی ۔
میاں احمد شاہ صاحب نے ان کی دعوت کی ، لانگری[۲] نے سنا تو آپ کی
خدمت میں عرض کی :

---

۱ ۔ ضلع ہوشیار پور ۔
۲ ۔ لنگر کا منتظم ۔

''حضرت ! صرف بیس سیر چاول موجود ہیں اور بیس سیر گھی ہے ،
ایک بکری کا بچہ ہے ، اس کے علاوہ آور کچھ نہیں ۔
باراتیوں کی تعداد کئی سو ہے ، سو کے قریب درویش بھی ہیں ۔
سب کے حصے میں بس ایک ایک لقمہ آئے گا ، آپ خود غور فرما لیں''۔
حضرت نے یوں جواب دیا : ''فکر نہ کرو ؛
تم دو بار کھا لینا ۔ ہاں ، ذرا گھی مجھے دکھا کر ڈالنا ''۔
پلاؤ تیار ہو گیا تو سب سے پہلے بارات کو بلایا گیا ۔
ہر ایک کی خوب تواضع کی گئی اور انہیں خوب اچھی طرح سے کھانا
کھلایا گیا ۔
اس کے بعد بورے شاہ کو دگنا حصہ دیا
اور درویشوں کے کھانے کے بعد جو کچھ باقی بچا ، وہ غریبوں میں
تقسیم کر دیا ۔
دوستو ! ایک دفعہ جب حضرت بستی شیخ (درویش) میں آئے ،
صاحب داد نے آپ کی دعوت کی اور تیس سیر چاول پکائے ۔
جب آپ کھانا کھانے کے لیے روانہ ہوئے تو یوں ہوا
کہ جو بھی راستے میں ملتا ، آپ کے ساتھ ہو جاتا اور اس طرح سو کے
قریب لوگ جمع ہو گئے ۔
صاحب داد مراثی کہنے لگا : ''اتنے لوگ آ گئے ہیں ،
انہیں کھانا کھلا کر میں تو مقروض ہو جاؤں گا ''۔
حضرت نے فرمایا : ''غم نہ کر ، صرف ہمیں اتنا بتا دے
کہ تو نے جو کھانا پکایا ہے ، وہ کتنے سیر ہے ؟''
اس نے عرض کی : ''کم و بیش تیس سیر چاول ہیں ۔
میں نے ان ہی درویشوں کے لیے کھانا تیار کر رکھا تھا ''۔
حضرت نے کہا : ''اچھا کھانا میرے پاس لے آ ۔
اللہ اسی میں برکت دے گا ، تو غم کو ذرا بھی پاس نہ آنے دے''۔
حضرت نے خود اپنے ہاتھ سے وہ پکے ہوئے چاول تقسیم کیے ۔
دوستو ! سب لوگ بھی سیر ہو گئے اور نصف چاول بھی بچ گئے ۔
لوگوں نے ان کا یہ طریقہ دیکھا ہے کہ ان کے پاس جتنی نذر و نیاز
آتی تھی ،
وہ سب بانٹ دیتے تھے ، اس میں سے اپنے پاس کچھ نہیں رکھتے تھے ۔

(۱۳)
صوفی احمد

صوفی احمد[1] صاحب کے ظاهری و باطنی کمالات کا ذکر ۔ جو
خاص جالندھر محله کشن چند ا کے رهنے والے تھے ۔ آپ
شیخ انوار[1] صاحب سکنه بجوھا خورد ، تحصیل نکودھر کے
خاص مرید تھے ۔

جب اپنے کسی بندے پر اللہ کی نظر کرم ھوتی ھے تو
وہ ایسے کسی پیر کامل سے ملا دیتا ھے اور وہ اس کے دل سے سب
میل دور کر دیتا ھے ۔
صوفی احمد شیخ ایک عظیم انسان تھے ۔ وہ محنت سے روٹی کماتے ،
لوگوں کو نیکی کی هدایت کرتے اور اپنے پیر سے بہت عقیدت رکھتے ۔
یہ کھلا راز ھے کہ خدمت ھی سے بزرگی حاصل ھوتی ھے ۔
صوفی صاحب اپنے پیر انوار صاحب کی مہربانی سے ولی مرد ھو گئے ،
عابد اور زاھد ۔ بڑے بوڑھے یوں بیان کرتے ھیں
کہ جب صوفی صاحب کی کشف و کرامات مشہور ھوئیں
اور انھوں نے اپنے زھد و تقوے کے باعث شہرت حاصل کی
تو بہت سے عالم فاضل ان کے مرید ھو گئے ۔ سب لوگوں کو یہ
معلوم ھے ۔
مولوی محمد خلیل صاحب کسی کے مرید ھونا چاھتے تھے ۔
انہوں نے بہت تلاش و جستجو کی مگر انھیں کوئی کامل بزرگ نظر
نہ آیا ۔
مولوی صاحب کے دل میں کئی بار خیال آیا :
'میں صوفی صاحب کی بیعت تو کر لوں ، مگر ھے وہ بہت سادہ اور
جاھل ۔
ایک رات انھیں خواب میں یہ اشارہ ھوا : ''صوفی کو اپنا پیر بنا لو ،
تمھیں اس سے دین و دنیا میں ظاھری اور باطنی فوائد حاصل ھوں گے''۔
دوسری رات انھیں استخارے میں بتایا گیا :

---

۱ ۔ یہ دونوں حضرات بالکل مقامی بزرگ ھیں ۔ مرتب

"آپ صوفی کی بیعت ہو جائیں ، آپ کے سارے گناہ دھل جائیں گے ۔
جب تیسری رات پھر مولوی صاحب کو یہی اشارہ ہوا
تو وہ فوراً جا کر صوفی صاحب کے مرید ہو گئے ۔
پھر صوفی صاحب کی برکت اور صحبت کا یہ نتیجہ ہوا
کہ انھیں تصوف کے تمام مدارج حاصل ہو گئے اور انھوں نے ہر مقام کی سیر کر لی ۔
حافظ محمد اکبر صاحب بہت عالم فاضل اور معتبر شخص تھے ؛
انھیں قرآن پاک کی سات تفسیریں از بر تھیں ۔
جب حافظ صاحب نے یہ سنا کہ ان کا ایک قابل شاگرد
بہت کوشش سے صوفی صاحب کا مرید ہو گیا ہے ،
تو کہنے لگے : "بظاہر یہ بات عجیب سی معلوم ہوتی ہے کہ
کوئی عالم سوچے سمجھے بغیر کسی جاهل کا مرید ہو جائے"۔
حافظ صاحب صوفی صاحب کی ملاقات کے لیے آئے
تو صوفی صاحب نے کہا :
"میں اللہ پاک کے قربان جاؤں ، انھوں نے مجھ پر بہت مہربانی کی ہے
کہ ایک عالم فاضل اور عقل مند انسان کو میرے ہاں بھیج دیا ہے ۔
آپ کی خدمت میں میری ایک گزارش ہے ؛ اگر آپ اسے قبول فرمائیں تو زہے قسمت !
سورۂ فاتحہ کی تفسیر بیان کر کے ہمارا دل خوش کیجیے"۔
حافظ جی نے تھوڑے سے تامل کے بعد فرمایا :
"میں اب سب کچھ بھول گیا ہوں ، ایک لفظ بھی بیان نہیں کر سکتا"۔
صوفی صاحب کہنے لگے : "حافظ صاحب ! ہم غریب درویشوں کو
نفرت اور حقارت کی نظر سے نہ دیکھا کیجیے ۔
اللہ اپنے جس بندے کو باطنی علم عطا فرماتا ہے ،
اس کے لیے سب ظاہری علوم آسان ہو جاتے ہیں"۔
اس کے بعد کہا : "حافظ صاحب ! مہربانی فرما کر
کچھ مسائل بیان کیجیے تاکہ دل کو تسکین حاصل ہو"۔

تب حافظ صاحب نے ایسی تقریر کی
کہ بہت سے لوگ بے ہوش ہو گئے اور باقی سب رونے لگے ۔
مولوی صاحب کو ذکر کی تلقین کرنے کے بعد ،
ایک روز صوفی صاحب نے ان سے کہا :
''آپ ہر جمعہ کے روز وعظ کیا کریں ، لوگوں کو اس سے بہت فائدہ ہوگا
اور وہ گمراہی چھوڑ کر سیدھی راہ پر آ جائیں گے''۔
مولوی صاحب اپنے پیر کے حکم کے مطابق منبر پر جا کر بیٹھ تو گئے
مگر ان پر اس قدر رقت طاری ہوئی کہ ایک بھی مسئلہ بیان نہ کر سکے ۔
یہ سن کر صوفی صاحب نے یوں کہا :
''جس شخص نے علم پڑھ لیا مگر فقیری کا سبق نہ لیا ، اس نے پڑھا بھی تو کیا پڑھا ؟''
پھر کہا : ''اچھا ! اگلے جمعہ میں بھی وہاں جاؤں گا ۔
اس دن میری موجودگی میں منبر پر بیٹھ کر وعظ کہنا''۔
دوسرے جمعے صوفی صاحب بھی مسجد میں آ کر کھڑے ہو گئے۔
اب مولوی صاحب نے وعظ کیا تو ان کے اپنے اوپر ذرا بھی رقت طاری نہ ہوئی ؛
البتہ لوگوں کی یہ حالت تھی کہ وہ سب آہ و زاری میں مصروف تھے ،
اور مولوی صاحب یوں تقریر کر رہے تھے جیسے دریا جاری ہو ۔
جب مولوی صاحب حج کے لیے تیار ہوئے تو
صوفی صاحب نے انھیں اجازت دے دی اور فرمایا : ''کیا مبارک ارادہ ہے !
ملک عرب میں میرا ایک دوست گھاٹی پر رہتا ہے ؛
اسے وہاں جاتے ہی سلام کہنا ، اس میں دیر نہ کرنا''۔
مولوی صاحب حج بیت‌اللہ سے فارغ ہوئے
تو وہ اس پہاڑ پر چلے گئے ، جہاں انھیں فقیر کا پتا بتایا گیا تھا ۔
وہاں اس فقیر نے دیکھتے ہی کہ دیا :

''اے محمد خلیل ! تجھ پر سلام ہو ۔ کیا صوفی خوش ہے ؟''
وہ خدا کا بندہ برقع پوش تھا اور ان سے بہت اچھی طرح پیش آیا ۔
رات انہیں اپنے پاس بٹھایا ، ان کی خوب تواضع کی ، صبح کے وقت کہنے لگا :
اگر آپ ٹھہرنا چاہیں تو یہ آپ کا گھر ہے ، جانا چاہیں تو ہمارا آپ پر کچھ زور نہیں''۔
مولوی صاحب نے جواب دیا : ''آپ کی مہربانی ، مجھے اب اجازت دیجیے''۔
اس مرد خدا نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور ان کے ساتھ ہو لیا ۔
تھوڑی دور گئے تو آگے دلدل آ گئی ، مٹی اور پانی ملے ہوئے تھے ؛
اس سے آگے پانی سے بھری ہوئی کھائی تھی ۔
کہنے لگے : ''اس کو ضرور یہیں سے چھلانگ لگا کر پار کرنا ہے''۔
جب ہم چھلانگ لگا کر وہاں سے پار ہو گئے ،
تو کہنے لگے : ''بس صاحب ! اب ہم یہاں سے آگے نہیں جائیں گے ۔
ہمارا عبادت کا وقت ہو گیا ہے ، ہم اس میں کیوں کر کوتاہی کر سکتے ہیں ؟
آپ گھر پہنچتے ہی صوفی صاحب کو فوراً ہمارا سلام کہ دیں''۔
فقیر یہ کہ کر نظروں سے کہیں غائب ہو گیا ۔
اور حاجی صاحب دو قدم آگے بڑھے تو ایک مشہور شدہ مقام میں پہنچ گئے ۔
یہ لاہور شہر کی ایک جگہ تھی جسے وہ کئی بار دیکھ چکے تھے ۔
کٹھن راہ ختم ہوئی ، انہوں نے خدا کا شکر ادا کیا ۔
انہوں نے صوفی صاحب کی خدمت میں فقیر کا سلام پہنچایا ۔
سلام کا جواب دینے کے بعد صوفی صاحب نے کہا :
''آپ نے جو پانی سے لبریز کھائی دیکھی تھی ، وہ بحر ذخار تھا ۔
اس سے پہلے جو دلدل تھی ، وہ اُس طرف کا کنارا تھا ۔
اتنی لمبی مسافت کا اس قدر جلدی طے ہو جانا
فقیری نہیں ، درویشی اور چیز ہے ۔
ایسے کرشمے دکھا دینے کوئی مشکل بات نہیں ۔
سب سے بڑی نعمت اور سب سے بڑی چیز اللہ کی پہچان ہے''۔

صوفی صاحب کوٹ کشن چند میں رہتے تھے ؛
ریلوے اسٹیشن وہاں سے صاف نظر آتا ھے ؛ درمیان میں کوئی روکاوٹ نہیں ۔

(۱۴)

سید کبیر

حضرت سید کبیر[۱] صاحب جالندھری کی کرامات ـــ صرف توکل پر گزارہ کرنا ، کوئی چیز جمع نہ رکھنا ، مٹی کے تودے کو سونا بنا دینا اور طمع سے بالکل خالی ہونا ۔

حضرت سید کبیر صاحب کامل ولی تھے
وہ یاد خدا سے فارغ ہونے کے بعد درس و تدریس میں مشغول رہتے ۔
اللہ کی مہربانی سے ان کی آمدنی کثیر تھی ،
مگر وہ ایک وقت کا خرچ اپنے پاس رکھنے کے بعد باقی سب کچھ خیرات کر دیا کرتے تھے ۔
وہ بازار سے دو وقت کی کھانے کی اشیاء کبھی اکٹھی نہ منگاتے ؛
بلکہ دو وقت کے لیے دو بار آدمی بھیجتے اور اپنے اس طریقے پر مضبوطی سے قائم رہے ۔
ایک مرید نے جب آپ کا اس طرح گزارہ دیکھا ،
تو اس نے اپنے دل میں خیال کیا : 'اس کے متعلق کچھ تدبیر کرنی چاھیے'۔
آخر اس نے ایک بل[۲] بطور نذر پیش کرنے کے بعد عرض کی : ''اے پیر !
یہ اکسیر ھے ، اس سے ایک لاکھ کی چاندی بن سکتی ھے''۔
حضرت نے جواب دیا : ''اگر تیری یہی خواھش ھے
تو اسے وہاں طاق پر رکھ دے اور اپنے گھر چلا جا''۔

---

۱ - کوئی معمولی مقامی بزرگ - مرتب
۲ - ایک پھل ھے جسے سوکھنے کے بعد اندر سے خالی کر کے فقیر پیالہ بنا لیتے ھیں - مرتب

وہ اپنے گھر چلا گیا اور اس نے یہ خیال نہ کیا
کہ بل کے اندر کچھ ہے بھی یا نہیں ۔
کچھ وقت گزر جانے کے بعد جب وہ شخص دوبارہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا
تو اس نے دیکھا کہ حضرت اسی طریق کے مطابق اپنا گزارہ کر رہے تھے۔
اس نے عرض کی : ''یا حضرت ! میرا ایک سوال ہے ؛
اب آپ کیوں تنگی سے گزر کرتے ہیں ؟ اب آپ خوش حالی سے کیوں بسر نہیں کرتے ؟''
آپ نے فرمایا : ''وہاں سے مٹی کا ایک ٹکڑا اٹھا لا ؛
پھر تجھے معلوم ہو جائے گا کہ رب رحیم کی طرف سے ہمیں کیا قدرت حاصل ہے''۔
حضرت نے اس مٹی کو چھوا تو وہ سونا ہو گئی ۔
کہنے لگے : ''خدا نے ہمیں سب کچھ دے رکھا ہے مگر ہمیں اللہ پر متوکل ہونا واجب ہے''۔
پھر کہنے لگے : ''آپ کا بل وہیں ہے ،
ہمیں اس کی ضرورت نہیں ، آپ اسے لے جائیں''۔
مرید نے وہاں جا کر دیکھا تو وہ بل جوں کا توں تھا ۔
اس نے اپنا قصور تسلیم کیا اور گستاخی کی معذرت چاہی ۔

(۱۵)

محمد صفا

محمد صفا صاحب کی کرامت کا بیان ۔ پورا ایک مہینا مرہٹوں کی قید میں رہے اور بغیر کچھ کھائے پیے زندہ رہے ۔ ان کی توانائی میں ذرا فرق نہ آیا ۔ ان کا مزار بستی شیخ درویش میں ہے ۔

جو شخص اللہ کا محبوب ہوتا ہے ،
اللہ اس کے سب کام بنا دیتا ہے ۔
کہتے ہیں جب مرہٹے آئے تھے ،
انہوں نے دیہات پر جرمانے عائد کیے ۔

جس نے جرمانہ ادا کر دیا ، اسے چھوڑ دیا ؛
جو ادا نہ کر سکا ، اسے تنگ کیا ۔
جس گاؤں کا جرمانہ بقیہ ہوتا ، وہاں سے
وہ ظالم چند سرکردہ اشخاص کو گرفتار کر کے لے جاتے ۔
وہ بدخو بستی شیخ درویش سے بھی
دو تین اشخاص کو پکڑ کر لے گئے ۔
ان میں سے دو تو دولت مند تھے ،
تیسرا میاں صفا ایک فقیر شخص تھا ۔
ان دونوں نے تو مقررہ رقم ادا کر دی
اس لیے انھیں اجازت مل گئی اور وہ اپنے گھر کو واپس آ گئے
مگر اے دوست ! اس غریب اور عاجز آدمی کو
انھوں نے کئی منزلوں تک اپنی قید میں رکھا ۔
پھر جب گھوڑوں میں بہت بیماری پھیل گئی
تو مرہٹوں کی فوج اس سے بہت لاچار ہوئی ۔
سردار نے دریافت کیا : ''کیا وجہ ہے ،
گھوڑوں پر یہ غضب کیوں نازل ہوا ہے ؟''۔
امیروں نے جواب دیا : ''اس قیدی نے
ایک مہینے سے نہ کچھ کھایا ہے ، نہ پیا ہے''۔
یہ سن کر سردار نے ڈر کے مارے
انھیں دوسرے دن علی الصبح واپس آنے کی اجازت دے دی ؛
بلکہ ساتھ اپنی سواری بھی دی
اور سفر کی تکلیف کے بغیر انھیں ان کے گھر پہنچا دیا ۔

حکایت ۴۸

راجا رسالو کے متعلق دو گیت

جیسا کہ انھیں فیروز پور میں بالخصوص اور پنجاب کے تمام شہروں میں بالعموم گایا جاتا ہے

یہ گیت اپنی قسم کے گیتوں کا بہترین نمونہ ہیں ۔ ان سے معلوم ہو جاتا ہے کہ پنجابی ان مضامین کو جن کی تفصیلات انھیں معلوم ہوں ، کس طرح گیتوں میں جزوی طور سے اور معموں کی صورت میں بیان کرتے ہیں ۔

پہلا گیت مشہور راجا رسالو اور اس کی رانی کوکلاں کے متعلق ہے ۔ یہ واقعہ جلد اول میں بالتفصیل دیا جا چکا ہے مگر آئندہ صفحات کو قابل فہم بنانے کے لیے میں یہاں دوبارہ اس کا خاکہ پیش کرتا ہوں :

راجا رسالو نے راجا سرکپ سے چوپڑ کھیلا ۔ شرط یہ تھی کہ ہارنے والے کا سر لیا جائے گا ۔ رسالو نے بازی جیت لی اور سرکپ کا سر لینے کی بجائے اس کی ننھی بیٹی کوکلاں کو اپنی آئندہ بیوی کے طور پر لے گیا ۔ لڑکی کے ساتھ اسے آم کا ایک ننھا پودا بھی دیا گیا ۔ جب اس آم کے پودے کو پھل آنا تھا ، اس وقت کوکلاں کو بیاہ کے قابل ہونا تھا ۔ اس گیت میں اس کی طرف اشارہ موجود ہے ۔ بلوغت کے بعد کوکلاں رسالو کے ساتھ شکار کھیلنے کے لیے گئی اور اس نے وہاں ہیرا ہرن پکڑا ؛ اس سے رسالو کے دل میں حسد پیدا ہوا ۔ اس نے ہرن کے کان اور دم کاٹ ڈالی جس کے باعث اسے ہرنوں نے اپنے گلے سے نکال دیا ۔ ہیرا

انتقام کی خاطر راجا رسالو کے حریف راجا ھوڈی کے ھاں چلا گیا اور اسے اپنے پیچھے رسالو کے باغ تک لے آیا ۔ یہاں ھوڈی کی کوکلاں سے ملاقات ھو گئی اور ان دونوں کے درمیان معاشقے کا آغاز ھوا ۔ ایک مینا اور ایک طوطا کوکلاں کے پاسبان تھے ، طوطے نے رسالو کو اس معاشقے سے آگاہ کر دیا ، رسالو نے کوکلاں کے محل کی حالت سے اندازہ کر لیا کہ وھاں کوئی غیر آتا ھے ۔ اس نے اس کا انتقام یوں لیا کہ کوکلاں کو اپنے عاشق کا دل پکانے اور کھانے پر مجبور کیا ۔ اگر ان اشعار کی زبان کا مقابلہ جلد اول کے گیت سے کیا جائے تو پتا چلے گا کہ اس حکایت کا شاعرانہ بیان سارے پنجاب میں تقریباً ایک جیسا ھے ۔

دوسرے گیت کا معمہ آسانی سے حل نہیں ھوتا ۔ بظاھر اس کا تعلق راجا رسالو اور اس کی مالن کے کسی معاشقے سے ھے ، جس کا نتیجہ اس کی رانی کی ناراضگی کی صورت میں ظاھر ھوا ۔ میں نے ابھی تک وہ پوری کہانی نہیں دیکھی ، جس کی طرف یہ گیت اشارہ کرتا ھے ۔ یہاں برسات کی کسی رات کی طرف اشارہ ھے اور راجا رسالو کی طویل حکایت میں جا بجا ایسے مجمل اشارے ملتے ھیں جو کہانی میں نہایت نا مناسب طریقے سے لے آئے جاتے ھیں۔ برسات کی اس رات کی اصل کہانی معلوم کرنا دلچسپی سے خالی نہ ھوگا۔

---

(۱)

راجا رسالو کا گیت

(رانی کوکلاں گا رھی تھی) : ”شاخ پر آم پک رھا ھے اور ھم
دونوں کے دل ایک دوسرے کے لیے ترس رھے ھیں ۔ اے راجا !
آم پک گیا ھے ، رس ٹپکا پڑتا ھے ، مگر چوسنے والا دور بیٹھا ھے ۔
بھرا ھوا جوبن شہر کے بازار میں آواز دے رھا ھے ۔
جن کی جیب میں قیمت ھے ، وہ آ کر قیمت ادا کریں ، اے راجا[۱] !

---

۱ - اس سارے پیرے کا مطلب یہ ھے کہ اب رانی جوان ھو چکی ھے ۔ مرتب

رانی نے راجا سے بہ اصرار کہا : ” راجا جی ! ہم تو جنگل میں شکار کھیلنے کے لیے جائیں گے“۔

رانی نے پہلا تیر چلایا اے راجا ! اور اس نے هیرا هرن کو داغ لگا دیا ۔

” اے رانی ! عورتوں کا مارا ھوا ھرن مرد نہیں کھا سکتے“۔

ھرنیاں اسے طعنے دینے لگیں : ”اے ھیرا ! کان اور دم کٹوا کر آ گئے ھو ، اے راجا ھیرا!“

”اے راجا ! ہم تین سو ھرنیاں ھیں اور ھیرا ھم سب کا سردار ھے“۔

ھیرا نے جاتے جاتے کہا : ”اے راجا ! اگر میں نے تیرے محل میں چور نہ پہنچایا تو مجھے ھیرا ھرن نہ کہنا“۔

محلوں کے نیچے پھرتے ھوئے راجا ھوڈی سے کوکلاں نے کہا : ”اے راجا ! شریف آدمی ھو یا چور؟“

”اے رانی ! چوروں کے کپڑے میلے ھوتے ھیں ، شریفوں کی پوشاک سفید ھوتی ھے ، رانی جی“!

”اے راجا ! اندر کی طرف سیڑھیاں موجود ھیں ، ان پر سے بے کھٹکے چلا آ ، اے راجا جی!“

”اے رانی ! تیرا محل مٹی کا ھے ، ذرا سے دھماکے سے ٹوٹ جائے گا ، رانی جی!“

”اے راجا ! تیرا محل کانچ کا ھے ، میرے ل میں تو بے شک گھوڑے سمیت آ جا“۔

”اے رانی ! پہلی سیڑھی پر چڑھتے چڑھتے میرا گھوڑا تو مالک کے پاس پہنچ گیا ھے ، رانی جی!“

”اے راجا ! میں اپنے کانوں کی بالیاں فروخت کر دوں گی اور تیرا گھوڑا چھڑا لوں گی ، راجا جی!“

”اے رانی ! تیری بالیاں زیادہ سے زیادہ چالیس روپے کی ھیں اور میرا گھوڑا تو ڈیڑھ ھزار کا تھا ، رانی جی!“

(رانی نے راجا رسالو سے کہا) : ”اے راجا ! مینا اور طوطے میں لڑائی ھو گئی تھی ؛ مینا نے اپنے بال نوچ ڈالے ، طوطے نے اپنا چندن ھار توڑ ڈالا“۔

(پھر رانی نے طوطے سے کہا) : ”اے طوطے ! تجھے گھی میں کوٹ

کوٹ کر چوری کھلاتی رہی ہوں مگر تیری ذات ہی
نمک حراموں کی ہے''۔

طوطے نے جا کر بتا دیا : ''اے راجا ! تیرے محل میں ایک چور کا آنا
جانا ہے ، اے راجا جی!''

راجا رسالو نے کہا : ''اے طوطے! آٹھ طوطے ہیں ، نو مینائیں ، (ان کے
علاوہ) ایک ایک کھڑکی میں ایک ایک مور بیٹھا ہوا ہے ؛
چور محل میں کیسے آ گیا؟''

''راجا ہوڈی سوار ہوا ، پھر وہ باغ میں درختوں کے نیچے آ اُترا ،
اے راجا!''

راجا رسالو نے پوچھا : ''اے رانی ! میرا کنواں کس نے استعمال کیا
ہے ؟ اس کی من گیلی ہے''۔

''میں پیاس سے مر رہی تھی اے راجا! میں نے کنویں سے پانی لیا تھا ،
اس لیے من گیلی ہے ، راجا!''

''رانی ! میرے آم کس نے چوسے ہیں ؟ یہ تازہ چھلکے پڑے ہیں ،
رانی جی!''

''اے راجا ! مالن تحفہ لائی تھی ، اس لیے یہ چھلکے بکھرے ہوئے ہیں
اے راجا!''

''اے رانی ! میری چوکی پر بیٹھ کر کون نہا رہا تھا ؟ دور تک آواز
گئی ، رانی جی!''

''اے راجا! میں گرمی کے مارے نہائی تھی ، اس لیے دور تک آواز پہنچی
راجا جی!''

''اے رانی ! میرے پلنگ پر کون لیٹا تھا ؟ اس کی نواڑ ڈھیلی ہے ،
رانی جی!''

''اے راجا ! میں درد کے مارے لیٹ گئی تھی ، اس لیے نواڑ ڈھیلی ہے،
راجا جی!''

(راجا رسالو نے راجا ہوڈی سے کہا) : ''پردے کے پیچھے بیٹھے ہوئے
کیوں تھر تھر کانپ رہے ہو ؟ اے راجا!
اے راجا ! تو نے پرایا پھل کھایا ہے ، تو اب موت سے کیوں
ڈرتا ہے؟''

(رانی کوکلاں بولی) : ''اے راجا ! اب ہمیں بیٹھ کے گالیاں دیتے ہو؟

هم کھڑے ہیں، ہمیں طعنے نہ دو ، راجا جی!“
اے راجا ! جس کا تو مجھے طعنہ دیتا ہے ، میں اسی کے ساتھ جان دوں گی ، راجا جی!“
رانی نے اندر جا کر راجا رسالو سے پوچھا : ”اے راجا ! میں تیری بہن ہوں یا بیٹی[۱] ؟“
”تو راجا سرکپ کی بیٹی ہے ، راجا رسالو کی عورت ہے۔ اے رانی ! میں تجھے بازی میں جیت لایا تھا ۔
نہ تو میری بہن ہے رانی جی ! نہ بیٹی ہے ۔
”اے رانی ! میں تجھے اس کا دل نکال کے دوں گا اور اس کے کباب بھون کر کھلاؤں گا“۔
اے رانی ! جسے تو نے زندگی میں اپنا شوہر بنایا تھا ، اب مرنے کے بعد اس کا گوشت کھا “۔
”اے راجا ! کوئی آک کی ککڑی نہیں کھاتا ، نہ کوئی سانپ کا گوشت کھاتا ہے۔
اے راجا ! پرائی چھاچھ کا مزا پانی کا سا ہوتا ہے ، راجا جی !
اے راجا! پرائی آگ تاپنے سے راکھ اڑ اڑ کر منہ پر پڑتی ہے، راجا جی!
اے راجا ! کسی اور کے بیٹے کا منہ چومنے سے ہونٹوں پر سرخی لگ جاتی ہے ۔ راجا جی !
اے راجا ! دوسرے کی عورت کی خدمت کی جائے تو وہ اپنی نہیں ہو سکتی ، راجا جی !
اے راجا ! تلوار ، گھوڑا اور عورت——تینوں بے وفا ہیں ۔
تلوار مالک کا بھی سر کاٹ دیتی ہے ، گھوڑا میدان میں شکست دلاتا ہے ، عورت جہاں خوب صورت شوہر دیکھتی ، وہیں دن رات رہتی ہے ۔
مکھی ، مچھلی اور عورت تینوں نیچ ذات ہیں ؛
جہاں کہیں عیش و عشرت دیکھیں ، وہیں دن رات رہتی ہیں“۔

۱۔ اشارہ اس طرف ہے کہ تو نے آج تک مجھے بیوی نہیں سمجھا ۔ مرتب

(۲)

راجا اور مالن کا گیت

''اے راجا ! کس کے صحن میں کیوڑا پھول لا رہا ہے ؟
اے راجا ! رانی کے صحن میں لیموں ہے، مالن کے صحن میں کیوڑا پھول لا رہا ہے۔
لیموں کون چوستا ہے ؟ کیوڑے کے پھولوں سے کون لطف اندوز ہوتا ہے ؟
رانی لیموں چوستی ہے ، مالن کیوڑے کے پھولوں سے لطف اندوز ہوتی ہے۔
رانی نے کہا : ''ٹھنڈا پانی گرم کر رکھا ہے ، آؤ راجا نہا لو''۔
(راجا کہتا ہے) ''نہیں ، اگر نہانا چاہے تو ہماری رانی نہا لے''۔
''گرم کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے ، راجا ! آؤ کھانا کھا لو''۔
''گھر کی رانی کھانا کھائے ، میں تو مالن کے ہاں کھانا کھاؤں گا ''۔
''اونچے محل میں پلنگ بچھا ہے ، سرخ پلنگ ہے اور سفید چادر ۔ آؤ راجا ، ذرا آرام کرو''۔
''گھر کی رانی یہاں آرام کرے ، میں تو مالن کے ہاں جا کر لیٹوں گا ''۔
آدھی رات کو مینہ برسا ، (رانی کہ رہی تھی) ''خدایا ! مالن کی جھونپڑی گر جائے !''
راجا نے کہا : ''خدایا اگر گرنا ہے تو رانی کا محل گرے ، مالن کی جھونپڑی خوش و خرم نظر آئے''۔
آدھی رات کو مینہ برسا ، (رانی کہ رہی تھی) ''خدایا ! مالن کی جھونپڑی ٹپکنے لگے !''
آگے آگے راجا تھا اور پیچھے پیچھے مالن ، وہ اس طرح راجا کے محل میں پہنچے ۔
راجا نے کہا : ''رانی ! اٹھو اور دروازہ کھولو''۔
راجا بھیگا ہوا تیرے دروازے پر کھڑا ہے ۔ اٹھ ، اے بے رحم رانی ! جلدی آ ۔
سردی پاؤں سے میرے سر کو چڑھ رہی ہے''۔
''اے باندی ! اٹھ ، دروازہ کھول ، راجا اپنے گھر آیا ہے''۔

''کورے گھڑے کا ٹھنڈا پانی موجود ہے ؛ راجا اٹھو، نہا لو ۔
باسی روٹی اور آم کا اچار رکھا ہے ؛ اے راجا ! اٹھ کر کھانا کھا لو ۔
ٹوٹی ہوئی چارپائی ہے ، جس کا بان پرانا ہے ، آؤ راجا ، یہاں لیٹ جاؤ ۔
راجا ! ہمارے محل میں تو بہت مچھر ہیں ، گود کا بچہ رو رہا ہے[۱] ''۔

---

۱ - رانی یہ سب کچھ طنزیہ کہ رہی ہے ، کیوں کہ راجا نے اسے مالن کی وجہ چھوڑ دیا تھا ۔ ا مرتب

حکایت ۴۹

رانی کوکلاں کی کہانی

ضلع ہوشیار پور کے ایک بھاٹ کی زبانی

اگرچہ یہ مشہور کہانی بھی دوسری کہانیوں کی طرح جزوی اور ناتسلی بخش ہے مگر اس کی موجودہ مختلف روایت اس لحاظ سے مفید ہے کہ اس سے سابقہ کہانیوں کے غیر مربوط واقعات کو آپس میں ملانے کے لیے کافی مدد ملتی ہے ۔ اسے خاص طور سے جلد اول میں دی گئی کہانی کے آخری حصے اور سابقہ دو گیتوں کو ملا کر پڑھنا چاہیے ۔

موجووہ کہانی میں ایک ہی نئی بات ہے کہ یہاں راجا ہوڈی اپنے آپ کو راجا ہٹیا، والیٔ بدنا کا بیٹا بتاتا ہے ۔ جلد اول میں اس نے اپنے آپ کو اٹک کے راجا اٹکی مل کا بیٹا بتایا تھا ۔ پنجاب کے دو اضلاع ــــ سیالکوٹ اور راولپنڈی کا دعویٰ ہے کہ وہ خاص طور سے راجا رسالو کے کارناموں کی سرزمین رہے ہیں ۔ کوکلاں اور ہوڈی کے واقعے کا تعلق بالعموم راولپنڈی سے بتایا جاتا ہے ۔ بعض بھاٹ رسالو سے متعلقہ ہر واقعے کا تعلق سیالکوٹ اور اس کے گرد و نواح سے بتاتے ہیں ۔ ممکن ہے ضلع ہوشیار پور کا یہ بھاٹ ، جو چٹھوں کا خاندانی بھاٹ ہے (چٹھے ضلع گوجرانوالہ کا ایک جاٹ قبیلہ ہیں) ، ساری کہانی میں سیالکوٹ ہی کی طرف اشارہ کر رہا ہو اور بدنا سے اس کی مراد ضلع سیالکوٹ کا بدیانا ہو ۔ راجا ہوڈی کی شخصیت بے حد غیر معروف ہے ، مگر یہ امر تقریباً یقینی ہے کہ اس کا وطن راولپنڈی اور پشاور کے اضلاع میں تھا ۔

جس دن کوکلاں پیدا ہوئی ، خدا کرے ایسے دن کوئی اور جنم نہ[1] لے ۔

وہ صحن میں کھڑی آئینے میں اپنی صورت دیکھ رہی تھی ۔

رانی کوکلاں[2]

''اپنے زیورات لے جا ، میں نے انھیں پہنا تک نہیں ۔
مجھے[3] تو اپنا جوبن بیچنا ہے ، جو بھی اس کا گاھک ہوگا لے جائے گا''۔

راجا رسالو

''اگر تجھے اپنا جوبن بیچنا ہے تو بازار میں جا کر بیٹھ جا ؛
تیرا حسین چہرہ تجھے بازار میں جگہ دلا دے گا ۔
آنکھوں میں تھوڑا سا کاجل لگا لے اور آنکھوں سے تجارت چلا ؛
کانوں کے ترازو بنا لے اور زلفوں سے ان میں رسیاں ڈال لے ۔
جھکتے پلڑوں سے تولنا شروع کر دے ؛ لاکھوں نہیں کروڑوں گاھک آئیں گے''۔

رانی کوکلاں[4]

''اگر تو شکار کے لیے جا رہا ہے تو مجھے بھی ساتھ لے چل ۔
خود اپنے نیلے گھوڑے پر سوار ہو جانا ، مجھے پیچھے بٹھا لینا ۔

وہ دیکھ ، ھرنوں کی ایک ڈار پربت کی اوٹ میں چر رہی ہے ۔
گھوڑے سے اُتر کر انھیں نشانہ بنا تاکہ تیرے نشانے کا پتا چل جائے ۔
شکار کی دم کاٹ لینا اور اس کے ہونٹ بھی ساتھ نہ رہنے دینا ۔
تیرے مارے ہوئے ھرن چار چار قدم کی چھلانگیں لگاتے ھیں ۔
ھمارے مارے ہوئے ھرن ھمارے دروازے پر کھڑے رہتے ھیں''۔
رانی آرائش و زیبائش کرنے کے بعد وھاں (جنگل میں) بیٹھ گئی تو ھرن اس کے پاس آ کے بیٹھ گیا ۔

---

۱ ۔ وہ دن ایسا منحوس تھا ۔ مرتب
۲ ۔ راجا رسالو سے ۔ مرتب
۳ ۔ کیوں کہ راجا رسالو نے اسے نظر انداز کیے رکھا تھا ۔ مرتب
۴ ۔ منظر بدلتا ہے ، راجا رسالو سے کہ رہی ہے ۔ مرتب

رانی نے اپنے گلے سے ہار اُتار کر اس کی گردن میں ڈال دیا ؛
پھر راجا رسالو کو بلایا -

راجا رسالو

''ھیرے ھرن ! میرے پاس آ جا ؛
میں تجھے چرنے کے لیے چراگاہ دوں گا اور اس میں کنواں بھی لگوا دوں گا''۔

راجا نے اس کے کان اور دم کاٹ ڈالی اور اسے کن کٹا لنڈورا کر دیا ۔

ھیرا ھرن

''میں کالے پہاڑ کا ھرن ھوں ، بلندی سے یہاں آیا تھا ۔
نہ میں نے تیرے کنویں کا پانی پیا ، نہ تیری چراگاہ سے گھاس چری ۔
تو نے مجھ بے گناہ کے کان اور دم کاٹی ، مجھ پر کوئی الزام نہیں لگایا ۔
مجھے ھیرا ھرن نہ کہنا ، اگر میں تیرے محل میں رھزن نہ لے آؤں''۔

ھرن وھاں سے چل دیا اور دوسرے ھرنوں کے پاس پہنچ گیا ۔

دوسرے ھرن

''کان اور دم کہاں کٹوا دی ؟ تو نے تو ھرنوں کی عزت پر داغ لگا دیا۔
جو روٹی[1] چوکے سے اٹھا دی گئی ، پھر اسے وھاں کیسے رکھا جا سکتا ھے ؟''

ھیرے نے انھیں یہ جواب دیا :

ھیرا ھرن

''میری بات سنو !
آؤ راجا ھوڈی کے باغ کو ویران کریں''۔

ھرن راجا ھوڈی کے باغ میں آ کر رھنے لگے ۔

مالی[2]

''راجا ! تیرے باغ میں ھرنوں کی ڈار آ گئی ھے ۔

---

۱ - ھندوؤں کی کھانا کھانے کی مقررہ جگہ ۔
۲ - راجا ھوڈی سے ۔

ان میں ایک ایسا سرکش ہرن ہے کہ اس نے تیرا باغ اجاڑ دیا ہے۔
وہ مروا اور چنبیلی کھا گئے ہیں، انہوں نے آم اور انار توڑ ڈالے ہیں۔
اس ڈار کے ساتھ ایک ایسا سرکش ہرن آ گیا ہے؛
جو پیڑوں کو ایک ہی ٹکر سے زمین پر گرا دیتا ہے۔
خود اپنی آنکھوں سے ملاحظہ کر، باغ بالکل ویران ہو گیا ہے''۔

ہیرا ہرن

''تو ٹھنٹھور[1] کا راجا ہے اور تیری تلوار چمک دار ہے۔
میں تجھے رانی کوکلاں کے پاس لے چلوں گا جو سونے کی مانند ہے''۔

راجا ہوڈی

''اے جھوٹے وعدے کرنے والے! جو اپنے کان کٹوا بیٹھا ہے۔
بوڑھے کی گائے چوری نہیں ہو سکتی، چور نامراد لوٹتا ہے''۔

ہیرا ہرن

''شکاری اُمید لے کر آتے ہیں مگر مجھے شکار نہیں کر پاتے۔
اٹھ، گھوڑے پر سوار ہو جا اور میرے ساتھ چل''۔

راجا ہوڈی[2]

''اے کالی پہاڑیوں میں بسنے والے طوطے!
تیری پیدائش کی سرزمین کون سی ہے؟ کون سا شہر ہے؟ کون سا گاؤں ہے؟
تو کس راجا کا طوطا ہے؟ تیرا نام کیا ہے؟
کون تجھے کھانے پینے کے لیے دیتا ہے؟ کون تیری پرورش کرتا ہے؟
ہم پانی کے پیاسے ہیں، ہمیں ڈول بھر کر پانی پلا دے۔
ہم تیری شہرت سن کر دور سے چل کے آئے ہیں''۔

طوطا

''میں پربت میں بستا ہوں، میں کالی پہاڑیوں میں رہتا ہوں۔

---

۱ - آگے دیکھیے سطر ۴۷۔
۲ - راجا رسالو کے طوطے سے، اب وہ رانی کوکلاں کے محل میں پہنچ چکا ہے۔ مرتب

میں نے گورکھ کے ٹیلے پر جنم لیا تھا ، وہ مشہور جگہ ہے ۔
خدا مجھے کھانے پینے کے لیے دیتا ہے ، وہی پروردگار ہے ۔
راجا سرکپ کی بیٹی اس محل میں رہتی ہے ۔
اگر بھلائی چاہتا ہے تو اپنے ٹٹو کو یہاں سے لے جا ورنہ ذلیل ہوگا ۔
میں ہاتھ باندھ کر عرض کرتا ہوں ، میں نے سچی بات کہ دی ہے''۔

رانی کوکلاں[1]

''اے محلوں کے نیچے پھرنے والے ! تو شریف آدمی ہے یا چور ہے ؟
کیا تو کوئی آدمی گم کر بیٹھا ہے یا کوئی مویشی گنوا بیٹھا ہے ؟''

راجا هوڈی

''ہم نے نہ کوئی آدمی گم کیا ہے ، نہ کوئی مویشی گنوایا ہے ۔
ایک کان کٹا اور دم کٹا ہرن جو میرا چور ہے ، تیرے محلوں میں آ گیا ہے ۔
یا میرا چور میرے حوالے کر دے یا اس کا پتا بتا دے ۔
چوروں کا لباس میلا ہوتا ہے ، نیک آدمیوں کی شان اور ہے ۔
میں لکھ پتی ہوں ، تو نے مجھے چور بنا دیا ہے ۔
میں پانی کا پیاسا ہوں ، مجھے ڈول بھر کے پانی پلا دے''۔

رانی کوکلاں

''پانی پی لے اور چلا جا ، نہ میری طرف دیکھ ، نہ اپنے آپ کو بھول ۔
میں جس شخص کی بیوی ہوں ، تو اس کے پاؤں کے جوتے کی قیمت بھی ادا نہیں کر سکتا''۔

راجا هوڈی

''جوتوں کی قیمت چھ ٹکے ہے یا زیادہ سے زیادہ چار آنے ۔
میرے گھر آ کر دیکھ لے ، وہاں چودہ ساٹھ پانی بھرنے والیاں ہیں''۔

رانی کوکلاں

''جنگل کی کوئی ہرنی ہی مجھ جیسی حسین ہو سکتی ہے''۔

---

۱ - محل کے اوپر سے راجا کو نیچے پھرنے دیکھ کر ۔ ۔ مرتب

راجا هوڈی

''هرنی کی کیا تعریف کریں ، جو گھاس اکھاڑتی پھرتی ہے ۔
اگر وہ شکاریوں کے ہاتھ پڑ جائے تو اس کی جان ضائع جاتی ہے ۔
شکاری تیری کھال اتاریں گے اور اپنے نیچے بچھائیں گے ''۔

رانی کوکلاں

''تو کس پرگنے کا رهنے والا ہے ؟ تیرا شہر یا گاؤں کون سا ہے ؟
کس راجا کا تو بیٹا ہے ؟ تیرا نام کیا ہے؟''

راجا هوڈی

''بدنا میرا پرگنا ہے ، وهی میرا شہر اور وطن ہے ؛
میں راجا هٹیا کا بیٹا هوں ، هوڈی میرا نام ہے''۔

رانی کوکلاں

''میرے محل میں چلا آ تاکہ میں تیرا حال پوچھ سکوں ۔
خوب صورت باغ کے اندر آم کے درخت کے ساتھ اپنا گھوڑا باندھ دے''۔

راجا هوڈی

''عورتیں زهر ملی مصری هوتی هیں ، انهیں احتیاط سے کھانا چاهیے ۔
تو میرے محل میں آ جا ، وهاں میں تیری خاطر تواضع کروں گا ''۔

رانی کوکلاں[1]

''ساون کے بادل برس رہے هیں اور زور شور سے برس رہے هیں ۔
درخت کونپلوں سمیت ڈوب گئے هیں ، هاتھی پانی میں خوب نہاتے هیں ۔
گھڑا ڈھکنے سمیت ڈوب گیا ہے مگر چڑیا ابھی تک پیاسی ہے ۔
بنیے کو اس کی دوکان میں لوٹ لیا گیا اور اس کے کپڑے چھین لیے گئے ۔
یہ پہیلی بوجھ لے اور میری سیج پر آ جا ''۔

راجا هوڈی

''اس پہیلی سے شبنم مراد ہے ، اب کوئی اور پہیلی پوچھ !''

---

۱ ۔ اب اس سے پہیلیاں پوچھتی ۔ مرتب

رانی کوکلاں

''پیدا ہوتے وقت وہ ساٹھ گز تھی ، جوانی میں چار گز رہ گئی ۔
باپ اور بیٹے دونوں کی ایک ہی عورت تھی''۔

راجا ہوڈی

''اس پہیلی سے چھاؤں مراد ہے ؛ کوئی نئی پوچھ !
اگر تو سچی ہے تو اب مجھے اپنی سیج پر بلا لے''۔

رانی کوکلاں

''بیل زمین پر ہے ، پھل آسمان پر : جو اس کی آبیاری کرے ، اس کا پھل کھائے ۔
ماں کنواری ، باپ پیٹ میں اور بیٹے کو بیاھنے کے لیے جاتے ہیں ۔
اگر تو یہ پہیلی بوجھ لے تو تجھے سیج پر بلا لوں گی''۔

راجا ہوڈی

''میں[1] اسے نہیں بوجھ سکتا ''۔

رانی کوکلاں

''اچھا ، میری سیج پر آ جا !''

''میں[2] کھانڈ اور گھی ڈال کر چوری تیار کروں گی ، میرے ہاتھ پر بیٹھ کر کھا لے ۔
مینا کے مرنے کا غم نہ کھا ، تیری چار اور شادیاں کرا دوں گی ۔
میں مینا کو کیا مارتی ، اس کے بدن میں تو پہلے ہی جان نہ تھی ۔
تجھ ایسوں کو میدان میں کھڑا کر کے ماروں گی''۔
طوطا اپنے پروں کو سنبھال کر محل سے اڑ گیا ۔

طوطا[3]

''میں (اتنی تیزی سے) اڑتا ہوا تیرے پاس پہنچا ہوں کہ مجھے نیچے سے زمین نظر نہیں آتی تھی ۔

---

۱ ۔ اس کا جواب کسم پھول ہے ۔ مرتب
۲ ۔ طوطے سے کہ رہی ہے ۔ مرتب
۳ ۔ راجا رسالو سے جو جنگل میں شکار کھیل رہا تھا ۔ مرتب

تیرے محل میں ڈاکو داخل ہو چکے ہیں اور تو یہاں شکار کھیلتا پھرتا ہے ۔
خود آ کر اپنی آنکھوں سے دیکھ لے ، تیرا گھر اُجڑ رہا ہے''۔

راجا رسالو

''آٹھ کنویں ہیں ، نو کھڑکیاں اور ہر کھڑکی میں ایک مور بیٹھا ہے ۔
اے طوطے ! اتنے چوکیداروں کی موجودگی میں چور کیسے محل میں آ گیا ؟''

طوطا

''ایک راجپوت گھوڑا دوڑاتا پہنچا ،
اس نے تیرے ڈھول کو توڑ کر اس کے چار ٹکڑے کر دیے۔
رانی کوکلاں نے کمند پھینکی اور اسے محل کے اوپر چڑھا لیا
اور وہ دونوں مل کر چوپڑ کھیلنے لگے''۔

راجا رسالو[1]

''کس نے میرے کنویں میں ڈول پھینکا ، کون میرے دروازے پر آیا؟
یہ کس کی مسواک یہاں پڑی ہے ، کس نے یہاں تھوکا ہے ؟
کس نے یہاں آم کھائے ہیں ، کس نے گٹھلیاں باہر پھینکی ہیں ؟
کون میری سیج سے لطف اندوز ہوا ؟ نواڑ ڈھیلی پڑی ہے''۔
رانی کوکلاں نے یوں جواب دیا :

رانی کوکلاں

''میرا جواب سن لو :
کنویں میں ڈول میں نے پھینکا تھا ، یہاں طوطا اور مینا پھرتے رہے ہیں ۔
یہ میری اپنی مسواک ہے ، یہاں میں نے تھوکا تھا ۔
میں نے بھوک کے مارے آم چوسے تھے اور گٹھلیاں دروازے سے باہر پھینک دیں ۔

---

۱ - گھر پہنچ کر کوکلاں سے پوچھ رہا ہے ۔ مرتب

مجھے نیند آ گئی ، اس لیے میں سیج پر لیٹ گئی ؛ نواڑ کے ڈھیلے ھوجانے کا یہ سبب ھے ۔
عین دوپہر کے وقت طوطوں کی ڈار آ گئی تھی ؛
مینا اور طوطا لڑ پڑے تھے ، میں نے انھیں چھڑایا ۔
طوطے نے میرے بال نوچ ڈالے ، مینا نے میرا ھار توڑ دیا ۔
جن کے خاوند مر چکے ھوں ، ان کا حال برا ھوتا ھے ۔
تم مجھے اکیلی چھوڑ گئے تھے ، تم نے میری خبر تک نہ لی''۔

رانی ساحرہ تھی ، اس نے راجا (رسالو) کو پھسلا لیا ۔
اس نے راجا ھوڈی کو چھپا دیا ، اس کے اوپر چٹائی ڈال دی ۔
راجا کا غصہ ٹھنڈا کر کے اسے سیج پر بٹھا لیا ۔
دونوں نے اکٹھے کھانا کھایا ، پھر شراب پی ،
مگر طوطے نے ھوڈی کو ڈھونڈ لیا اور رانی کی عزت نہ رھنے دی ۔

طوطا[1]
''گھر آئے کو مارنا نہیں چاھیے ، وہ سگے بھائی کی مانند ھوتا ھے[2] ''۔

راجا رسالو اور راجا ھوڈی گھر سے نکل کر جنگل کی طرف چل دیے ۔
راجا ھوڈی کو سخت تیر لگا اور وہ مر گیا ۔
راجا رسالو نے اس کا گوشت کاٹ لیا اور رانی کوکلاں کو کھانے کے لیے دیا ۔
اس نے اپنے محبوب کا گوشت کھایا اور کھانے کے بعد مزہ پوچھنے لگی ۔

تلوار ، گھوڑا اور عورت ـــــ تینوں بے وفا ھیں ۔
تلوار کو تیز کر کے نہیں رکھنا چاھیے ، ایسا نہ ھو تمھارے ھی سر پر گرے ۔

---

۱ ۔ راجا رسالو سے ۔ مرتب
۲ ۔ اس رواج کی طرف اشارہ ھے کہ جو گھر پر آ جائے اور نمک کھا لے اس کی حفاظت کرنی چاھیے ۔ مرتب

گھوڑے کو مہیلا نہیں کھلانا چاہیے ، ورنہ میدان سے بھاگ جاتا ہے ۔
عورت کو لاڈ سے نہیں رکھنا چاہیے ، ورنہ وہ ضرور ذلیل کراتی ہے ۔
عورتیں اپنے محبوب کا گوشت کھانے کے بعد اس کا مزہ پوچھتی ہیں ۔
قادر[1] یار چٹھا نے بھگوان کی مدد سے یہ گیت تیار کیا ہے ۔

---

۱ ۔ بھاٹ مسلمان ہے مگر خدا کی جگہ ہندو نام بھگوان استعمال کر رہا ہے ۔

حکایت ۵۰

امر سنگھ سکنہ گڑھ میڑتا

ریاست کپور تھلا کے ایک بھاٹ کی زبانی

مندرجہ ذیل ، شہنشاہ شاہ جہان کے دربار کے ایک سنسنی خیز واقعے کا بھاٹوں کی زبان میں بیان ہے ۔ ان دنوں اس واقعے نے تمام ملک کو چونکا دیا تھا ۔

۱۶۳۸ء میں مشہور راٹھور راجا گج والیٔ مارواڑ یا جودھ پور نے وفات پائی ۔ اس نے اپنے پیچھے دو بیٹے چھوڑے ۔ بڑے کا نام امر سنگھ تھا ، جو اس حکایت کا ہیرو ہے ۔ چھوٹا جسونت سنگھ تھا ، جو باپ کا جانشین ہوا ۔ اس نے شہنشاہ اورنگ زیب کے زمانے میں شہرت حاصل کی ۔ امر سنگھ کی سرکش طبیعت اور ناقابل عمل طریق کار کے باعث مارواڑ کے امرا نے اسے باپ کی زندگی ہی میں دیس واتو یا جلا وطنی کے ذریعے تخت کی وراثت سے محروم کر دیا تھا ۔ ٹاڈ نے راجستھان میں بیان کیا ہے کہ ایسے راج کمار کو کالا لباس پہناتے ، کالے رنگ کے ہتھیار اور ساز و سامان دیتے اور کالے گھوڑے پر سوار کرا کے ہمیشہ کے لیے ملک کی سرحدوں سے باہر نکال دیتے ۔ جلا وطنی کے بعد امر سنگھ نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ ، جو ہر راجپوت سردار کے ساتھ ہو جاتے تھے ، آگرے پہنچ کر مغل دربار میں ملازمت اختیار کر لی اور وہاں کچھ منظور نظر بھی ہو گیا ۔ اسے ناگور واقع بیکانیر کا علاقہ عطا ہوا ، جو کہ راٹھور جاگیر تھی ، اور ساتھ ہی اسے تین ہزاری بنا

دیا گیا ۔ لیکن بھاٹوں کا یہ بیان درست معلوم نہیں ہوتا کہ اسے مرتا کا علاقہ بھی عطا ہوا تھا ۔ اپنے فرض سے غفلت برتنے اور دربار سے غیر حاضر رہنے کے باعث اس کے خلاف تادیبی کاروائی کی گئی اور شاہ جہان نے اسے جرمانہ بھی کیا ۔ میر بخشی (منتظم فوجی حسابات) سید صلابت خاں کو جرمانے کی وصولی کے لیے بھیجا گیا مگر امر سنگھ نے اسے واپس کر دیا ۔ اس پر شاہ جہان نے اسے دیوان خاص آگرا میں بلایا ۔ امر سنگھ نے غصے میں آ کر بر سر دربار صلابت خاں پر خنجر سے وار کر دیا اور وہاں سے بھاگ نکلا ، مگر مغل سپاھیوں نے اس کا پیچھا کر کے اسے اس کے بہت سے ساتھیوں سمیت قلعے کے اس دروازے کے قریب جو آج بھی امر سنگھ کا دروازہ کہلاتا ھے ، ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ۔ یہ افسوس ناک واقعہ ۳۰ جمادی الاول ، ۱۰۵۴ھ مطابق ۲۵ جولائی ۱۶۴۴ء بروز جمعرات بوقت مغرب ہوا ۔

ٹاڈ کا بیان ھے کہ شاہ جہان نے ناگور کی جاگیر بدستور امر سنگھ کے بیٹے رائے سنگھ کے پاس رہنے دی اور اس کے بعد یہ جاگیر بالترتیب ھاتھی سنگھ ، انوپ سنگھ اور اندر سنگھ کے پاس رھی ۔ اس سے راٹھوروں کے اس وقت کے سردار نے یہ جاگیر چھین کر دوبارہ ریاست جودھ پور میں ملا لی ۔ اس کے بعد امر سنگھ ، جو پیدائش کے لحاظ سے راٹھوروں کا سردار تھا ، اس کی اولاد مارواڑ میں معمولی ٹھاکروں میں تبدیل ھو گئی اور آج تک مارواڑ کے نظام جاگیر داری میں ان کی یہی حیثیت ھے ۔

راجا امر سنگھ سکنہ گڑھ میڑتا واقع بیکانیر کا گیت

شاہ جہان کے اھل کاروں نے اس سے چغلی کھائی کہ راجا امر سنگھ مدت سے شہنشاہ کی خدمت میں سلام کے لیے حاضر نہیں ھوا ۔ اس پر شاہ جہان نے حکم دیا کہ اس سے سات لاکھ روپے جرمانہ وصول کیا

جائے۔ راجا امر سنگھ شاہ جہان کے سلام کے لیے روانہ ہونے لگا تو رانی نے منع کیا مگر راجا آلٹا اس سے ناراض ہوا۔

راجا امر سنگھ نے فوراً اپنے ھتھیار طلب کیے :

''رانی ! میرا زری کا ترکش اور میری سنہری ڈھال لاؤ ''۔

رانی ھاڈیا نے آٹھ کر اس کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی (اور کہنے لگی) :

''آدھی رات گزر چکی ھے ، کیا یہ دربار میں جانے کا وقت ھے ؟

میں ابھی شراب پیش کرتی ھوں ، پیالہ میرے ھاتھ میں ھے ۔

پیالے بھر بھر کر پیش کرتی ھوں ، پیو اور لطف آٹھاؤ ۔

راجا امر سنگھ ! شراب پیو اور غم کو قریب نہ آنے دو ۔

میں عیش محل میں سیج بچھا دیتی ھوں ، آؤ ، مجھ سے دو باتیں کرو ۔

میں اپنے باپ کو چٹھی لکھ دیتی ھوں ، وھاں سے نو لاکھ فوج آ جائے گی ۔

اگر میں اپنے گلے کا ھار فروخت کر دوں تو ھمارا چھ ماہ کا خرچ چل سکتا ھے ۔

آج رات رنگ محل میں بسر کرو ، کل صبح بادشاہ سے مل لینا ''۔

رانی غصے میں آ کر کہنے لگی :

''میری ماں ، جس نے مجھ ھاڈی کو جنم دیا تھا ، مر کیوں نہ گئی ۔

میری وہ خالائیں اور پھوپھیاں مر جائیں ، جو مجھے گود میں کھلاتی رھیں ۔

وہ نائی اور برھمن مر جائیں ، جنھوں نے میری سگائی کی تھی ۔

میں (ایک آزاد) راجپوت[1] کی بیٹی تھی ، انھوں نے مجھے ایک سرکاری ملازم[2] سے بیاہ دیا ۔

انھوں نے میری شادی ایک غلام کے ملازم سے کر دی ۔

میری ناؤ درمیان ھی میں رہ گئی ، وہ اسے پار نہ لگا سکے ۔

---

۱ ۔ وہ راجا بندی کی بیٹی تھی ۔ مرتب

۲ ۔ اپنے راجپوت خاوند کو طعنہ دے رھی ھے کہ وہ مسلمانوں کی ملازمت اختیار کر چکا ھے ۔ مرتب

مجھے میرے باپ کے گھر واپس بھیج دو ۔
اب میں اپنے باپ کے گھر جاؤں گی اور انھیں رام کی دھائی دے کر کہوں گی :
'آئندہ کوئی راٹھوروں کو رشتہ نہ دے ، وہ پورے مرد نہیں'۔
میرا رنگ جو پان کی طرح سرخ تھا ، اب بالکل زرد ہو چکا ھے ۔
کیا تجھے دولت نہ ہونے کا دکھ ھے یا کوئی اور تکلیف ؟
راجا امر سنگھ ! میں تجھے منع کر رھی ہوں ، بادشاہ کی ملاقات کے لیے نہ جا ۔
وھاں ظالم بادشاہ ھے ، وہ تجھے مروا دے گا ۔
وہ تیرے پاؤں میں بیڑی ، ھاتھ میں ھتھکڑی اور گلے میں طوق ڈالے گا''۔
راجا باوجود منع کرنے کے باز نہ آیا ، اس نے گھوڑی کو ایڑ لگا دی ۔
راجا امر سنگھ خوشی خوشی دربار میں پہنچا ۔
اس نے چار یا پانچ مہریں بطور نذرانہ ساتھ لیں
اور انھیں شاہ جہان کے دربار میں پیش کر دیا ۔
شاہ جہان اسے دیکھتے ھی غصے میں آ گیا
اور صلابت خان سے کہا : ''میرے حکم کی تعمیل کرو ؛
راجپوت کو وھیں روکے رکھو ، آگے نہ آنے دو''۔
بخشی صلابت خاں اسے گھورنے لگا ۔
''اے رزیل راجپوت ! وھیں ادب سے کھڑے رھو ۔
تم دربار میں نظروں سے گر چکے ھو ، پہلے مجھ سے بات کرو''۔
''تو کیا میرا کام سنوارے گا ؟ خدا میرے کام سنوارتا ھے''۔
امر سنگھ بھاری پربت کی طرح تھا ، جسے گرائے گرایا نہیں جا سکتا ۔
(صلابت خاں نے کہا) : ''اے گنوار ! پیچھے ھٹ کر کھڑا رہ ، یہ کیا بدتمیزی ھے ؟''
گنوار کے لفظ سے امر سنگھ نے چمک کر کہا :
''آج اس نے مجھے گنوار کہا ھے ، کل یہ مجھے گالی دے گا
اور پرسوں مجھے بازو سے پکڑ کر دربار سے نکال دے گا''۔
اس نے فوراً دو دھاری خنجر نکالا اور اس پر حملہ کر دیا ۔

صلابت خاں کو خنجر مارا اور اس کا پیٹ چاک کر دیا ؛
مرد کا وار تھا ، خالی نہ گیا ۔
''صلابت پیارے ! لے اپنا سات لاکھ وصول کر لے
اور اسے ترازو سے اچھی طرح تول لے''۔
بادشاہ کے وفادار امرا[1] نے چلا کر کہا :
''امر سنگھ ! تو نے اچھا کیا جو صلابت کو مار ڈالا ۔
یہ ہر نیک و بد کی چغلی کھاتا تھا ، جسے تو نے آج ختم کر دیا ہے ۔
میرے پیارے دوست راجپوت ! اب اپنے گھر جا ۔
کل صبح تو ہفت ہزاری منصب پر مستقل کر دیا جائے گا''۔
شاہ جہان بادشاہ کی آواز بلند ہوئی : ''اے امیرو ! سنو ،
اب قاتل یہاں سے جانے نہ پائے ، اسے گھیر کر مار ڈالو ۔
تم جری مرد اور شیر دل مشہور ہو ۔
کیا ایک ہندو صلابت خاں کو مار کر اپنے گھر زندہ چلا جائے گا ؟''
(بادشاہ) راجا (امر سنگھ) کے ہتھیار کی زد پر نہ آیا ، پرے ہو گیا ۔
امر سنگھ نے دور جا کر کہا : ''اے دلی کے بادشاہ ! اب تو نے دروازے کیوں بند کر لیے ؟
میں نے تیری قسم سے دھوکا کھایا اور یہاں آ گیا ''۔
ارجن اور بوڑا نے تلواریں سونت لیں
اور امر سنگھ پر حملہ کر کے اس کا بدن ٹکڑے ٹکڑے کر دیا
اور راجا امر سنگھ کا لاشہ زمین پر تڑپتا نظر آیا ۔
سات امیروں کو مارنے کے بعد راجا سورگ میں چلا گیا ۔
آخر امر سنگھ کے کہاروں نے مقابلہ شروع کر دیا ۔
اکیس امیر مارے گئے اور چھ کہار ۔
گوکل چند جو راجا کا برہمن تھا ،

---

۱ - ٹاڈ کے بیان کے مطابق یہ الفاظ ارجن گھور نے امر سنگھ کا غصہ ٹھنڈا کرنے کے لیے کہے تھے - ارجن گھور امر سنگھ کا بہنوئی یا نسبتی بھائی تھا ۔ مرتب

اس نے بھی اپنی گجرات[1] کی بنی ہوئی تلوار سونت لی
اور ملوکو[2] جو بڑھا آ رہا تھا ، اس پر حملہ کر کے اس کی گردن کاٹ دی ۔
برھمن اس بڑے درخت کو کاٹ کر تلواروں سے گھائل ہو گیا ۔
راجا سے وفاداری کرنے کے باعث برھمن نے سورگ پایا ۔
اس کے بعد کرشن چند مشعلچی جوش میں آگے بڑھا ۔
اس نے میر خاں پر سخت وار کر کے اپنا لوہا منوا لیا ۔
پھر اس نے اپنا حوصلہ قائم کر کے ھمت خاں پر دوسرا وار کیا ۔
دربار میں امیروں کی لاشیں اس طرح پڑی تھیں
جیسے منلگ بھنگ پی کر نشے میں پڑے ہوں ۔
ان کے زخموں سے اس طرح خون کے فوارے بہتے تھے جیسے گنگا بہ رہی ہو ۔
پچیس امیروں کو مارنے سے نائی مشہور ہو گیا ۔

رام سنگھ نے جو ابھی لڑکا تھا ، پوچھا : ''کشن داس ! سنو ۔
تم میرے چچا کے ساتھ دربار میں گئے تھے ۔
میرے چچا سے وہاں کیسا سلوک ہوا ؟ اسے کیا انعام ملا ؟''
''کنور جی ! کیا کہوں ، مجھ سے یہ بات نہ پوچھیے ۔
راجا امر سنگھ کو صلابت خاں نے گنوار کہا ،
پھر اس کی لاش دربار میں پڑی نظر آئی ۔
مغلوں نے تمہارے چچا کو مار کر اس کی لاش روند ڈالی''۔
یہ واقعات سن کر رام سنگھ اُداس ہوا ۔
''کہارو ! میری پالکی یہیں رہنے دو اور تم گھر چلے جاؤ ۔
جسے اپنی عورت سے پیار ہے ، وہ تو اپنے گھر جا کر آرام کرے ؛
میرے پاس وہی رہے ، جو مرنے مارنے کے لیے تیار ہو''۔
انھوں نے قلعے کے باہر گھوڑے کھڑے کر دیے ؛
پھر کلہاڑوں سے قلعے کا دروازہ توڑ ڈالا ۔

---

۱ - گجرات پنجاب ، جو چھریوں اور تلواروں کے لیے مشہور ہے ۔ مرتب

۲ - بھاٹ کے بیان کے مطابق یہ بادشاہ کا ایک امیر تھا ۔ مرتب

وہ پانچ سو سوار قلعے کے اندر داخل ہو گئے۔
قلعے کے اندر تلواریں ٹکرانے سے شور بپا ہو گیا۔
بہادر اپنی تلواروں سے سودا چکانے لگے۔
ان کے لباس زعفرانی ہو گئے ، جیسے گلال[1] کھیل رہے ہوں۔
نوجوان رام سنگھ کے پانچ صد ساتھیوں میں سے دو سو ساٹھ زندہ واپس آئے۔
رانی هاڈیا نے آواز دی : ''میری باندی ! دوڑو ؛
جلدی سے محل کے اندر سیج بچھاؤ اور تھوڑا سا پوست بھی پانی میں گھول دو۔
راجا امر سنگھ راٹھور گھر واپس آ رہا ہے''۔
نادان باندی محل کی چھت پر جا کر دیکھنے لگی۔
''رانی ! نہ ساتھ ڈھول ہیں ، نہ سرخ بانسریاں ؛
خالی ترکش بج رہے ہیں اور زرد ڈھالیں لٹک رہی ہیں''۔

باندی نے رانی سے کہا : ''اور سب چیزیں تو نظر آتی ہیں مگر راجا دکھائی نہیں دیتا''۔ رانی نے یہ بات سنی تو غصے سے کہا : ''میرا راجا بڑا بہادر ہے''۔ جب سب لوگ محل میں آ کر جمع ہوئے تو رانی نے پوچھا : ''ہمارا راجا کہاں ہے ؟'' سپاهیوں نے جواب دیا : ''وہ تو سرگ سدھارے''۔ یہ سن کر رانی زار زار رونے لگی اور تمام محل میں ماتم بپا ہو گیا۔ پھر رانی نے اپنی باندی سے کہا : ''میری آرائش و زیبائش اتار لو ؛ ساری خوشی راجا کے ساتھ گئی''۔

رانی نے اپنے سولہ قسم کے زیورات اور بتیس قسم کے جواہرات سب اتار دیے اور کہا : ''خنجر لاؤ تاکہ میں اپنا خاتمہ کر لوں۔ راجا مر چکا ہے ، بادشاہ میرا دھرم خراب کرے گا ؛ مجھ سے چکی پسوائے گا ، تب مجھے کھانے کے لیے دے گا۔ اس مصیبت سے یہی بہتر ہے کہ میں خود ہی اپنا خاتمہ کر لوں''۔

---

۱ - پانی میں ملا ہوا سرخ رنگ جو ہولی کے موقع پر ایک دوسرے کے کپڑوں پر ڈالا جاتا ہے۔ مرتب

یہ کہہ کر رانی نے تلوار سے اپنی گردن کاٹ لی اور جان دے دی[1] ۔ بادشاہ کو معلوم ھوا تو اس نے بہت افسوس کا اظہار کیا اور راجا امر سنگھ کی ساری جاگیر اس کی فوج کو دے دی ۔

---

۱ ۔ ٹاڈ لکھتا ھے کہ امر سنگھ کی لاش کو رانی خود جا کر لائی تھی اور اس نے اسے جلا دیا تھا ۔ مرتب

حکایت ۱۵

راجا پرتھی سنگھ والیٔ جودھ پور

انبالے کے ایک بھاٹ کی زبانی

یہ کہانی جودھ پور کے راجا جسونت سنگھ کے بیٹے اور سابقہ کہانی کے ہیرو امر سنگھ کے بھتیجے پرتھوی سنگھ کی افسوس ناک موت کے متعلق بھاٹوں کی زبانی پنجابی روایت ہے ، جس میں اس واقعے کو بالکل مسخ شدہ صورت میں پیش کیا گیا ہے ۔ بھاٹ نے اس تاریخی واقعے کو ، جسے محفوظ رکھنا اس کا کام تھا ، خلط ملط کر دیا ہے ۔ اس لیے اس کا بہترین حل یہی نظر آتا ہے کہ تاریخی واقعات کو ، جیسے وہ حقیقۃً[۱] پیش آئے تھے ، یہاں سیدھی سادی زبان میں بیان کر دیا جائے :

راجا گج سنگھ والیٔ جودھ پور نے اپنے پیچھے دو بیٹے چھوڑے تھے ـــ امر سنگھ اور جسونت سنگھ ـــ ان حالات کے مطابق جن کا تذکرہ سابقہ کہانی کے پیش لفظ میں گزر چکا ہے ، ان میں سے چھوٹا بھائی جسونت سنگھ ۱۶۳۸ء میں گدی نشین ہوا ۔ اس کہانی کا ہیرو پرتھوی سنگھ راجا جسونت سنگھ کا بیٹا اور ولی عہد تھا ۔ ۱۶۸۰ء میں پرتھوی سنگھ کی موت اس طرح اچانک اور حیران کن طور سے واقع ہوئی کہ مقامی باشندوں پر اس کا گہرا اثر پڑا اور انھوں نے اسے اورنگ زیب کی سازش کا نتیجہ قرار دیا ۔

---

۱ ۔ اورنگ زیب کے متعلق یہ بیان انگریز مورخوں کا ہے ۔ مترجم

اورنگ زیب وہ بادشاہ ہے جس نے اپنے پیچھے سفاکانہ عیاری کی ناقابل رشک شہرت چھوڑی ہے۔

راجا جسونت سنگھ اورنگ زیب کے بڑے بھائی دارا شکوہ کا دوست اور اس کی فوج کا ایک افسر تھا۔ جن دنوں اورنگ زیب اپنے باپ شاہ جہاں کے تخت کے لیے کوشش کر رہا تھا، راجا مذکور نے اس کی سخت مخالفت کی تھی۔ اورنگ زیب کی تخت نشینی کے فوراً بعد راجا جسونت سنگھ نے ۱٦۵۸ء میں کجواہ کی لڑائی کے موقع پر غداری سے شاہی کیمپ پر قبضہ کر لیا تھا اور وہاں سے سارا خزانہ جودھ پور لے گیا تھا۔ بعد میں اورنگ زیب اور اس کے طاقت ور ماتحت راجا کے درمیان باہمی سازشوں کا چکر چل نکلا۔ راجا کو حکومت کی طرف سے مختلف مناصب سپرد کیے گئے۔ آخری منصب یہ تھا کہ وہ کابل کے سرکش پٹھانوں کی سرکوبی کرے۔ جسونت سنگھ ۱٦۷۰ء میں اس مقصد کے لیے روانہ ہوا اور اپنے پیچھے اپنے بیٹے اور ولی عہد پرتھوی سنگھ کو چھوڑ گیا۔ ۱٦۸۰ء میں اورنگ زیب نے پرتھوی سنگھ کو بلایا اور اس کے ساتھ نہایت تپاک سے پیش آیا، اسے خلعت عطا کی۔ آداب دربار متقاضی تھے کہ وہاں سے واپس جاتے وقت وہ خلعت پہنے ہوئے جائے۔ پرتھوی سنگھ نے گھر پہنچتے ہی اسی شام نہایت کرب میں جان دے دی۔ اس دن سے آج تک اس خلعت کو اس کی موت کا سبب سمجھا جاتا ہے، کہ وہ خلعت زہر آلود تھی۔ لیکن اس کے لیے کوئی ثبوت نہیں کہ وہ خلعت واقعی زہر آلود تھی، نہ یہ پتا چل سکا ہے کہ اس نے اتنی جلدی کیسے اثر کیا۔ جسونت سنگھ کو کابل میں پرتھوی سنگھ کی موت کی خبر ملی، اس سے پہلے وہ اپنے دو بیٹوں جگت سنگھ اور دلتھمن سنگھ کی موت کی خبریں سن چکا تھا۔ ۱٦۸۱ء میں دل شکستہ راجا نے وہیں کابل میں وفات پائی۔ راجا کا جانشین اس کا ایک بیٹا اجیت سنگھ ہوا

جو اس کی وفات کے بعد پیدا ہوا تھا ۔ اجیت سنگھ بعد میں بہت مشہور ہوا ۔ ۱۷۲۵ء میں وہ اپنے بیٹے بخت سنگھ کے ہاتھوں مارا گیا ۔ اس واقعے نے راٹھوروں میں اس خانہ جنگی کو جنم دیا جس نے بالآخر اس خاندان کا خاتمہ کر دیا ۔

جب اجیت سنگھ ابھی بچہ تھا ، اورنگ زیب نے اسے اٹھا لے جانے کی کوشش کی مگر ایک ملازم درگا داس کی وفاداری کے باعث یہ کوشش کامیاب نہ ہو سکی ۔ اس نے بچے کو مٹھائی کی ٹوکری میں ڈالا اور بحفاظت مارواڑ لے گیا ۔ اس کہانی میں درگا داس کی طرف بھی اشارہ ہے، اگرچہ غلط طور سے ۔

سطر ۲۹ میں اورنگ زیب اور پرتھوی سنگھ کی آخری ملاقات کے متعلق ٹاڈ کی روایت کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے ۔ بھاٹ نے جو شیروں کی کہانی بیان کی ہے ، وہ تو محض افسانہ ہے ۔ ٹاڈ نے اس ملاقات کو یوں بیان کیا ہے : ''جب پرتھوی سنگھ اورنگ زیب کے دربار میں حاضر ہوا تو شہنشاہ نے اس کے دونوں ہاتھوں کو ، جو اس نے ادب سے جوڑے ہوئے تھے ، مضبوطی سے پکڑ لیا اور کہا : 'مجھے بتایا گیا ہے کہ تمھارے بازو بھی تمھارے باپ ہی کی مانند طاقتور ہیں ۔ مجھے بتاؤ ، اب تم کیا کر سکتے ہو ؟' راجا نے جواب دیا : 'خدا آپ کا اقبال بلند رکھے ! جب ملک کا بادشاہ اپنی رعیت میں سے کسی کمزور ترین فرد پر اپنی حفاظت کا ہاتھ رکھ دے ، تو اس کی سب خواہشات پوری ہو جاتی ہیں ، مگر جب وہ اتنی مہربانی کرے کہ میرے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لے تو میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ میں ساری دنیا کو فتح کر سکتا ہوں'۔ اس کے جان دار ، زبردست اور قوی انداز نے ان الفاظ میں مزید اثر پیدا کر دیا ۔ اورنگ زیب نے جلدی سے کہا : ''یہ ایک اور شیطان ہے''۔ جسونت سنگھ کے لیے بھی وہ یہی الفاظ استعمال کرنے کا عادی تھا ۔ بہر کیف حکمت عملی کے مطابق بادشاہ نے اسے خلعت عطا کی

اور اس کی عزت افزائی کی، جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔

اس حکایت میں دو اور مشہور شخصیتوں، سر بلند خاں اور داراشکوہ کا بھی مذکور ہے - سر بلند خاں کا زمانہ اس حکایت سے بعد کا ہے، اس لیے اس کی طرف اشارہ غلط ہے۔ وہ محمد شاہ کے عہد میں گجرات کا گورنر تھا، جسے بعد میں معزول کر دیا گیا اور اس کی جگہ راجا ابھے سنگھ کو وہاں کا گورنر مقرر کیا گیا۔ راجا ابھے سنگھ ، اجیت سنگھ کا بیٹا، جسونت سنگھ کا پوتا اور پرتھوی سنگھ کا بھتیجا تھا - ۱۷۲۷ء میں ابھے سنگھ اور سر بلند خاں میں لڑائی ہوئی ، جس میں سر بلند خاں نے شکست کھائی - اس کا تعلق جودھ پور کے خاندان سے صرف اتنا ہے -

دارا شکوہ کی شکست ، گرفتاری اور ۱۶۵۹ء میں قتل کیا جانا تاریخ کے مشہور واقعات ہیں اور اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ جسونت سنگھ کا ان سے کوئی تعلق تھا - اس حکایت میں جسونت سنگھ کا ان واقعات سے جو تعلق بتایا گیا ہے ، وہ درست نہیں -

---

راجا پرتھی سنگھ پسر راجا گجا سنگھ والیٔ جودھ پور کا قصہ

کہتے ہیں راجا پرتھی سنگھ، جو راجا جسونت سنگھ کا بھائی[1] تھا، نو رنگ شاہ (اورنگ زیب) کے عہد میں ہوا - نورنگ شاہ شاہان دھلی میں سے تھا - راجا پرتھی سنگھ نے اس سے لڑائی کی اور مارا گیا -

---

پہلے میں اپنے صاحب (خدا) کا نام جپتا ہوں اور پھر نندی[2] مائی کا -
بخشی شیر بلند خاں[3] نے چغلی کھائی -

---

۱ - حقیقۃً وہ اس کا لڑکا تھا - مرتب

۲ - نندا کی بیوی - نندا کرشن کا سوتیلا باپ بتایا جاتا ہے - مرتب

۳ - سر بلند خاں - دیکھیے تعارف نامہ - مرتب

خواجه سرا نے (راجا پرتھی سنگھ سے) کہا : ''ذرا شاہی چلم بھر دو''۔
راجا نے تلوار نکالی اور خواجه سرا کو دو ٹکڑے کر دیا ۔
اس کے بدن کے دونوں ٹکڑے عین دربار میں ناچنے لگے ۔
بادشاہ نے یه دیکھا تو حیران رہ گیا ۔
بادشاہ نے تخت پر بیٹھے ہوئے راجا جسونت سنگھ کو بلایا ۔
(اور اس سے کہا) : ''تمھاری بغل میں جو راجپوت کھڑا ہے ـــــ رانی کا فرزند ،
تمھارے اس بھائی کا کیا نام ہے ، مجھے بھی بتاؤ ''۔
''اس کے ماں باپ نے اس کی محبت کے باعث اس کا نام[1] بڑا رکھا ہے ؛
میرے بھائی کا نام پرتھی سنگھ ہے ، گوبند[2] نے اس کا یه نام رکھا ہے ۔
چھوٹا پرتاب سنگھ[3] ہے ، جو حسینوں کے لیے باعث فخر ہے''۔
یه سن کر بادشاہ دل میں سخت ناراض ہوا ۔
(اور اس نے کہا) : ''تم پرتھی سنگھ کے ساتھی ہو ، مجھے تم نے کیا سمجھا ہے ؟
میرے پاس بائیس شیر ہیں ، جو ابھی یہاں پہنچے ہیں ، ان میں سے ایک اس وقت دھاڑ رہا ہے ۔
جاؤ ، پرتھی سنگھ سے جا کر یه کہ دو کہ بادشاہ نے یوں کہا ہے''۔
یه سن کر جسونت سنگھ اپنے دل میں مضطرب ہوا
اور گھوڑا دوڑاتا ہوا اپنے بھائی کے پاس پہنچا اور اسے کہا :
''پرتھی سنگھ ! بادشاہ نے اچھا کیا ہے ، جو تمھیں اس وقت بلایا ہے ۔
اس نے تمھیں شیر سے لڑانے کا فیصله کیا ہے''۔
یه بات سن کر پرتھی سنگھ کے دل میں اضطراب پیدا ہوا ،
مگر وہ بولا : ''بادشاہ سے کہو کہ وہ اسی وقت شیر کو منگوا لے''۔

---

۱ - 'پرتھوی سنگھ' کا مطلب ہے زمین کا شیر ، یوں بھی یه مشہور رائے پتھورا کا نام تھا ، جو بارھویں صدی عیسوی میں ہوا تھا۔
مرتب

۲ - خدا ۔

۳ - اس کا تاریخ میں کہیں مذکور نہیں ، ویسے یه جسونت سنگھ کا چھوٹا بھائی تھا -

شیر بادشاہ کے دربار میں آ گیا اور عوام کو مقابلہ دیکھنے کی اجازت دے دی گئی ۔
پرتھی سنگھ نے جو حسین صورت اور بھائیوں کا وفادار تھا ،
ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے ہاتھ میں ڈھال سنبھالی
اور تلوار کو میان سے نکالتے ہوئے شیر کو للکارا ۔
شیر پوری طاقت سے حملہ آور ہوا اور اس نے ڈھال توڑ ڈالی ،
مگر دوسرے[1] شیر نے قوت کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا ۔
اس نے اپنے ہاتھ میں شیر کے پنجے پکڑ لیے اور اسے سیدھا کھڑا کر دیا ۔
پھر اس نے تلوار سے شیر کو قلم کی طرح کاٹ دیا ،
اور ایک شیر کے دو ٹکڑے کر دیے ، اور شیر کے دونوں حصے پتوں کی طرح ناچنے لگے ۔
اورنگ زیب بادشاہ نے یہ دیکھا تو حیران ہو گیا :
''آج اس نے شیر کو مار ڈالا ہے ، کل ہمیں نقصان پہنچائے گا ،
اس لیے میں پرتھی سنگھ کو سنہری خلعت دوں گا''۔
بادشاہ دربار سے اٹھا اور اس کے امرأ بھی ساتھ ہی اٹھ کھڑے ہوئے۔
اس دن سے اورنگ زیب کے دل میں راجپوتوں سے سخت دشمنی پیدا ہو گئی ۔
مگر بے سمجھ کنور کو معلوم نہ تھا کہ وہ کیسا لباس پہن رہا ہے ۔
لباس کا زہر اس کے بدن میں اس طرح سرایت کر گیا جیسے نشے باز کے بدن میں نشا سرایت کر جاتا ہے ۔
نوجوان راجپوت کا سارا بدن زمین پر آ رہا ۔
خدمت‌گاروں نے اس کی خدمت کی پوری کوشش کی ۔
اس کا بھائی چلانے لگا : ''میرا بھائی ! میرا بھائی !''۔
پرتاپ سنگھ نے پاس کھڑے ہو کر اس کے منہ پر سے کپڑا ہٹایا ۔
''آج میرا دوسرا بازو ٹوٹ گیا ہے اور میں اکیلا رہ گیا ہوں ؛
ظالم موت کا وار چل گیا ہے اور اس نے کاری زخم لگایا ہے''۔
پرتاپ سنگھ پاس کھڑا زار و قطار رو رہا تھا ۔

---

۱ - پرتھی سنگھ ۔

''اے میرے عظیم بھائی پرتھی سنگھ ! تو کیسی نیند سو گیا ہے ؟
وہ فخر خاندان اور میدان کا بہادر کہاں چھپ گیا ہے؟''
اس کے لیے جمنا کے کنارے صندل کی چتا تیار کی گئی ۔
پرتھی سنگھ کی لاش کو جلانے کے بعد راجپوتوں نے وہاں غسل کیا ۔
یہ سن کر بادشاہ نے کاغذ طلب کیا ۔
اورنگ زیب بادشاہ نے اسی وقت خط لکھ کر بھیجا :
''پرتھی سنگھ کی موت سے میری سلطنت آدھی رہ گئی ہے ۔
میرے دل کی خواہشیں دل ہی میں رہ گئی ہیں اور میرا سینہ ویران ہو گیا ہے''۔
جسونت سنگھ نے خط پڑھا تو اسے فوراً پھاڑ دیا ۔
''تم ظالم ، دغا باز ــــ اب ایسی باتیں
محض لوگوں کو دکھانے کے لیے لکھتے ہو ؛ ورنہ تم اپنی خواہشیں پوری کر چکے ہو''۔
پرتھی سنگھ کے مرنے سے (مارواڑ کے) نو پرگنے لرز گئے ۔
آسکرن کے بیٹے درگا داس[1] نے کچہری لگائی
(اور کہا :) ہے کوئی ایسا سورما جو بیڑا آٹھا کر منہ میں رکھ لے ؟
جس کے تن میں ایسی آگ لگ رہی ہو ، جو بجھانے نہ بجھ سکے؟''
پرتاپ سنگھ نے بیڑا آٹھایا اور سب بھائیوں کو جھک کر سلام کیا ۔
سارے مارواڑ کے نوجوانوں اور بڑوں نے مل کر حملہ کر دیا
اور شاہزادہ شکوہ[2] کا سر کاٹ کر لٹکا دیا ۔
انہوں نے اسے ہودے سے اس طرح نیچے گرا دیا جیسے پرانا برج گرایا جاتا ہے ۔
نورنگ بادشاہ نے یہ حالت دیکھی ، تو گھبرا گیا ۔
(اور کہا :) ''بھائیو ! تم پیچھے ہٹ جاؤ ، جو خدا چاہے گا ، ہو جائے گا''۔
یہ سنتے ہی جسونت سنگھ نے اپنا گھوڑا منگوایا

---

۱ ۔ بھاٹ اسے جسونت سنگھ کا چچا بتاتا ہے ، اس سلسلے میں تعارف نامہ بھی دیکھیے ۔ مرتب
۲ ۔ دارا شکوہ ، تعارف نامہ دیکھیے ۔ مرتب

اور قلعے کے اندر بیگمات کو لوٹ لیا اور خزانہ لے گیا ۔
شاہی خزانہ لوٹنے کے بعد اس نے فتح کا نقارہ بجایا
اور راجا ڈھول بجاتا واپس گھر آ گیا ۔
منزل بہ منزل چلتے ہوئے وہ جودھ پور[1] پہنچا ۔
چاروں[2] بھائیوں کی رانیوں نے ان کے لیے چوکیاں بچھوا دیں ۔
جب راجے وھاں بیٹھ گئے تو انھوں نے ان کے سامنے ایک تھال رکھا ۔
رانی پرتاپ[3] کنور بولی اور اس نے یوں کہا :
''تمھارا بھائی راجا پرتھی سنگھ نظر نہیں آتا ؟
کیا بھائی کو مروا آئے ہو ؟ مجھے سچ سچ بتا دو''۔
یہ سنتے ھی جسونت سنگھ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے ۔
''پرتھی سنگھ قلعے میں وفات پا گیا ھے اور اسے دلی میں جلا دیا گیا ھے''۔
یہ سن کر رانی نے کہا :
''اب دوبارہ پرتھی سنگھ جیسا راجا پیدا نہیں ھوگا''۔
یہ سن کر جسونت سنگھ نے رانی کو بیوگی کا لباس پہنا دیا
اور رانی چندر کنور کو بڑی رانی کا مرتبہ دے دیا ۔

---

۱ ۔ یہ سب غلط ھے ، جسونت سنگھ نے کابل میں وفات پائی تھی ، وہ بیٹے کی موت کے بعد جودھ پور میں واپس نہیں آیا تھا ۔ مرتب
۲ ۔ جسونت ، امر ، پرتھی اور پرتاپ ۔
۳ ۔ بھاٹ اسے جسونت سنگھ کی سب سے بڑی رانی بتاتے ھیں ۔ مرتب

حکایت ۵۲

گگے کا گیت

اسے دلی کے مرزا حسین نے ایک بھاٹ سے قلم بند کیا

گورو گگا کی حکایت کی یہ اہم اور مختلف روایت نہایت احتیاط سے لکھی گئی ہے اور اس میں مقامی بھاٹوں کی تمام پریشان خیالیاں اسی طرح رہنے دی گئی ہیں۔ اسے جلد اول میں درج شدہ 'گورو گگا کی حکایت' سے ملا کر پڑھنا چاہیے۔

اس کہانی کا خاص پہلو یہ ہے کہ اس میں گورو گگا کی کہانی کو راجپوتانہ کے بھاٹوں کے عام انداز کے مطابق، تاریخی لحاظ سے پیش کیا گیا ہے۔ جہاں تک ہو سکا ہے اسے کرامات سے علیحدہ کر کے بیان کیا گیا ہے اور اس کی ایک خاص تاریخ بکرمی ۱۳۶۹ یا ۱۳۱۲ء بھی دی گئی ہے۔ قدرۃً یہ تاریخی واقعات قدرے ''ملے جلے'' ہیں، مگر یہ اختلاط اس سے زیادہ نہیں جو ایسے گیتوں میں بالعموم واقع ہو جاتا ہے۔

جہاں تک گگے کی کہانی کے تاریخی پہلو کا تعلق ہے، وہ بالعموم صرف اسی قدر بتایا جاتا ہے کہ محمود غزنوی کے ہندوستان پر آخری حملے (۱۰۲۴ء) کے دوران گگا اپنے ملک کا دفاع کرتا ہوا مارا گیا مگر اس کہانی کے مطابق گگے نے فیروز شاہ والیٔ دلی کو شکست دی تھی کیوں کہ اس نے گگے اور اس کے سوتیلے بھائیوں ارجن اور سرجن کے درمیان آبائی جائداد کی تقسیم کے خاص جھگڑے میں گگے

کے بھائیوں کی طرف داری کی تھی۔ گگے نے اس کے بعد ۱۳۱۲ء میں وفات پائی۔

فیروز شاہ والیٔ دلی، جسے بھاٹ کے کہنے کے مطابق گگے نے شکست دی، تاریخی لحاظ سے فیروز شاہ خلجی ہو سکتا ہے، جس نے ۱۲۸۲ء تا ۱۲۹٦ء حکومت کی، مگر سطر ۲۷ کے اشارے سے پتا چلتا ہے کہ شاید بھاٹ کی مراد فیروز شاہ تغلق (باربک) سے ہو، جس نے ۱۳۵۱ء تا ۱۳۸۸ء حکومت کی۔ جہاں تک شاہ دھلی کی طرف سے لڑنے والی دیگر شخصیتوں کا تعلق ہے، ان کے متعلق یہاں کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں، کیوں کہ معلوم ہوتا ہے کہ بھاٹ نے ہندوستان کی مسلم تاریخ سے جو نام اسے پسند آئے ہیں، لے لیے ہیں۔ مگر گگے کی طرف سے لڑنے والوں کے نام بہت دلچسپ ہیں۔ بالا غازی المعروف سالار غازی کو، جس کی حکایت جلد اول میں دی جا چکی ہے، گگے کا مددگار اور بھانجا بتایا گیا ہے، حالاں کہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ محمود غزنوی کا بھانجا تھا۔ بہر کیف وہ غالباً گگے کا ہم عصر ضرور تھا۔ نرسنگھ گگے کا خاندانی پروہت اور برہمن، بھجو اس کے گھر کا خاک روب اور فتح سنگھ چوہان اس کا رشتہ دار ــــ یہ سب گگے کے ساتھی بتائے گئے ہیں۔ آج کل پنجاب میں گگے کے استھانوں پر اس کے ساتھ نرسنگھ، بھورے سنگھ کے اور کالے سنگھ کے نشانات بھی ملتے ہیں۔ بھاٹ آخری دو کو بھجو اور فتح سنگھ کے بدلے ہوئے نام بتاتا ہے۔ یہ کہانی اس لحاظ سے اہم ہے کہ اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ عام لوگوں کی نظروں میں یہ اشخاص کون تھے۔ بھاٹ فتح سنگھ کو گگے کا ''پگڑی بدل بھائی'' بتاتا ہے، یعنی ایسا شخص جس سے پگڑی بدل لی گئی ہو اور اس طرح گویا اس سے دفاعی اور اقدامی جنگ میں پکا حلیف ہونے کا معاہدہ کر لیا گیا ہو۔

گگرے کا گیت

توام بھائی[۱]

''تمھیں ماں کہیں یا خالہ ؟ تم ہماری دھرم کی ماں ہو ؛
ہمارے آبائی[۲] گاؤں میں سے ہمیں بھی کچھ حصہ دلاؤ ؛
کنوئیں میں سے بھی آدھا حصہ دلاؤ اور کھیتوں میں سے بھی ؛
گھوڑوں اور مویشیوں میں سے بھی آدھا حصہ دلاؤ اور مال و دولت میں سے بھی''۔

رانی باچھل

''پیر[۳] کو گھر آنے دو ، آدھا مال و دولت لے لینا ؛
گھوڑے مویشی بھی آدھے لے لو اور آدھی کھیتیاں بھی''۔

توام بھائی

''تم ہماری ماں ہو ، تم ہماری خالہ ہو ؛ ہم تمھارے دروازے پر آئے ہیں ۔
ہمیں ایک کاغذ کے پرزے پر یہ بات لکھ دو ، تمھارا لکھا ہمیشہ کام آئے گا ''۔
الفاظ قلم بند کرنے کے لیے انھوں نے قلم دوات منگائی ۔
شتابی[۴] کہتا ہے : دولت مندوں کی قسمت بہت جلد بدلتی ہے ۔

اس ولی (گگرے) کو پتا چلا تو اس نے فوراً اپنی نیلی گھوڑی کی باگ اٹھا دی ۔
جب انھوں نے پیر جی کو آتے دیکھا تو فوراً کاغذ کے اس پرزے کو چھپا لیا ۔

---

۱ ۔ گگرے کے سوتیلے توام بھائی اپنی خالہ باچھل سے کہ رہے ہیں ، جو گگرے کی ماں تھی ۔ جلد اول میں گگرے کے ان دو توام بھائیوں کا نام ارجن اور سرجن بتایا گیا ہے ۔ مرتب

۲ ۔ یہاں پنجابی لفظ ددریڑے ہے ۔ مرتب نے اسے گاؤں کا نام سمجھا ہے، حالاں کہ اس کا مطلب دادا کا گاؤں، یعنی آبائی گاؤں ہے۔ مترجم

۳ ۔ ساری کہانی میں گگرے کو پیر کہا گیا ہے ۔ مرتب

۴ ۔ اس گیت کے مصنف کا تخلص یا نام ۔ مرتب

رانی باچھل

''گگے ! یہ تیرے خالہ زاد بھائی ھیں ، انھیں اپنی زمین میں برابر کے
شریک بنا لے ؛
اپنے آبائی گاؤں میں سے انھیں بھی حصہ دے دے''۔

گگا

''وہ نہ میرے چچا کے بیٹے ھیں ، نہ تایا کے ، وہ میرے گوت کے بھائی
نہیں ھیں ۔
اے پگلی ماں ! تو انھیں کیسے زمین کا حصہ دلاتی ھے ؟
زمین وہ دوسروں کو دے جو اپنے باپ کا بیٹا نہ ھو ، یا وہ دے جو
مغلوب ھو جائے ۔
یہ تو چوھان کی زمین ھے ، اسے جو لے گا اپنی تلوار کے زور سے
لے گا ''۔

توام بھائی

''ظاھر[۱] ! ھم تجھے جان سے مار دیں گے اور تجھ سے اپنا آبائی گاؤں
چھین لیں گے ۔
ھم دونوں بھائی اپنی ضد کے پکے ھیں ، تیرے باگڑ میں بطور امین[۲]
زندگی بسر کریں گے''۔

گگا

''توام بھائیو ! یہاں سے چلے جاؤ ، میں ناحق اپنے سر گناہ نہیں لوں گا ۔
مجھے اپنے گورو پیر کی اجازت نہیں ھے ورنہ ابھی تمھارے دو ٹکڑے
کر دیتا ''۔

دونوں توام بھائیوں نے گیروے کپڑے پہن لیے اور مشعلیں روشن
کر لیں
اور منزل بہ منزل چلتے ھوئے سادی پور[۳] پہنچ گئے ۔

---

۱ ۔ گگے کو ظاھر پیر بھی کہتے ھیں ۔ مرتب
۲ ۔ شاہ دھلی کے ملازم ۔ مرتب
۳ ۔ دلی کے قریب ایک گاؤں ھے ۔ مرتب

وهاں گوالے جنگل میں گائیں چرا رہے تھے -

توام بھائی

''دلی یہاں سے کتنی دور ہے ؟ نا واقفوں کو بتا دو''-

گوالے

''دلی یہاں سے پانچ کوس ہے اور پرانا قلعہ تین کوس ہے ؛
اس سے آگے تغلق آباد ہے ، جہاں سرکاری عہدے دار رہتے ہیں ؛
پھر جوڑ باغ ، ھمایوں کا مقبرہ اور درگاہ حضرت نظام الدینؒ اولیا ہے -
اس سے آگے کچھ پتا نہیں ، سوائے اس کے کہ وہاں گوجر مسافروں کو
لوٹ لیتے ہیں[۱] ''-

دونوں توام بھائی دلی کی طرف روانہ ہوئے

---

۱ - اس سے صاف ظاہر ہے کہ بھاٹ جدید دھلی سے اچھی طرح واقف ہے مگر تاریخ کا بہت تھوڑا علم رکھتا ہے - پرانہ قلعہ ھمایوں کا دارالخلافہ تھا ، جس کی بنیاد ۱۵۳۰ء کے قریب رکھی گئی - تغلق آباد غیاث الدین تغلق کا دارالخلافہ تھا ، یہ ۲۵-۱۳۲۱ء میں تعمیر ہوا - جوڑ باغ ھمایوں کے مقبرے کے قریب ایک گاؤں ہے ، جس کی بنیاد ۱۵۶۵ء سے پہلے نہیں رکھی گئی تھی - حضرت نظام الدینؒ اولیا کا مقبرہ غیاث پور کے گاؤں سے زیادہ دور نہیں ، ان کی وفات ۱۳۲۵ء میں ہوئی تھی - اگلا اشارہ بظاھر پرانے قلعے اور فیروز شاہ تغلق کے شہر فیروز آباد میں واقع گوجروں کے گاؤں کی طرف معلوم ہوتا ہے - اس نظم میں گگے کو جس بادشاہ کے خلاف لڑتے دکھایا گیا ہے ، اگر وہ فیروز شاہ تھا ، تو اس کا عہد ۱۳۵۱ء تا ۱۳۸۸ء تھا - ظاھر ہے اس زمانے میں نہ موجودہ پرانا قلعہ تھا ، نہ ھمایوں کا مقبرہ ، نہ توام بھائی دھلی جا سکتے تھے کیوں کہ موجودہ دھلی کو شاہ جہان نے ۱۶۳۸ء اور ۱۶۵۸ء کے درمیان آباد کیا تھا - اگر اس بادشاہ سے مراد فیروز شاہ خلجی ہے تو پھر یہ سارا جغرافیہ غلط ہے ، کیوں کہ اس کا عہد ۱۲۸۲ء تا ۱۲۹۶ء تھا - مرتب

اور انھوں نے راج گھاٹ پر پہنچ کر جمنا میں غسل کیا۔
سرجن ارجن سے کہنے لگا:

سرجن

''اپنی تلوار لے لو؛
آؤ اب ہم گیروے کپڑے اتار دیں اور ہر خاص و عام سے ملیں جلیں۔
پھر بادشاہ سے عرض کریں: 'اے بادشاہ! ہمیں جلدی سے زمین دلا دو'۔
اور اگر بادشاہ ہماری بات نہ مانے تو اس پر تلوار سے حملہ کر دیں''۔

توام بھائی[۱]

''ددریڑا باغی ہو گیا ہے اور باگڑ کے راستے بند ہو چکے ہیں۔
اے بادشاہ! چوھان نے ہماری زمین غصب کر رکھی ہے، ہمیں ہماری زمین دلا دو''۔

فیروز شاہ بادشاہ

''کون سی قوم باغی ہوئی ہے؟ کس نے تمھاری زمین چھین لی ہے؟
میرے امین (عہدیدار) کو ساتھ لے جاؤ، وہ تمھاری زمین واپس دلا دے گا''۔

توام بھائی

''اس نے شہر جلا دیے ہیں اور ساھوکاروں کی دولت لوٹ لی ہے۔
ہماری زمین غصب کر لی ہے۔ راجا! ہمیں روپے دو تاکہ اس سے زمین چھڑا سکیں۔
اس نے لا تعداد فوج جمع کر لی ہے اور اس میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے۔
فیروز شاہ! سنو، وہ تو تخت پر حملہ کرنے کی تیاریوں میں مصروف ہے۔
اس کے دروازے پر نوبت بجتی ہے اور اس نے اپنا ڈیرا بادشاھوں کا سا بنایا ہوا ہے۔

---

۱ - بادشاہ سے۔

وہ تخت رواں پر بیٹھتا ہے اور اپنا سکہ چلانے کی فکر میں ہے"۔

فیروز شاہ پادشاہ

"اے توام بھائیو ! یہ کیا کہہ رہے ہو ؟ میرے دربار میں کیا شور مچا رکھا ہے ؟
آخر وہ ایک معمولی زمیندار ہے ، میں اس کی طاقت دیکھ لوں گا "۔

توام بھائی

"اس وقت باگڑ میں فوجیں ہی فوجیں ہیں ، جن کے پاس زبردست تیر ہیں ۔
وہ دلی پر حملہ کر دے گا ، چوہان غصے میں ہے"۔

بادشاہ کا خط

"اے رانگڑ[1] تو نے یہ کیا وطیرہ اختیار کیا ہے ؟ باگڑ سے دست کش ہو جا ۔
اگر تو روپیہ لے کر میرے پاس نہ پہنچا تو میں ہندوانہ[2] کی اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا ۔
اے رانگڑ ! تو نے بہت شور مچا رکھا ہے ، باگڑ چھوڑ دے ۔
تو ایک چھوٹا سا زمیندار ہے ، میں تیری طاقت دیکھ لوں گا ۔
اے رانگڑ ! باگڑ چھوڑ دے ، تو نے بہت غل مچایا ہے ۔
اگر تو میرے سامنے دست بستہ حاضر نہ ہوا تو تجھے دلی میں لا کر قید کر دوں گا "۔

خط کا جواب

"دولت پاس نہیں جو لے کر آپ کے پاس آؤں اور بھاگنا باعث شرم ہے"۔
فیروز شاہ مہاراج ! میں آپ کا ہم پلہ نہیں ہوں ۔
اگر آپ عادل ہیں تو مجھ پر حملہ نہ کریں ، اگر ظالم ہیں تو حملہ کر دیجیے ۔

---

۱ - راجپوت کے لیے حقارت کا لفظ ہے ، کیوں کہ رانگڑ دوغلے سمجھے جاتے ہیں ۔ مرتب

۲ - راجپوتانہ ۔ مرتب

پانسا خدا کے ہاتھ میں ہے ، وہی جانتا ہے، کسے کامیابی ہوگی ۔
اگر حملہ کرنا ہے تو جلدی کر دیجیے ، آپ کے دل کی بات دل میں نہ رہ جائے ۔
اے بادشاہ ! اگر آپ میری بات نہیں مانتے تو میں آپ سے تعلقات منقطع کرتا ہوں''۔

فیروز شاہ بادشاہ[۱]

''باگڑ کا ملک کیسا ہے ؟ ہندوانہ کیسا علاقہ ہے ؟
ظاہر[۲] اور زندہ پیر کیسا ہے ؟ راٹھور[۳] رانا کیسا ہے؟''

قاصد

''میں نے وہاں کوئی مال و دولت نہیں دیکھی مگر وہ راجا نظر آتا ہے ۔

وہ لوگوں کا دشمن نہیں ہے اور دیکھنے میں فقیر آدمی ہے''۔
ایک ہزار تیر اندازوں نے چڑھائی کی ؛ ساتھ ہاتھی تھے جن پر ہودے اور عماریاں تھیں ۔
ٹڈی دل فوج روانہ ہوئی ، جس میں سب امرا شامل تھے ؛
اس میں امیروں اور سرداروں نے بھی حصہ لیا اور راجوں اور رایوں نے بھی ۔
مغل بادشاہ اپنی ساری فوج سمیت بڑھا ، ساتھ دونوں توام بھائی تھے ،
ساٹھ ہزار تیر انداز تھے اور ساٹھ ہزار بندوقیں تھیں ،
اور ساٹھ پیادہ پا فوجیں ؛ اتنے بڑے لشکر نے حملہ کر دیا ۔
اسی ہزار اونٹ تھے اور چار سو پچاس ہزار گھوڑے ۔
شتابی کہتا ہے : ''ایک شخص پر اتنے لاکھ کا لشکر حملہ آور ہوا ؛
برسنے کے لیے بادل چڑھے اور وہ آسمان پر چھا گئے ۔

---

۱ - قاصد سے ، جو جواب لے کر آیا ہے ۔ مرتب
۲ - گگے کو مرنے کے بعد ظاہر اور زندہ پیر کہتے ہیں ۔
۳ - گگے کے لیے استعمال کیا گیا ہے مگر اس کا استعمال غلط ہے۔ مرتب

سورج چھپ گیا اور دن رات میں تبدیل ہو گیا ۔

سریال[1] محل کی چھت پر کھڑی بال سکھا رہی تھی :

رانی سریال[2]

''اے ساس ! ذرا دیکھنا تو ، تمھارا ملک لوٹا جا رہا ہے'' ۔
سریال چھت سے نیچے اتر آئی ، اس کا رؤاں رؤاں چلا رہا تھا ۔

رانی سریال

''میرا خاوند تہ خانے میں پڑا سوتا ہے ، اب میں کیا کروں؟''

رانی باچھل

''تیرا خاوند سو رہا ہے ، وہی ہمارا راؤ ہے ۔
راجا سانجھا کی بیٹی ! میرے ظاہر[3] پیر کو جگا دے''۔

رانی سریال[4]

''باکڑ میں ایک شور بپا ہے اور (محل کی) سیڑھیوں پر گھوڑے ہنہنا رہے ہیں ؛
اٹھو میرے مالک ! ہتھیار لو ، تم کیسی گہری نیند سو رہے ہو ۔
انھوں نے سات سو مویشی پکڑ لیے ہیں اور ساتھ ان کے چرواہے موہن اور چیمل بھی ۔
گوالے تمھارے دادا امر سنگھ کے دروازے پر کھڑے فریاد کر رہے ہیں ۔
بچھڑے رسیاں تڑا رہے ہیں اور گائیں لشکروں کے درمیان بول رہی ہیں ۔
دودھ کے برتن خالی پڑے ہیں اور دودھ دوہنے والے خالی ہاتھ واپس جا رہے ہیں ۔

---

۱ - گگے کی بیوی ۔ جلد اول دیکھیے ۔ مرتب
۲ - گگے کی ماں باچھل سے کہہ رہی ہے ۔ مرتب
۳ - گگا ۔
۴ - گگے کو جگانے کے لیے جاتی ہے ، مرتب

تم[1] نے ایسے بیٹے کو جنم دیا ہے اور اسے اتنا اونچا نام دیا ہے۔
اگر تم نے اسے پیدا ہوتے ہی مار دیا ہوتا تو ہمیں آج شرمندگی نہ اٹھانی پڑتی"۔

رانی باچھل

"کوئی گنہ گار مفسد مرے یا پاپی شوم،
میرا ظاہر تو قوت والا ہے، جس کے خلاف ایک بڑا لشکر جھوم کر چڑھ آیا ہے۔
ظاہر کے سر پر سہرا ہے اور وہ جنگ کرنے کا شوقین ہے۔
اے راجا سانجھا کی بیٹی! پھر جا کر اسے جگاؤ"۔

رانی سریال[2]

"تم نے بھائیوں کو زمین نہ دی اور انہیں یہاں سے نکال دیا۔
اگر تم بزدل ہو تو کسی کونے میں چھپ جاؤ، اب ان فوجوں کا مقابلہ کون کرے، جنھوں نے یہاں حملہ کر دیا ہے۔
وہ اچکے توام بھائی اپنے ساتھ لشکر چڑھا لائے ہیں۔
اے میرے مالک! جاگو اور اپنے ہتھیار سنبھالو، اب کیوں چھپتے پھرتے ہو؟"

تم[3] نے ایسے بیٹے کو جنم دیا ہے جو بالکل نکما ہے۔
وہ چوہانوں کی عزت کو بٹا لگا رہا ہے، اس کے سر پر پگڑی کیوں باندھی تھی؟"

رانی باچھل

"میں نے ایسے بیٹے کو جنم دیا ہے جس کا پیر گورکھ (ناتھ) جیسا مقدس شخص ہے۔

---

۱ - سریال جب اسے جگا نہ سکی تو اپنی ساس سے کہتی ہے۔ مرتب
۲ - گگے سے۔
۳ - باچھل سے۔

وہ چوھانوں کی عزت بر قرار رکھے گا ، اس لیے اس کے سر پر سرخ
پگڑی باندھی گئی تھی ۔
میرا بیٹا تو قابل فخر بیٹا ہے ، میرا ظاہر تو راؤ ہے ۔
اے راجا سانجھا کی بیٹی ! میرے ظاہر کو جا کر پھر جگاؤ"۔

رانی سریال[1]

"تم نے بڑی شان سے عصائے شاہی تیار کرایا اور پگڑی باندھی تھی ۔
یا تو اپنی پگڑی کی لاج رکھو ، ورنہ جوگی بن کر یہاں سے چل دو"۔

"مجھے[2] پانچوں کپڑے دو ، مجھے پانچوں ہتھیار دو ؛
میں اپنے خاوند کی بجائے لڑوں گی ۔ اے میری ساس ! تم میری
امداد کرنا "۔

رانی باچھل

"بہادر ہی لڑائی لڑ سکتا ہے، عورت زخموں کو برداشت نہیں کر سکتی ۔
اے راجا سانجھا کی بیٹی ! میرے ظاہر کو ایک بار اور جگا دو"۔

رانی سریال[3]

" اے میرے خاوند ! اب چوڑیاں پہن لو اور عورتوں کا لباس
اختیار کر لو ۔
اپنی زرہ بکتر مجھے دے دو اور پھر تم کھڑے ہو کر دیکھو کہ
میں کیا کرتی ہوں"۔
طعنہ اس کے جگر میں اتر گیا اور وہ خون خوار شیر اٹھ بیٹھا ۔
پہاڑ لرز گئے اور محل کانپنے لگے ۔
وہ دلیر جوش میں آیا تو اس کا وزن بڑھ گیا ، جس سے پلنگ ٹوٹ گیا ۔

گگا

"وہ عورت کہاں ہے جو یہاں کھڑی مجھے طعنہ دے رہی تھی ۔

---

۱ - گگے سے۔
۲ - پھر رانی باچھل سے ۔ ۳ - گگے سے ۔

میں ہتھیار کہاں استعمال کروں ؟ اے ذلیل شخص کی بیٹی مجھے بتا ۔
میرے لیے تیل اور عطر لا اور جلدی سے نائی کو بلا دے :
میرے گھوڑے کو تیار کر ، یہاں کھڑی کیا طعنے دیتی ہے ؛
میرے پانچوں ہتھیار لے آ تاکہ میں شہیدوں کا لباس پہن لوں ؛
صندل کی چوکی اور ابٹنا لے آ تاکہ میں نہا دھو لوں ۔
میں نے اپنی ماں کا جو دودھ پیا ہے ، وہ جوش مار رہا ہے ، میری ماں کو جلدی بلا دے[۱] "۔

رانی باچھل

" میں ہمیشہ اسی دن کے لیے خدا کے سچے دربار میں دعا کرتی رہی ہوں ۔
گورو[۲] گوبند تمھارا محافظ ہو! اے میرے شیر! للکارتے ہوئے آگے بڑھو"۔

جب وہ بہادر نہا چکا تو اس پر عرش سے پیری نازل ہوئی ۔
وہ منہ سے پاک کلام پڑھتا جاتا تھا اور اس دولھا پر مستی چھائے جا رہی تھی ۔
حوروں نے اسے ابٹنا لگایا اور پریوں نے اس کے سر میں تیل ڈالا ۔
جب بہادر میدان جنگ کی طرف بڑھا تو دوشیزائیں آرتا لائیں ۔
اس نے خوب بن سنور کر زعفرانی لباس پہنا
اور امام غائب کا چراغ اس کی مدد کے لیے روشن ہوا ۔

جب وہ بہادر میدان جنگ کی طرف بڑھا تو اس نے بلند آواز سے للکارا ۔

---

۱ ۔ کسی معرکے پر جانے سے پہلے ماں سے دودھ بخشوانا مسلمانوں کا طریقہ ہے ۔ ماں نے بیٹے کو جو دودھ پلایا ہوتا ہے اس کے عوض بیٹے پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ تا عمر ماں کی خدمت کرے، لیکن جنگ پر جاتے وقت چونکہ واپس آنے کا یقین نہیں ہوتا اور واپس نہ آنے کی صورت میں ماں کی خدمت کا فرض پورا نہیں ہو سکتا، اس لیے ایسے موقع پر ماں سے دودھ بخشوایا جاتا ہے ۔ مرتب

۲ ۔ سکھوں کے اس گورو کا زمانہ ۱۶۷۵ء تا ۱۷۰۸ء تھا جسے بھاٹ نے گگے سے پہلے کا بنا دیا ہے ۔ مرتب

شتابی کہتا ہے : ”دلیر نے پوری فوج کو للکارا -
بائیں طرف ایک لاکھ جنگجو تھے اور دائیں طرف بڑے بڑے امیر تھے۔
بادشاہ کے ساتھ بائیس لاکھ فوج تھی اور پیر کے ساتھ تقریباً پانچ آدمی تھے۔
ظاہر نے ہاتھ جوڑ کر دعا مانگی :

گگے کی دعا

میری دعا قبول کر !
تو میرا باری تعالیٰ ہے ، تو میرا پاک سبحان ہے ۔
میں نے کبھی جنگ نہیں دیکھی ، میں نے کبھی نیزہ نہیں چلایا ۔
میں نادان بچہ ہوں ، خونیں لڑائیوں سے واقف نہیں ۔
میرے ہاتھوں میں کنگن ہیں ، سر پر سہرا بندھا ہے اور گلے میں موتیوں کی مالا ہے ۔
اے میرے باری تعالیٰ ! اس بار جنگ میں فتح حاصل ہو جائے ! تیری شان عظیم ہے“۔
جنگجو اکٹھے ہوئے تو میدان جنگ سمندر کی طرح ٹھاٹھیں مارنے لگا۔

گگا[1]

”چھتر والے امرا پر حملہ کرو ، پہلا وار تمہارا ہے“۔
بالا غازی نے باگیں اٹھا دیں اور اپنی طاقت دکھائی ۔
وہ جنگ میں کودا تو فوجیں اس طرح ہٹ گئیں جیسے پانی پر سے کائی پھٹ جاتی ہے ۔
اس نے سلطان[2] کی پیشانی پر تلوار سے وار کیا ؛
سارے امیر اور ترک کھڑے دیکھتے ہی رہ گئے ۔
بالا وہاں کھڑا ساری فوج کو للکار رہا تھا مگر کسی کو اس کے سامنے آنے کی ہمت نہ ہوئی۔

بالا غازی

”اگر تیری کوئی فوج ہے تو آ ، اپنے بیٹے کا انتقام لے“۔

---

۱ - بالا غازی سے ، تعارف نامہ دیکھیے۔ مرتب
۲ - فیروز شاہ کا بیٹا ۔

فیروز شاہ بادشاہ

''اٹھ ، اے بھوانی[1] کے دلیر جاتو بھان! تو بھیم[2] کی طرح بہادر ہے''۔
بالا اکیلا ساری فوج سے لڑ رہا ہے اور اس نے میرے بیٹے سلطان کو
مار ڈالا ہے''۔

بہادر جاتو بھان میاں بالا غازی کے مقابلہ پر آیا ؛
اس نے نیزہ اور تیر ہاتھ میں لیا اور گھوڑے کو ڈانٹا ؛
اس نے ذرا دیر نہ کی اور للکارتا ہوا بالا پر حملہ آور ہوا ؛
تیر اس کے زرہ بکتر پر کوئی اثر نہیں دکھاتے تھے ۔
پھر یکایک تلواریں بجلیوں کی طرح چمکنے لگیں ؛
تلواریں کٹ کٹ کر گر پڑیں اور قبضے ان کے ہاتھوں میں رہ گئے ؛
دونوں سواروں نے قبضے زمین پر پھینک دیے ۔
شتابی کہتا ہے : دونوں کے وار خالی گئے ۔

بالا غازی

''تمھارے دل میں کوئی حسرت نہ رہ جائے ، اپنے دل کو مضبوط رکھو۔
اے جاتو! آؤ اب ہم دونوں اپنے خنجروں سے لڑیں''۔

جاتو بھان

''گگے کا ساتھ چھوڑ کر ہماری طرف آ جاؤ اور ہمارے دین کے بھائی
بن جاؤ ۔
قیامت کے روز ہم دونوں کو ملنا ہے ، جیسے خدا نے مقرر کر دیا
ہوا ہے''۔

گگا[3]

''کہو بالا! کیسے گزری؟ تمھارا وار کیوں خالی گیا ؟

---

۱ - بھوانی ضلع حصار کا ایک پرانا قصبہ ہے ؛ حصار کا پورا نام
حصار فیروز شاہ تھا ۔ تاریخ اور روایات دونوں کے لحاظ سے حصار
کا فیروز شاہ سے تعلق ثابت ہے ۔ مرتب
۲ - پانڈو بھیم جو ہندوستانی کہانیوں کا روایتی بہادر ہے ۔ مرتب
۳ - بھاٹ کے کہنے کے مطابق اس موقع پر رات کی سیاہی چھا گئی اور
لڑائی ختم ہوگئی اور جاتو رات کے پردے میں بھاگ گیا ۔

بادشاہ لڑتے ہیں مگر تلوار دغا دے جائے تو دل کانپ جاتے ہیں ۔
وہ دلی کا بادشاہ ہے اور میں سچا چوہان ہوں ۔
بہت سے سورما لڑائی میں حصہ لیں گے اور گھمسان کا رن پڑے گا ۔
وہ جو ہاتھی[1] دانت کا چوڑا پہنے ہوئے ہے ، اس کی بد دعا کون لے سکتا ہے ۔
اے بالا ! اپنے گھر جاؤ ، رانگھڑ کی بیٹی تمہارے انتظار میں ہے"۔

بالا غازی

" اے ساموں ! اس لاتعداد لشکر کو دیکھ کر میرا دل پریشان ہو گیا ہے ۔
اب ایک بار اور میری مدد کرو، پہلے تو مجھے تلوار دغا دے گئی تھی"۔
اس نے اللہ کا نام لے کر تلوار لی اور اسی اللہ پر بھروسا رکھا ۔

بالا غازی

" آج کا دن ایمان اور شہادت کا دن ہے"۔
حفاظت کی دعا مانگنے کے بعد پیر نے اسے آگے بڑھنے کا اشارہ کیا ۔
بالا بادشاہ پر حملہ آور ہوا ، اس کے ہاتھ میں دو دھاری تلوار تھی ؛
وہ فوجوں کے اندر گھس گیا اور لاکھوں کو دھکیلتا ہوا چلا گیا ؛
وہ جس طرف باگ اٹھا دیتا ، لاشوں کے ڈھیر لگ جاتے ۔
اس نے ہودہ کاٹ کر عدلی[2] پٹھان کو نیچے گرا دیا ؛
بالا نے فیروز شاہ کی فوج کے پرخچے اڑا دیے ۔

بالا غازی

"اے فیروز شاہ ! دنیا میں ایسے ہی بہادر نام پاتے ہیں ۔
میں بالا اکیلا لڑ رہا ہوں اور تیرے لاکھوں سپاہی کھڑے دیکھ رہے ہیں"۔

---

۱ ۔ کہ رہا ہے کہ بالا کی بیوی اسے جنگ جیت نہ سکنے پر بد دعا دے گی ۔

۲ ۔ غالباً اس سے دہلی کا محمد عادل شاہ سور مراد ہے ، جس نے اکبر کی تخت نشینی کے قریب ہندوستان کی تاریخ میں اہم حصہ لیا ۔ اس کا عہد ۵۶-۱۵۵۴ء تھا ۔ وہ عام طور سے عدلی کے نام سے مشہور ہے ۔

پھر بادشاہ نے بخارا[1] کے پیر کو طعنہ دیا ؛
اس نے ھاتھ میں ایک لمبا نیزہ لیا اور کمر سے خنجر باندھا ؛
اس کی تلوار یوں چمکی جیسے آسمان سے کوئی ستارا ٹوٹے ۔
ان دونوں نے ایک دوسرے کے ھتھیار پکڑ کر ایک دم خنجر سے وار کر دیے ۔
جب دونوں نیچے گرے تو ان کے بدن ٹکڑے ٹکڑے ھو گئے ۔
حوروں نے دونوں کو پیالے[2] پیش کیے اور ان کی جانیں لے گئیں ۔

گگا[3]

''بڑے بڑے ھاتھی کھڑے ھیں اور ان کے سامنے علم بردار ھیں ،
نرسنگھ! یہ تمھاری لڑائی ھے ، اب تم اپنا قول پورا کرو[4] ''۔
نرسنگھ شیر آگے بڑھا ، شیر نے بہادری سے حملہ کیا ؛
برھمن گرجتا ھوا گیا اور اس نے بادشاہ پر حملہ کر دیا ۔
اس طرف چار پلٹنیں تھیں اور ادھر وہ اکیلا بہادر تھا ۔
اس نے ھاتھیوں کو مار ڈالا اور بادشاہ کے خادموں نے اس پر حملہ کر دیا ۔
بادشاہ کے آدمیوں نے اس کا سر کاٹ دیا اور اس کا بے سر لاشہ زمین پر گر پڑا ۔

فیروز شاہ بادشاہ

'' تم طاقتور باپ کے بیٹے ھو ۔ اے سید جواھر ! اب تم حملہ کرو''۔
بادشاہ نے طعنہ دیا تو سید جواھر اس کی طرف پلٹا ۔

---

۱ ۔ بالا غازی ۔ مگر یاد رھے بھاٹ بلخ کی طرح بخارا کو بھی ان تمام ممالک کے شہروں کے لیے استعمال کرتے ھیں جو ھندوستان کے مغرب میں ھیں ۔

۲ ۔ مشہور ھے کہ مسلمان شہیدوں کو بوقت شہادت حوریں آب کوثر کا پیالہ پیش کرتی ھیں تا کہ وہ فوراً جنت میں داخل ھو سکیں ۔ مرتب

۳ ۔ نرسنگھ برھمن سے ، جو اب جنگ میں آیا ھے ۔

۴ ۔ بھاٹ کہتا تھا نرسنگھ نے گگے سے وعدہ کیا تھا کہ وہ لڑائی میں اپنے جوھر دکھائے گا ۔

وہ اپنے کمیت گھوڑے پر سوار تھا ، اس نے فوراً اپنا علم اٹھایا ۔
سید جواھر کے ھاتھ میں تلوار تھی اور بدن پر شہیدی لباس تھا ۔
نرسنگھ نے نیزہ مارا کیوں کہ وہ دلیر بے سر ھی لڑ رھا تھا ۔
پھر نرسنگھ نے اسے خنجر مارا اور خنجر اس کا بدن چھید کر دوسری
طرف نکل گیا ۔
وہ اس کے بازوؤں میں گرا اور دونوں زندہ پیر ھو گئے ۔

گگا

''اے جنگجو[1] بھجو ! اپنی تلوار اٹھاؤ ، اے بہادر شیر! اٹھو ۔
سر کٹیں اور زمین پر گریں ، فوج کو تتر بتر کر دو''۔
بھجو فوراً اٹھا اور اس نے اپنی زبردست تلوار باندھ لی ۔
وہ میدان جنگ میں کود پڑا حالانکہ مغلوں کی فوج بے شمار تھی ۔
اس نے ترک کو نشانہ بنا دیا اور اس کے ھاتھی کی عماری کاٹ دی ؛
اس نے سید داؤد هزاری کے گرد بانہیں ڈال کر اسے گھیرے میں لے لیا ؛
اس نے جنگی نعرہ مارا اور پہاڑ کانپ اٹھے ۔
مرزا کمال پکڑا گیا تو مغلوں میں ھلچل مچ گئی ؛
مرزا کمال خاں اور اس کے بہت سے ساتھی مارے گئے ۔

فیروز شاہ بادشاہ

''سید ابراھیم ! آگے آؤ ، انھوں نے میرے سید داؤد کو مار ڈالا ھے''۔
پھر سید ابراھیم نے مغل فوجوں کا جائزہ لیا ۔
اس نے ھاتھ میں لمبا نیزہ لیا اور کمر سے خنجر باندھا ۔
جنگجو یوں لڑتے تھے جیسے اکھاڑے میں پہلوان کشتی کریں ۔
وہ ایک دوسرے پر جھپٹتے تھے اور وار کرتے تھے ؛
بہادر آپس میں لڑتے تھے اور ان کے بدن زخمی تھے ۔
شتابی کہتا ھے : ''وہ دونوں بہادر ایک ھی بار زمین پر آ گرے''۔

گگا[2]

''وہ سرخ پالکی دیکھتے ھو ، جس کے سامنے علم بردار کھڑے ھیں ؟

---

۱ - بھجو چہار ، تعارف نامہ دیکھیے ۔
۲ - فتح سنگھ چوھان سے ، تعارف نامہ دیکھیے۔

فتح سنگھ ! اب میدان جنگ میں اپنا قول نبھاؤ"۔
فتح سنگھ چوھان بڑا راجا تھا ، جسے اپنے آپ پر بہت ناز تھا ۔
اس نے لباس تبدیل کیا اور راجا[1] کی فوج میں گھس گیا ۔
شیر نے نیزہ مارا اور پالکی کو الٹ دیا ،
جنگجو نے دشمن کو پکڑ لیا اور رانی[2] اپنے رتھ میں چلانے لگی ۔
فتح سنگھ نے حملہ کیا تو دشمنوں کے سر کانپنے لگے ۔
"فتح سنگھ نے میرے وقار پر ھاتھ ڈالا تو فوج میں سراسیمگی پھیل گئی"۔
جنگجو نے جنگی نعرہ مارا اور فوج کا حوصلہ پست ھو گیا ۔

فیروز شاہ بادشاہ[3]

"وہ دعویدار کہاں ھیں ؟ کہاں ھیں وہ دولت کے طالب ؟
تم نے سوتے شیر کو جگا دیا ھے ، تم نے ایک ولی کو خبر دار کر دیا ھے ۔
میرے وہ خان اور امیر کہاں گئے ؟ میرا لشکر کدھر ھے ؟
میرے سرخ علم کہاں ھیں ؟ میرا وہ شاھی ڈیرا کہاں ھے ؟
میری تو (لڑنے کی) خواھش نہ تھی ، یہ سب تمہارا کیا ھے ۔
اب آگے بڑھ کر ظاھر کو قتل کرو ورنہ میں تمھیں جان سے مار ڈالوں گا"۔

توام بھائی

" اگر ھم نے ظاھر کو قتل کر دیا تو باگڑ کا علاقہ ھمیں دے دینا
اور اگر ظاھر نے ھمیں مار دیا تو ھمارے خاندانوں کی ذمہ داری آپ کے اوپر ھے"۔

فیروز شاہ بادشاہ

"باگڑ کا علاقہ تمہارا ھوا ، لو اب تلوار سنبھالو ۔
اگر تم نے ظاھر کو مار لیا تو تمھیں چار گنا اور دوں گا"۔

---

۱ - یہاں راجا سے مراد بادشاہ ھے ۔
۲ - مغل بیگم ۔
۳ - توام بھائیوں سے ۔

بادشاہ نے اشارہ کیا اور انھوں نے اپنے رتھ بڑھائے ۔
ڈھول بجنے لگے اور عنایت خاں بانکا بھی ان کے ساتھ گیا ۔
چار اور دستے بڑھے اور توام بھائی ان کے درمیان نعرہ زن تھے ۔

توام بھائی

”اے پاک ظاہر ! اب ھوشیار رہ ، تیرے دعویدار پہنچ گئے ھیں“۔

گگا

”اے میرے خالہ زاد بھائیو ! تم نے کیسے مہربانی کی ۔
تم دلی کی یہ ساری فوج ساتھ لے کر خوب ملنے کے لیے آئے ہو ۔
تم نے اچھی حکمت سے کام لیا جو مغلوں کو اس طرح لے آئے ۔
تمھیں کیا جاگیر ملی ھے ؟ تم نے کیا عہدہ پایا ھے ؟
میری تو یہ خواھش نہ تھی ، یہ سب تمھارا کیا ھے ۔
پہلا وار تم کرو تاکہ تمھارے دل میں کوئی حسرت نہ رہ جائے“۔
بہادر سرجن نے نیزہ تانا اور آگے کی طرف بڑھا ۔
اس نے داوید کو جا لیا اور اس کے گھوڑے کا زین ٹوٹ گیا ۔
جب اس نے دوسرا وار کیا تو وہ خطا گیا ،
کیوں کہ پیر نے اپنے چابک سے اس کے دونوں تیر آسمان کی طرف آڑا دیے ۔
تب بہادر ارجن کمان میں تیر جوڑ کر للکارا ۔

ارجن

”آج ھی زمین تقسیم کر دے ، ھماری بات مان لے“۔
اس نے کمان کا چلہ سر تک کھینچا اور تاک کر نیلی کو تیر مارا ۔
نیلی کے بدن سے خون نہ نکلا ، صرف دودھ کا فوارہ بہ نکلا ۔
اس کا اگلا نشانہ پھر خطا گیا ،
کیوں کہ پیر نے اپنے چابک سے تیر کو دوبارہ آسمان کی طرف آڑا دیا ۔
تب داوید نے غصے میں آ کر اپنی کمر سے تلوار نکالی
اور ارجن کو طاقت سے گرا دیا اور اس طرح خاندان بلا وجہ تباہ ہو گیا ۔
توام بھائیوں کے سر کٹ کے نیچے گر گئے اور میدان میں تلواریں بجنے لگیں ۔

عنایت خاں بانکا مارا گیا مگر چاروں دستے بچ کر نکل گئے ۔
توام بھائیوں کی آنکھیں کھلی اور مونچھیں بل کھائی ہوئی تھیں ۔
پیر نے دونوں کے سر اٹھا کر اپنے زین کے ساتھ لٹکا لیے ۔
وہ اپنی ملتان کی کمان لے کر سورج کی شعاعوں کی طرح بڑھا ۔
اس نے ھاتھیوں کو بھگا دیا اور سارے امرا مغلوب ھو گئے ۔
تلوار ھاتھ میں لیے سید کا بیٹا آگے بڑھا ۔
اس نے تبر ، نیزہ ، بندوق اور تیر لیے ہوئے گھوڑا دوڑایا ۔
ارجن نے لاکھ بار نعرے مارے اور تیر چلائے
مگر شتابی سچ کہتا ھے کہ خدا اس کے ساتھ نہ تھا ۔

فیروز شاہ بادشاہ[1]

''میں دلی کا بادشاہ ھوں ، ساری دنیا میں میری دھوم ھے ؛
تو نے میری کیوں مخالفت کی ؟ تیری کیوں شامت آئی ھے ؟
نہ تو میرے سامنے دست بستہ حاضر ھوا ، نہ تو نے میری رائے دریافت کی ۔
اب تو میری فوج کے جال میں پھنس چکا ھے ؟ اب بھاگ کر کہاں جائے گا ؟''

گگا

خدا نے تجھے حکومت دی ھے مگر تو کیسا انصاف کرتا ھے ؟
باگڑ سارا ریگستان ھے ، یہاں کہاں تجھے دولت ملے گی ؛
پیر سے لڑائی لڑتا ھے ؟ تیری کیوں شامت آئی ھے ؟
بہتر ھے اب بھی واپس چلا جا اور اپنی قسمت کوتاہ نہ کر ۔
میں تجھ پر حملہ کر کے تجھے نیچے گرا دوں گا کیوں کہ میرے پاس چار لاکھ فوج اور ھے ۔
پہلا وار تو کر تاکہ تیرے دل میں حسرت نہ رہ جائے ''۔
ملتانی کمان کے مالک نے اسے کھینچا اور نعرہ مارا ۔
اس نے پیٹی اتاری دی اور خنجر اس کی کمر میں گھونپ دیا ۔
(مغل) وزیر نے اپنی کمان کھینچ کر دوسرا وار کیا
مگر پیر نے اپنے چابک سے تیر کو آسمان کی طرف اڑا دیا ۔

---

۱ - گگے سے ۔

اس نے اپنا کمیت گھوڑا آگے بڑھایا اور کمند پھینکی ۔
اور اپنے دشمن کو اچانک زمین پر گرا دیا ۔
پیر خوش ہوا اور اس کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا ۔
اس کے گلے میں کمند ڈال کر اسے ہودے سے نیچے گرا دیا ۔
پٹھان کے بازو ٹوٹ گئے اور اس کے امرأ بھاگ نکلے ۔
ھاتھیوں کی پشت پر سے ہودے گرے تو وہ بھاگ نکلے ۔
ظاھر پیر نے جتی دیوی کو جگایا ۔
انھوں نے داوید کو پکڑ لیا اور ان کی تلواریں چھین لیں ۔
بائیس لاکھ فوج اور ایک لاکھ سردار بھاگ نکلے ۔
خدا کی قدرت دیکھ کر چوھان کا دل حیران رہ گیا ۔

گگا[۱]

''مجھے اکیلا سمجھ کر تم نے اپنی فوج سے چڑھائی کر دی ؛
تم نے خدا کی طرف دھیان نہ کیا ، اور ھی خیالات میں رھے ۔
میری سات سو گائیں واپس کرو اور موھن[۲] اور جیمل کو بھی لوٹا دو ۔
اے بادشاہ ! میں تمھیں اس وقت چھوڑوں گا جب تم پکا قول دو گے''۔

فیروز شاہ بادشاہ

''اپنی سات سو گائیں لے لو ، موھن اور جیمل کو بھی نہیں رکھتا ۔
اے ولی ! میری جان بخشی کرو ، میں تمھیں پختہ عہد لکھ دیتا ھوں ۔
میں توام بھائیوں کی باتوں میں آگیا اور اس طرح میں نے دھوکا کھایا ۔
ظاھر ! میری غلطی معاف کر دو ، تم برھمن ھو اور میں تمھاری گائے[۳] ۔

زمین کانپ رھی تھی اور خون سے رنگین ھو چکی تھی ۔
شتابی کہتا ھے : اس ولی نے اس طرح جنگ میں فتح پائی ؛
وہ سرسبز باغ میں آیا اور اس نے گورکھ ناتھ کی عبادت کی ۔

---

۱ ۔ فیروز شاہ سے ۔
۲ ۔ گوالے ۔
۳ ۔ معافی مانگنے کا ھندوانہ طریقہ ، مطلب ھے مجھ سے ایسا سلوک کرو جیسے برھمن گائے سے کرتا ھے ۔

کاچھل ، ان توام بھائیوں کی ماں ، محل کی چھت پر کھڑی دیکھ رہی تھی -

رانی کاچھل

''گگے ! کہیں میرے دونوں بیٹے دیکھے ہیں ؟ مجھے ان کے متعلق کچھ خبر دے''۔

گگا

''خالہ ! کل تو میں نے انہیں دیکھا تھا ، آج کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتا''۔

رانی کاچھل

''اے گورکھ ناتھ کے چیلے ! میں سمجھتی ہوں تو نے انہیں مار ڈالا ہے -
تجھے گورکھ ناتھ کا واسطہ دیتی ہوں ، مجھے سچ سچ بتا دے''۔

اس نے نیلی کے زین سے بندھے ہوئے دونوں سر خالہ کو دکھا دیے - ان کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور موچھیں اکڑی ہوئی -

رانی کاچھل

''تم نے چڑھتی بیل کو کاٹ دیا ، تم نے توام بھائیوں کو مار ڈالا ؛
اب مجھے اپنی صورت نہ دکھاؤ، میں گورکھ ناتھ کی دھائی دیتی ہوں''۔

گگا

''تم نے برا کیا جو گورکھ ناتھ کی دھائی دی ، اب میں یہاں نہیں آؤں گا -
اب میں دھرتی کے اندر جا کر سو جاؤں گا اور میری ماں افسوس کرتی رہے گی''۔

سریال نے اس کے گھوڑے کی باگ پکڑ کر کہا :

رانی سریال

''اے جنگل کے راجا ! سنو -
تم نے ماں باپ کو اپنے دل سے بھلا دیا ہے ، میرا انصاف کون کرے گا ؟
کاسے کے بغیر فقیر نہیں ، سائے کے بغیر درخت کچھ نہیں -
تم پردیس کو جا رہے ہو ، میں تمھارا ساتھ نہیں چھوڑوں گی''۔

گگا

''اپنے لیے الگ محل بنوا لے ، تیرا پیر تیرے محل میں آ جائے گا[1]۔
میری ماں[2] نے مجھے طعنہ دیا ہے ، جو میرے جگر میں اتر گیا ہے ۔
اے زمین ! اے سب کی ماں ! یہ بدن تجھ سے ہے ۔
اے مہربان ! مجھ پر مہربانی کر ، مجھے آرام کی ضرورت ہے''۔

دھرتی ماتا

''میں رسول ؐ (پاک) کو قول دے چکی ہوں کہ کسی ہندو کو اپنے اندر جگہ نہ دوں گی ۔
تیری ذات اور جنم ہندوؤں کا ہے ، پہلے کلمہ پڑھ پھر میرے اندر آنا''۔
اس نے کلمہ دھرایا تو زمین شق ہو گئی ۔
کریم نے کرم کیا اور وہ نیلی سمیت اندر چلا گیا ۔
پریاں اس کے لیے سہرا لائیں اور حوروں نے ہار پیش کیے ۔

حور پری

''اے ظاہر ولی ! یہاں اب بہشت کے مزے لوٹو''۔
سمت[3] ۱۳۶۹ میں اس چوہان نے وفات پائی ۔
شتابی کہتا ہے : ''خدا کرے میو[4] کا یہ گیت سننے والے ہمیشہ زندہ رہیں''۔

---

۱ ۔ کرامت کے زور سے وھاں آ جائے گا ۔ ایک اور مشہور کہانی کے مطابق زمین کے اندر بارہ برس تک سونے کے بعد گگا رات کے وقت اپنی بیوی کے پاس آ گیا تھا ۔ دیکھو ''ھندوستانی عجائبات'' جلد گیارہ ۔ مرتب

۲ ۔ خالہ ۔

۳ ۔ ۱۳۱۲ء ۔

۴ ۔ بھاٹ خود میو ہے ۔

حکایت ۵۳

سخی سرور کی کرامات

ضلع جالندھر کے بھاٹوں کی زبانی

ان تین مختصر گیتوں میں سے ہر ایک اپنے اندر خاص دلچسپی رکھتا ہے اور اس سے اس عظیم پیر کے حالات پر روشنی پڑتی ہے۔

پہلے گیت کی یہ خصوصیت ہے کہ اس میں سخی سرور کی موت کی ٹھیک تاریخ یعنی ۱۱۷۴ء دی گئی ہے؛ علاوہ ازیں اس میں جائز حد تک سخی سرور کے کارناموں کا بھی ذکر ہے اور وہ حالات بھی بیان کیے گئے ہیں جو ان کی موت کا باعث ہوئے ـــــ یعنی زمین کے متعلق خاندانی تنازعہ۔ ان حکایات میں بار بار 'کھوروں' کا سخی سرور کے بھائی بندوں کے طور سے ذکر آتا ہے۔ کھوروں سے غالباً کھوکھر مراد ہیں کیوں کہ ان کے والد نے کھوکھروں میں شادی کی تھی (دیکھو جلد دوم)۔ معلوم ہوتا ہے کہ جھگڑا اس طرح پیدا ہوا کہ موضع شاکھوٹ (شاہ کوٹ) نزد ملتان کے کھوکھر نمبردار کی دو لڑکیاں تھیں، جن میں سے ایک کا نکاح اس نے غالباً اپنا وقار بڑھانے کے لیے سخی سرور کے والد، سید زین العابدین سے کر دیا اور دوسری کا رشتہ حسب معمول اپنی برادری میں کیا۔ اس کی وفات پر دونوں بہنوں کے ورثے پر جھگڑا ہو گیا ہو گا ـــــ اور سید اور کھوکھر دونوں حصے کے دعویدار ہوں گے۔ اس جھگڑے میں سید مارے گئے اور ان کی نسل وہیں ختم ہو گئی۔

اگرچہ دوسری حکایت میں بھی زیادہ تر پہلی حکایت ھی کے واقعات دھرائے گئے ھیں مگر اس میں سخی سرور کے متعلق ان معاملات کی زیادہ تفصیل دی گئی جن کے بارے میں جلد اول کے قطعات میں محض اشارے تھے۔

تیسری حکایت ملی جلی ھے۔ اگرچہ اس کا مقصد پھیرو برھمن کا واقعہ بیان کرنا ھے، (یہ واقعہ جلد اول میں بالتفصیل دیا جا چکا ھے) مگر اس میں صرف دانی جٹی کی کہانی دھرا دی گئی ھے اور اسے یہاں پھیرو کی بیوی دیوی ظاھر کیا گیا ھے؛ جیسا کہ اس قسم کی نا مکمل اور خلط ملط کہانی کے متعلق خیال کیا جا سکتا ھے۔ اس میں دو سے زائد حکایات کے حصے داخل ھو گئے ھیں۔ کچھ حصہ تو عیسیٰ کی کہانی کا ھے، جس نے سخی سرور کا مقبرہ دوبارہ تعمیر کرایا تھا۔ (دیکھو جلد اول)۔ اس میں بھی زیادہ تر ان تین مریضوں کا حال ھے جو وھاں چشمے سے فیض‌یاب ھوئے تھے اور جن کی اولاد ھونے کے موجودہ مجاور دعویٰ کرتے تھے۔ علاوہ ازیں بھائی پھیرو کی نسبت سے اور اس کے سکھوں میں شادی کرنے کے باعث، ایک اور نئی کہانی کی طرف بھی اشارہ موجود ھے۔ سکھوں میں مقدس ھستیوں کو بھائی کے لقب سے پکارنا عام ھے۔ موجودہ صدی کے شروع میں ایک بھائی پھیرو بھی ھوا ھے، جس کا مقبرہ یا درگاہ موضع میانکے، نزد چونیاں، ضلع لاھور میں موجود ھے۔ پنجاب میں بگولوں کو دیکھ کر ان سے بچنے کے لیے بالعموم یہ فقرہ کہا جاتا ھے: 'بھائی پھیرو تیری کار'۔ اس جملے کی مزید تشریح کے لیے ھندوستانی عجائبات جلد ۱۱ صفحہ ۳۱ - ۳۲ دیکھیے۔

---

(۱)

ھر چیز کا خالق اللہ ھے، جو رب، کریم اور غفار ھے۔
اسی نے ھر زمانے میں اپنے بندوں کی طرف رسول اور نبی بھیجے ھیں۔

تا کہ وہ اس کے سب بندوں کو اس کے فضل ، عنایت اور بخشش کی
خبر دیں۔
اور انھیں یہ بھی بتائیں کہ وہ قہار اور جبار ہے۔
ان کو بھیجنے سے یہ بھی غرض ہے تا کہ بندے اس کے اوامر اور
نواھی کو اچھی طرح سے جان لیں۔
اور جو اس کے احکام سے منہ موڑیں ان کا ٹھکانا جہنم ہو۔
اس نے قسم قسم کے لوگ بنائے تا کہ سب اسے پکاریں۔
وھی سب کو رزق اور روزی دیتا ہے ، وھی سب کا والی ہے اور وھی
سب کچھ کرنے والا ہے۔
پانچویں[1] صدی کے شروع یا چوتھی صدی کے آخر میں
عرب[2] کے اندر فتنہ اٹھا اور پھیل گیا۔
لوٹ مار اور قتل و غارت کا بازار گرم ھوا
اور امن ، سلامتی اور خوشی وھاں سے کوچ کر گئے۔
ان دنوں سید احمد کے باپ ، زین العابدین نے ترک سکونت کی
اور اپنا وطن چھوڑ کر شاہ کوٹ میں آباد ھوئے[3]۔

---

۱ - صدی ھجری - یعنی بارھویں صدی عیسوی کے شروع میں - دیکھیے جلد اول -

۲ - یہ اشارہ قابل فہم ہے - ۴۶۷ھ تا ۵۱۲ھ یا ۱۰۷۵ء تا ۱۱۱۸ء - یہ کم و بیش بغداد کے برائے نام عباسی خلیفوں المقتدی باللہ اور المستظہر باللہ کا زمانہ تھا ، جب اصل قوت جلال الدین ملک شاہ (۱۰۷۲ء تا ۱۰۹۲ء) اور سلطان برکیارک (۱۰۹۲ء تا ۱۱۰۴ء) کے ھاتھوں میں تھی - یہ واقعی فتنوں کا زمانہ تھا - ایک طرف یروشلم میں ملک شاہ کی زیادتیوں کے باعث شام میں صلیبی جنگوں کا آغاز ھوا - وھاں مصر کے فاطمی خلیفہ مستعلی باللہ ابوالقاسم احمد کے تحت جھگڑے اٹھے - (۱۰۹۴ء تا ۱۱۰۰ء) - ملک شاہ کی وفات پر عظیم سلجوق سلطنت میں زوال آ گیا اور حسن بن صبا (۱۰۸۹ء تا ۱۱۲۴ء) کے زیر قیادت اسماعیلیوں یا حشیشین نے اقتدار حاصل کیا -

۳ - لفظی معنی 'سانس لیا'۔

ان کے سید ہونے میں ذرا بھی شک و شبہ نہ تھا ۔
وہ حسینی سید اور آل رسولؐ تھے ۔
شاہ کوٹ کے مقدم پیرا نے نیک نیتی سے ثواب کی خاطر
خوشی خوشی اپنی لڑکی کا بیاہ سید (زین العابدین) سے کر دیا ۔
پھر پیرا نے اپنی چھوٹی لڑکی کی شادی کھوروں[۱] میں کر دی ،
جو اسی گاؤں میں رہتے تھے اور کاشت کاری کرتے تھے ۔
پیرا کی اولاد میں یہ دونوں لڑکیاں ہی تھیں ؛
(اس کی وفات کے بعد) وہ دونوں اپنے اپنے حصۂ اراضی پر قابض ہو گئیں ۔
شاہ صاحب کے ہاں سید احمد نے جنم لیا
تو ان کے خالہ زاد بھائیوں کا حسد بڑھ گیا ۔
سخی سرور تو اپنے ان بھائیوں کے ساتھ خلق و مروت سے پیش آتے تھے
مگر بھائیوں کے دل ہمیشہ بغض و عداوت سے بھرے رہتے ۔
آخر وہ ان کے ہاتھوں مجبور ہو کر بغداد کی طرف چل دیے
اور وہاں انہوں نے حضرت پیر پیرانؒ کی صحبت سے خوب فیض حاصل کیا ۔
شہاب الدین سہروردی[۲] ان دنوں وہاں شیخ وقت کہلاتے تھے ۔
سخی سرور نے ان کی صحبت سے بھی بہت فیض پایا ۔
ان کے علاوہ ان دنوں وہاں مودود چشتی بھی تھے ، جو پیر عالم مشہور تھے ۔
سخی سرور نے ان کی خدمت میں رہ کر ، وہاں سے بھی باطنی فیض حاصل کیا ۔
جب سید احمد کے دل میں وطن کی محبت نے بہت جوش مارا ،

---

۱ ۔ دیکھیے تعارف نامہ ۔

۲ ۔ شہاب الدین سہروردی بغداد میں تھے اور انہوں نے ۱۱۴۵ء تا ۱۲۳۲ء کا زمانہ پایا ۔ خواجہ مودود چشتی نے ۱۱۵۳ء میں چشت کے مقام پر وفات پائی ۔

تو وہ بغداد شہر چھوڑ کر آ گئے اور انہوں نے دھونکل[1] کے مقام پر
اپنی جھونپڑی بنا لی ۔
پیر صاحب کی کرامتیں اور کشف دنیا بھر میں مشہور ہو گئے
اور بہت سے لوگ ان سے باطنی فیض حاصل کر کے شاد کام ہوئے ۔
جب سرور شاہ کوٹ واپس آئے تو ان کے بھائیوں نے فتنہ بپا کر دیا
اور ان کی طبیعت میں جو حسد تھا ، اس نے دوبارہ جوش مارا ۔
کھور ایک جگہ اکٹھے ہوئے اور انہوں نے یہ تدبیر سوچی
کہ سخی سرور کو شیر مارنے کے لیے بھیجا جائے ؛ یا تو وہ خود مر
جائے گا ، یا اسے مار آئے گا ۔
اس زبردست پیر نے اپنے جوتے سے شیر کو مار ڈالا ۔
اس سے بھائیوں کی آتش حسد اور بھڑک اٹھی ۔
کھوروں نے صوبیدار کے پاس جا کر چیخ پکار کی :
''سید احمد کو قید میں ڈال دو تاکہ ہم اس سے خلاصی پائیں''۔
یہ الفاظ سن کر ملتان کے صوبیدار نے فوراً
ایک سپاہی بھیجا کہ وہ حضرت کو گرفتار کر لائے ۔
جوں ہی سید صاحب نے شہر ملتان کی حدود کے اندر قدم رکھا ،
صوبیدار کے دل میں ان کی ملاقات کا بے حد شوق پیدا ہوا ،
کیوں کہ اسے غیب سے یہ بتا دیا گیا تھا
کہ اگر اس نے سید کی بے ادبی کی تو اس کا عہدہ چھن جائے گا ۔
چنانچہ جس وقت پیر صاحب دربار میں داخل ہوئے ،
سب اعلیٰ اور ادنیٰ درباریوں نے ان کے قدموں پر اپنے سر رکھ دیے
اور صوبیدار بھی ادب کے ساتھ ان سے بغل گیر ہوا
اور انہیں ایک عربی گھوڑا اور شاہی خلعت بطور نذرانہ پیش کیے ۔
پیر صاحب نے نذر قبول کرنے سے معذرت چاہی
مگر صوبیدار نے بہت اصرار سے اپنی نذر پیش کی ۔
سخی سرور کی عزت بڑھی اور کھور ذلیل ہوئے ۔
کھوروں کے ہاں ماتم بپا ہو گیا اور سیدوں نے خوشی منائی ۔
جب سید صاحب دربار سے رخصت ہو کر اپنے گاؤں کی طرف آ رہے تھے ،

---

۱ - نزد وزیر آباد ، ضلع گوجرانوالہ ۔

تو واستے میں ان کی ملاقات فقیروں کے ایک گروہ سے ہو گئی ۔
فقیروں نے ان سے کہا : ''ہم بھوکے ہیں ، ہمیں کچھ کھلائیے ۔
بھوک کے باعث ہمارے لیے زندہ رہنا مشکل ہو رہا ہے''۔
پیر نے جواب دیا : ''یہ ویران جنگل ہے مگر میں انکار نہیں کرتا ۔
میرے همراه شاہ کوٹ تک چلو ، وهاں سیر ہو کر کھانا کھا لینا''۔
''دنیا کے چاروں اطراف تمھارا نام لکھ داتا مشہور ہے ۔
اپنا گھوڑا اور جوڑا ہمیں عطا کر دو ، ہم خوش ہو جائیں گے''۔
جو کچھ انھوں نے پیر سے مانگا ، پیر نے وهی انهیں دے دیا اور خود اپنے گھر کی طرف چل دیے ۔
فقیروں نے گھوڑا ذبح کر کے گوشت چولھوں پر چڑھا دیا ۔
گھوڑے کا گوشت کھانے کے بعد انھوں نے شاھی جوڑا تار تار کر دیا ۔
اس وقت سید احمد سائیں نے خدا کا شکر ادا کیا ۔
یہ واقعہ دیکھ کر کھوروں نے صوبیدار کے دربار میں چغلی کھائی :
''سید نے آپ کے تحفے کی کچھ قدر نہیں کی ۔
اس نے آپ کا دیا ہوا گھوڑا فقیروں کو کھلا دیا ہے ؛
اس کے علاوہ سید زادے نے جو کچھ کیا ہے ، وہ ہم بیان نہیں کر سکتے''۔
صوبیدار نے سپاهی بھیج کر سید احمد کو بلا لیا ۔
سپاهی نے کہا : ''حاکم نے حکم دیا تھا کہ آپ ان کا دیا ہوا عربی گھوڑا ساتھ لے چلیں''۔
جب پیر صاحب نے یہ حکم سنا تو
دونوں هاتھ اٹھا کر بار بار دعا کی : ''خدایا !
تو قادر کریم ہے اور میں بے کس مسکین ہوں ۔
اس گھوڑے کو زندہ کر دے ، ورنہ میرے بچنے کی کوئی صورت نہیں !''
گھوڑا زندہ ہو گیا اور سید خوش ہوئے
اور دل سے خدا کا شکر بجا لائے ۔
جب پیر صاحب عربی گھوڑا لے کر دربار میں پہنچے

تو صوبیدار ملتان ان کے ساتھ بہت عزت سے پیش آیا۔
یہ کرامت دیکھنے کے بعد صوبیدار کے لیے اس کے سوا چارہ نہ رہا
کہ وہ اپنی بیٹی بائی کی سگائی پیر صاحب سے کر دے۔
سید زادہ صوبیدار کی بیٹی سے شادی کرنے کے بعد شاہ کوٹ واپس
پہنچا۔
کھوروں نے پھر اکٹھے ہو کر نئی سازش کی۔
''جب تک یہ زندہ ہے، ہمیں آرام نصیب نہیں ہو سکتا۔
آؤ اس کا کام تمام کر دیں، تاکہ ہمارا کام درست ہو جائے''۔
حضرت کا ایک خوب رو بھائی عبدالغنی نام تھا،
اس کا لڑکا سراج الدین تھا، جس سے ہر ایک پیار کرتا تھا؛
سرور نے جان کے خوف سے اپنا وطن چھوڑ دیا
اور نگاہا میں جا کر آباد ہو گئے،
مگر کھوروں نے وہاں بھی ان کا پیچھا نہ چھوڑا۔
انھوں نے وہاں پہنچ کر شاہ کو خاندان سمیت قتل کر دیا۔
پیر کی شہادت کا سال[1] ۵۷۵ھ ہے۔
اسے صحیح سمجھ لو اور ماننے میں ہر گز تامل نہ کرو۔
نگاہا گاؤں ہے جو ایک پہاڑی پر آباد ہے؛
وہاں سید احمد کی قبر ہے، جو ان کی یادگار ہے؛
نیچے ایک کھڈ ہے، جس میں برساتی نالہ گرتا ہے؛
وہاں ہر سال بیساکھی کے موقع پر میلہ لگتا ہے۔
پانی بہت کم تھا، ایک بار پیاسوں نے آہ و زاری کی
تو حضرت کی دعا سے وہاں ایک چشمہ جاری ہو گیا۔
جو شخص صدق و یقین کے ساتھ اس چشمے میں نہاتا ہے،
اللہ کے فضل اور پیر کی برکت سے اسے فوراً شفا حاصل ہو جاتی
ہے۔
ایک دفعہ کا ذکر ہے، حضرت نے ایک غار میں رہنا شروع کر دیا۔
اوپر سے چٹان پھٹ گئی اور بالکل گرنے کے قریب ہوئی۔
اس وقت پیر صاحب نے اٹھ کر اس کے نیچے اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

---

۱ - ۱۱۷۳ء -

جتنا شگاف تھا ، وھیں رک گیا ، آگے بڑھنے نہ پایا ۔
اب بھی اس گھاٹی میں وہ تکونی شکل موجود ہے ۔
اوپر سے وہ شگاف بہت بڑا ہے اور نیچے اس کا نشان تک نہیں ۔
وھاں پیر کے ھاتھ کا نشان بھی موجود ہے ،
جو چاہے خود دیکھ سکتا ہے ؛ اس میں شک و شبہ کی کوئی بات نہیں ۔
والدین نے آپ کا نام سید احمد رکھا تھا ۔
لکھ داتا اور لعلاں والا ، یہ دو آپ کے خوب صورت لقب ھیں ۔
لوگ آپ کو سخی سرور بھی کہتے ھیں ۔
جاٹ اور چار لوگ آپ کو سرور سلطان کے نام سے مانتے ھیں ۔
بھرائیں اس سید کو دل و جان سے قبول کرتے ھیں ۔
یہ غریب فرقہ انھیں اپنا والی اور سرپرست سمجھتا ہے ۔
عبداللہ نے یہ نظم لکھی ہے ، وہ ایک گنہ گار بندہ ہے ؛
اللہ سے دعا ہے کہ وہ اس پر اپنی بہت بہت رحمت کرے !

---

(۲)

سب سے پہلے میں سچے اللہ کے گن گاتا ھوں ؛
پھر حضرت ﷺ (پر درود بھیجتا ھوں جو) بہشت میں مقیم ھیں ۔
میں نے اسے اپنا پیر بنایا ہے ،
جس کی باتیں اللہ مانتا ہے ۔
سرور اور ڈھوڈا دونوں بھائی تھے ؛
انھوں نے کھوڑوں کے ساتھ مل کر
ندی کے کنارے گندم بوئی ۔
اس ندی کے کنارے پر
پیروں کا سر سبز کھیت تھا ۔
چیت کے آخر میں بیساکھی کے موقع پر فصل پک گئی ۔
کھوروں اور پیروں دونوں نے اپنے اپنے رکھوالے بھیج دیے ۔
کھوروں کے سب رکھوالے مارے گئے ،
کیوں کہ شیر خون خوار تھے ۔

کھوروں نے جمع ہو کر سازش کی :
''رکھوالی کے لیے سید کے بیٹے کو بھیجو ؛
پھر شیر اسے مار ڈالے گا
اور ہماری تدبیر کارگر ہو جائے گی''۔
پیر کے پاؤں میں کھڑاؤں تھی اور ہاتھ میں مصلّٰی ؛
اس طرح وہ پھرے کے لیے نکلا ۔
اس نے بسم اللہ کہہ کر کھڑاؤں ماری
اور شیر کو وہیں ڈھیر کر دیا ۔
گندم پک گئی اور مالیا ادا کرنے کا وقت آیا
کھور پیروں کے پاس گئے:
''بادشاہ کے خزانے میں رقم داخل کرنی ہے''۔
انھوں[1] نے سید کا دامن پکڑا ۔
کھوروں نے مل کر طعنہ دیا :
''سلطان ! ہمارے ساتھ چلو ،
شاہی خزانے میں رقم داخل کراؤ ،
سرکاری ملازم ہمارے پیچھے پڑے ہوئے ہیں''۔
آبی ، جودھا ، ساون ، ککو چاروں بھائی تھے ۔
انھوں[2] نے مکو کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا ۔
پیر کو پکڑ کر انھوں نے اپنے ساتھ لے لیا ؛
انھوں نے یہ کیا ظلم کیا !
پیر گڑھ ملتان کی طرف روانہ ہوا ،
اس کے چہرے پر نور برس رہا تھا ۔
راستے میں کھوروں کا داؤ نہ چل سکا ۔
جس کا محافظ خدا ہو (اسے کون نقصان پہنچا سکتا ہے ؟)
وہ کھوروں کے ہمراہ چل دیا ۔
جب پیر نے دربار میں قدم رکھا ؛
پیر کا قدم پڑا تو ساتھ ہی خیر و برکت آئی ۔

---

۱ - اسے تنگ کیا کہ وہ ساری رقم ادا کرے ۔
۲ - یہ پانچوں سخی سرور کے خالہ زاد بھائی تھے جو کھور تھے ۔

گھنے[1] پٹھان نے اس کی طرف ترچھی نگاھوں سے دیکھا اور کہا :
''پیر! تو سپاھی ھے اور اپنے ساتھ لشکر لایا ھے۔
اے سلطان! تو نے بڑی مہربانی کی جو یہاں آیا''۔
صوبیدار نے اپنی جگہ سے اٹھ کر پیر کا استقبال کیا۔
گھنا اور پیر ساتھ ساتھ بیٹھ گئے
اور باقی سب لوگ وھاں کھڑے رھے۔
کھوروں کی بات رد کر دی گئی
اور سید گھوڑے پر سوار ھوا۔
صوبیدار نے پیر کی خدمت میں
ایک عربی گھوڑا اور خلعت پیش کی۔
سید نے کہا : ''اے بادشاہ! سنو۔
مجھے صرف اللہ کا خیال ھے ،
میں اور کسی نفع نقصان سے واقف نہیں۔
خدا نے یہ عربی گھوڑا عطا کیا ھے ؛
یہ سب اللہ کا کرنا ھے''۔
(راستے میں) فقیروں نے اس سے سوال کیا۔
''ھمیں وہ گھوڑا دو جو بادشاہ نے تمھیں پیش کیا ھے''۔
عربی گھوڑا اور شاھی لباس
ان فقیروں نے پیر سے لے لیا۔
ھر طرف سخی سرور کی تعریف ھونے لگی۔
فقیروں نے منہ مانگی چیز پائی۔
سرور خدا کا شکر بجا لایا
اور اپنے وطن کی طرف روانہ ھوا۔
فقیروں نے شرع کے حکم کے مطابق
بسم اللہ کہ کر تکبیر پڑھی۔
دیگوں کو گوشت سے بھرنے کے بعد وہ کہ اٹھے۔
''سرور! خدا تمھیں دونوں جہانوں میں عزت دے!''
پھر ان دیوانوں نے شاھی خلعت کو پھاڑ کر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔

---

۱ - صوبیدار ملتان۔

فقیروں نے پیٹ بھر کر کھایا تو دعائیں دیں
اور نبی کریمؐ پر درود پڑھنے لگے ۔
ایک کھور نے صوبیدار ملتان کے دربار میں جا کر چغلی کھائی :
''پیر نے تیرا گھوڑا فقیروں کو کھلا دیا ہے ؛
اس نے تیرے تحفے کی کوئی قدر نہیں کی ،
نہ اس کی کچھ پروا کی ہے''۔
سید کے پاس ایک سپاھی پہنچا :
''سید بادشاہ ! آپ کو صوبیدار نے طلب کیا ہے''۔
پیر اپنی ککی پر سوار ہو کر وہاں پہنچا ۔
گھوڑا دوبارہ زندہ ہو گیا ؛
وہی نیلا عرب گھوڑا تھا ۔
سیدوں نے مل کر دعا کی :
''اے محمدؐ ! اور ان کے چار دوستو ! سنو ۔
یہ گھوڑا دوبارہ زندہ ہو جائے
اور وہی نیلا عرب گھوڑا ہو جائے''۔
انھوں نے مردہ گھوڑے کی ھڈیاں اور کھال اکٹھی کر کے ڈھیر لگا دیا ۔
ان کی دعا کے پہنچتے ھی فرشتوں نے اس کی واپسی کا حکم لکھ دیا ۔
پھر عزرائیلؑ اس کی جان واپس لے آئے
اور گھوڑا صحیح سلامت ہو گیا ۔
پیر وہیں گھوڑا لے کر پہنچ گیا ۔
بادشاہ نے دیکھا تو حیران ہو کر کہ آٹھا ''خدایا !''
گھنوں[1] کے وزیروں نے اسے مشورہ دیا
اور اس نے عقیدت سے اپنی بیٹی کا نکاح سخی سرور سے پڑھا دیا
اور اس کا ڈولا پیر کے ساتھ بھیج دیا ۔
کھوروں کی بات مسترد ہوئی
اور سید دولھا بن کر گھوڑے پر سوار ہوا ۔
شادی ہو گئی ، شکر تقسیم کی گئی ۔

---

۱ ۔ صوبیدار ملتان ۔

نیک نیت سے نکاح پڑھا گیا ۔
صوبیدار نے اپنی زبان سے اپنی بیٹی بانی اسے بخش دی ۔
سید زادہ اور بانی دولھا دلھن بنے
اور یہ بہترین جوڑا تھا ۔
سید کی شادی ہوئی تو اس وقت
لعل ، جواہرات ، موتی اور ہیرے تقسیم کیے گئے اور
خادموں کو سرخ لباس پہنائے گئے ؛
ڈھول اور دمامے پیٹے گئے ۔
شادے بھرائیں نے یہ نظم بنائی
اور اس کے باعث احباب میں اس کی عزت بڑھی ۔
اس نے نو دولتیں اور بارہ عیش پائے ،
اب وہ ہر برس نگاہے جاتا ہے ۔

---

(۳)

بھائی بھیرو ایک برھمن تھا ،
جس کا نہ کوئی بیٹا تھا ، نہ بیٹی ۔
چونکہ وہ قلاش اور کنگال ہو چکا تھا
اس لیے اس نے اپنے دل میں یہ منت مانی :
''اگر[۱] میرے ہاں بیٹا پیدا ہو اور مجھے دولت مل جائے ،
تو اے پیر ! ساری دنیا میں تیری واہ وا ہو جائے گی ۔
پھر میں تیرے نام کا مکان بناؤں گا
اور اس میں ہمیشہ دیئے جلاتا رہوں گا ۔
یہ خواہش میرے دل میں پیدا ہوئی ہے''۔
جب اللہ اس کی آمید بر لایا
تو پیر صاحب کی بہت عزت بڑھی ۔
پیر صاحب کے نام پر مکان بنا ، ان کا جھنڈا گاڑا گیا
اور بھیرو ہر وقت انھی کے گیت گاتا رہتا ؛
پھر اس نے اپنے بڑے بیٹے کی شادی رچائی ۔

---

۱ ۔ سخی سرور سے مخاطب ہو کر دعا مانگی ۔

اور وہ برات لے کر سکھوں کے ھاں پہنچا ۔
اس کے بیٹے کے سسرال نے اسے طعنہ دیا :
''تم ست گور کی بجائے اور کے سامنے اپنا سر جھکاتے ہو ؟''
دولت کے غرور کے باعث
اس نے دور اندیشی سے کام نہ لیا ،
بلکہ اینٹیں اور گارا منگا کر
مکان کا دروازہ چنوا دیا ۔
اس کے گھر میں دیوی جو اس کی عورت تھی ،
وہ اسے سمجھاتی اور چیختی چلاتی رہی ۔
''وہ تو سپاھی پیر ہے ،
جس کا نشان تو مٹا رھا ہے !''
بیٹوں نے کہا : ''اے باپ !
اے گنہ گار ! مکان کی دیواریں کیوں گراتا ہے ؟''
ڈھوڈے نے پھیرو کو چابک مارے
تب پھیرو کو اپنا وعدہ یاد آیا ۔
برھمن کی عقل جواب دے گئی ،
اس پر ہر سانس پھٹکار پڑنے لگی ۔
پھر اس کا بدن آبلوں سے پارہ پارہ ہو گیا
اور اس کا رنگ بھی بدل گیا ۔
آخر وہ گھٹنوں کے بل رینگتا ہوا
ایک ویران جگہ پر پہنچا ۔
اس نے جب ''سنگ'' نگاھا کی طرف جاتے دیکھے ۔
تو وہ بھی ان کی جانب بڑھا ۔
وہ سردی کا مہینا تھا ۔
''سنگوں'' کی رفتار مسافروں کی سی تھی ۔
اس بدکار نے بھی توبہ کی ،
اسے اپنے اوپر پھٹکار سے بہت شرم آئی
اور اس نے دربار میں پہنچ کر اپنا سر جھکا دیا ۔
اسے آواز آئی : ''اے برھمن !

اب تو پاپی نہیں رہا ۔
جا کر چشمے پر نہا لے ،
تیرے بدن کا رنگ پہلے سا ہو جائے گا
اور تجھے اپنے عمل کا پھل مل جائے گا''۔
جب برھمن بھلا چنگا ہو گیا
تو وہ عاجزی سے رونے لگا :
''میں تو بہت ذلیل اور خوار ہو چکا تھا
مگر آپ کو مجھ پر رحم آ گیا ۔
اب میں جب تک زندہ ہوں ،
اپنے پیر کی تعریف کرتا رہوں گا
اس کی خدمت سے نہیں بھاگوں گا
اور ہر برس اس کے دربار میں حاضری دوں گا''۔
پھر نہالے نے (سخی سرور کے نام پر) خوب صورت مکان بنوایا ۔
جہاں ساری دنیا کے لوگ پہنچتے تھے ۔
اس کا مکان تیرتھ بن گیا
اور لاھور کے علاقے کے سب لوگ وھاں جاتے ھیں ۔

حکایت ۵۴

بستی شیخ درویش کی بنیاد رکھنا

جالندھر کے ایک بھاٹ کی زبانی

یہ مقامی تاریخ کے متعلق خاص حکایت ہے ، جو سابقہ حکایت ''جالندھر کے پیر'' میں بیان کردہ واقعات کی تصدیق کرتی ہے۔ یہاں بستی شیخ درویش کی بنیاد رکھنے کی تاریخ ۱۰۲۶ھ یا ۱۶۱۷ء بتائی گئی ہے جو عام تاریخی کتب کے مطابق ہے۔ اس نظم میں جالندھر کی سابقہ اور موجودہ بستیوں کی فہرست بھی دی گئی ہے جو قابل غور ہے۔

میں سب سے پہلے اللہ کی حمد کرتا ہوں ، پھر نبی کریمؐ پر لاکھ لاکھ درود بھیجتا ہوں۔

اس کے بعد تجھے بستی شیخ درویش کے حالات سناتا ہوں۔

شیخ درویش ، جو پٹھانوں کے پیر تھے ، کانیوں سے اداس ہوئے

تو پیر ولی سے اجازت لے کر جالندھر میں مقیم ہو گئے۔

بجلی[1] خاں کے حجرے کے پاس ایک گھنا جنگل تھا ،

وہاں پہنچ کر شیخ صاحب نے ڈیرے ڈال دیے۔

لودھی ، جو شریر لوگ تھے ، ان سے لڑتے تھے۔

---

۱ - بجلی خاں کے حجرے سے غالباً وہ شکستہ مسجد مراد ہے جو جالندھر کی ایک ویران بستی کوٹ بوڑے خاں میں واقع ہے ؛ یہ بستی پہلے لودھیوں کی ملکیت تھی۔ جالندھر کے لودھی سابقہ ایام میں بہت اهمیت رکھتے تھے اور موجودہ مالکوں کے پاس جو زمینیں ہیں ، وہ بیشتر انھی کی فروخت کردہ ہیں۔

شیخ صاحب نے وهاں سے کوچ کیا اور آگے چل دیے۔
جس جگه اب تهیا[1] لوهاری کی آبادی هے ،
وهاں انهوں نے ملکوں[2] سے کچھ جگه خرید کی اور دل میں خوش هوئے ،
مگر ان شریر ملکوں نے ایسا فتنه بپا کیا
که حضرت دن کے وقت جتنی عمارت بنواتے ، وه رات کو آ کر اسے گرا دیتے ؛
نوبت یهاں تک پهنچی که شیخ صاحب نے حاکم کے پاس نالش کر دی ؛
وهاں سے ملکوں کو سرزنش هوئی تو ان کی عقل ٹھکانے آ گئی ۔
یه جهانگیر کا زمانه تها اور سن[3] ۱۰۲۶ھ تها ۔
میں نے یه تاریخ بستی شیخ درویش کے تذکرے[4] سے معلوم کی هے۔
جهانگیر کا بڑا لڑکا شاه جهان تها ،
اور میاں سعد الله خاں[5] اس کا وزیراعظم تها ؛
یه سچا مسلمان تها اور حضرت کا عقیدت مند وزیر تها ۔
اس نے بادشاه کی خدمت میں یوں عرض کیا :
''حضرت شیخ درویش میرے مرشد کامل هیں
جو جالندهر کے علاقے میں قیام پذیر هیں''۔

---

۱ - لوهاری پٹھان مراد هیں ۔
۲ - جالندهر کے راجپوت مسلمان ملک کہلاتے هیں ۔
۳ - ۱۶۱۷ء -
۴ - اس سے 'تذکرۂ روشنیه' مراد هے، جس کا ترجمه ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے مجله برائے ۱۸۷۸ء میں هو چکا هے - ویسے یه کتاب انصاری شیخوں کی ایک اور شاخ کے کارناموں پر مشتمل هے۔ شیخ درویش بهی انهی سے تعلق رکھتے تهے۔
۵ - ویسے سعد الله خاں شیخ بازید یا پیر روشن کا مرید تها ۔ پیر روشن سابقه پشت میں شیخ بازید کے رشته دار تهےاور ان سے زیاده مشهور تهے ۔ سعد الله خاں نے پیر روشن کی اولاد کو آگرا کے قریب جاگیر دی تهی اور انهی میں سے ایک نے بعد میں شیخ درویش کا مقبره دوباره تعمیر کرایا تها ۔ تاریخی لحاظ سے سعد الله خاں اور شیخ درویش کا بس اتنا هی تعلق ثابت هے۔

یہ سن کر اس فقیر دوست بادشاہ نے یوں کہا :
''میرے دل میں ان کی ملاقات کا بہت شوق پیدا ہوا ہے''۔
ایک بار جب بادشاہ جالندھر کے قریب سے گزرے
تو وزیراعظم نے صبح سویرے شیخ صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی :
''بادشاہ نے آپ کو ملاقات کے لیے آنے کا پیغام بھیجا ہے''۔
شیخ صاحب نے جواب دیا : ''میرا وہاں جانا نا مناسب ہے ؛
مجھے بادشاہ کا حکم ماننے میں تو کوئی تامل نہیں
مگر اللہ کا دربار چھوڑ کر جانا میرے لیے بہت مشکل ہے''۔
جب شاهنشاہ نے فقیر کا موزوں جواب سنا
تو اسی وقت ان کے نام بہت سی جاگیر لکھ دی ۔
وہ جاگیر مغلوں کے عہد کے آخر تک شیخ صاحب کے نام بحال رہی ،
پھر سکھا شاہی کے دور میں اسے چھین لیا گیا ۔
شیخ صاحب کا روضہ اور مسجد کی عمارت تعمیر کے لحاظ سے بہت عمدہ ہے ۔
جن لوگوں نے انہیں دیکھا ہے ، وہ کہتے ہیں یہ عمارتیں بے نظیر ہیں ۔
پہلے حضرت صرف اپنے قبیلے کے ساتھ یہاں آئے تھے ،
بعد میں جلدی ہی ان کے بہت سے مرید بھی آ گئے ۔
جب بستی حضرت شیخ درویش میں گنجائش نہ رہی
تو انہوں نے وہاں سے باہر آ کر نئی بستیاں تعمیر کر لیں ۔
جالندھر کے ارد گرد بارہ بستیاں تھیں ، جنھیں سب جانتے ہیں ۔
اب ان میں سے تین کا نشان مٹ چکا ہے ، البتہ باقی نو موجود ہیں ۔
ایک بستی بابا خیل ہے ، دوسرے بستی دانشمنداں ہے ، تیسرے بستی غزاں ہے ؛
پھر بستی نئی ، بستی شاہ قلی اور بستی پیر داد ہیں ؛
ساتویں بستی وہ ہے جو بیرم خاں نے اپنے نام سے بسائی تھی ؛
آٹھویں بستی مٹھو صاحب کی ہے اور نویں بستی شیخ (درویش) ہے ۔
سر بلند نے اپنے پیر کے حکم سے یہ نظم لکھی ہے ۔
اے رب ! میرے پیر کو ہزاروں برس تک زندہ رکھ !
یہی میری دعا ہے : ''اے میاں شیخ درویش !
خدا کرے تو ہمیشہ خوش حال رہے !''

حکایت ٥٥

سید آسموں سکنہ بارہا باویں

ریاست کپور تھلا کے ایک بھاٹ کی زبانی

ظاہر ہے کہ یہ حکایت سادات بارہا میں سے کسی ایک کے کارناموں کے متعلق ہے مگر میں یہ معلوم نہیں کر سکا کہ اس میں کس خاص سید کا ذکر ہے؛ اغلباً بھاٹ نے بہت سی کہانیوں کو خلط ملط کر دیا ہے۔

اس حکایت میں بیان کردہ کہانی مختصراً یہ ہے: سید اکبر شاہ کے بیٹے سید آسموں کو جو سرھند کے گورنر تھے اور میراں یا میر سید بخاری کے نام سے معروف تھے، شاہ جہان (١٦٢٨ء تا ١٦٥٨ء) نے اپنے دربار میں طلب کیا کیوں کہ وہ بارہ برس تک دربار سے غیر حاضر رہے تھے۔ ایک امیر قطب شاہ نامی کو انہیں لانے کے لیے بھیجا گیا؛ امیر مذکور نے انہیں راستے میں یقین دلایا کہ بادشاہ ان کی سرکشی کے باعث انہیں قید کرنا چاہتا ہے۔ اس سے بادشاہ کے دربار میں ہنگامہ پیدا ہو گیا جس میں سید آسموں مارے گئے۔

عام طور سے یہ کہانی خان اعظم، یا اعظم خاں مرزا عزیز محمد کوکا یا کوکلتاش کے متعلق مشہور ہے۔ مرزا مذکور اکبر بادشاہ کا دودھ بھائی اور دوست تھا۔ اعظم خاں گجرات کا صوبیدار تھا اور دس برس تک دربار سے غیر حاضر رہا۔ اس کے بعد ١٥٩٢ء میں اکبر نے اسے بلایا مگر راستے میں اسے یہ بتایا گیا کہ اکبر تم سے ناخوش ہے؛ چنانچہ وہ مکہ معظمہ چلا گیا۔ کچھ عرصے کے بعد جب وہ

واپس آیا تو اکبر نے اسے انعامات سے نوازا ۔ اکبر کی وفات کے بعد اس نے جہانگیر کے مقابلے میں اس کے بیٹے خسرو کی حمایت کی ۔ ۱۶۲۳ء میں جہانگیر نے اسے گوالیار کے قلعے میں قید کر دیا مگر اسے دوبارہ گجرات کی صوبیداری مل گئی اور اس نے ۱۶۲۴ء میں وھیں احمد آباد میں پرسکون وفات پائی ۔

تاریخی لحاظ سے سید میراں بخاری، بخاری خاندان کے چشم و چراغ تھے اور ان کا خاندان ، خاندان بارھا سے بالکل ممیز تھا ۔ سید میراں بخاری ، سید مبارک کے بیٹے تھے ؛ ان کا بیٹا سید حامد ، اعظم خاں کا پکا حامی تھا اور ان کا پوتا سید کمال سادات بارھا کا حمایتی تھا۔ اسی نے انھیں اس وقت تباھی سے بچایا تھا ، جب انھوں نے جھاں گیر کی خاطر ۱۶۰۵ء میں بھیروں وال نزد جالندھر کے مقام پر خسرو پر حملہ کر دیا تھا ۔ اس حکایت میں بھاٹ اسی لڑائی کی طرف اشارہ کرتا معلوم ھوتا ھے۔ اس کا بڑا ھیرو شیخ فرید بخاری مرتضیٰ خاں تھا ۔ اس روز بارھا سادات میں سے کمان سید علی اصغر سیف خاں اور سید جلال کے پاس تھی ۔ سید جلال اس لڑائی میں مارا گیا تھا ۔

اس میں قطب شاہ کا بھی ذکر ھے کہ اس نے سید آسموں کو دھوکا دیا تھا ۔ یہ بات ھمیں اسی عہد کی ایک اور کہانی کی طرف لے جاتی ھے ۔ قطب الدین خاں چشتی شیخ خوبو جھاں گیر کا دودھ بھائی تھا ۔ ۱۶۰۷ء میں جہانگیر نے اسے بھیجا کہ وہ بردوان سے علی قلی استلجو شیر افگن خاں کو دربار میں لے آئے تاکہ جہانگیر اس کی بیوی نور جھاں کو ، جس سے وہ پیار کرتا تھا ، اپنے قبضے میں لے سکے ۔ تجویز یہ تھی کہ شیر افگن کو مار ڈالا جائے ۔ شیخ خوبو سے ایک غلطی ھو جانے کے باعث شیر افگن نے اس پر حملہ کر کے اس کا پیٹ چاک کر دیا ۔ (دیکھو سطر ۱۶) ۔ شیر افگن اور شیر خوبو دونوں مارے گئے اور جہانگیر نے نورجھاں حاصل کر لی ۔

سید آسموں کی موجودہ خلط ملط حکایت کو بین‌السطور پڑھنے سے مندرجہ بالا تمام واقعات کی طرف اشارے مل جاتے ہیں۔

سید آسموں سکنہ بارھا باویں واقع سرھند کی بغاوت

شاہ جہاں بادشاہ دھلی نے سید آسموں کے باپ سید اکبر شاہ کو سرھند کا صوبیدار مقرر کیا۔ سید اکبر شاہ کی وفات پر یہی عہدہ سید آسموں کے پاس چلا گیا، اگرچہ اس وقت اس کی عمر صرف بارہ برس تھی۔

سید آسموں بارہ برس تک بادشاہ کے دربار میں سلام کے لیے حاضر نہ ہوا۔ دربار میں ایک نواب قطب شاہ نامی تھا؛ اس نے بادشاہ کو بتایا کہ سید آسموں بارہ برس سے، جب سے وہ گورنر بنا ہے، دربار میں سلام کے لیے نہیں آیا، نہ اس نے کوئی خراج ادا کیا ہے۔ بادشاہ نے اسے حکم دیا کہ تم کسی طرح سے سید کو گرفتار کر لاؤ۔ چنانچہ قطب شاہ سرھند گیا اور وہاں کچھ دیر ٹھہرنے کے بعد اس نے سید کو اپنے ہاں آنے پر راضی کر لیا اور وہاں اسے بتایا کہ میں تمھارے باپ کا پرانا دوست ہونے کے باعث تمھیں خبر دار کرنا چاھتا ہوں کہ بعض لوگوں نے بادشاہ کے پاس تمھاری چغلی کھائی ہے کہ اپنے باپ کی وفات کے بعد سے اب تک تم نے کبھی شاھی دربار میں حاضری نہیں دی۔

قطب شاہ نے اسے مشورہ دیا کہ تم میرے ھمراہ شاھی دربار میں چلو۔ سید آسموں نے پوچھا: ''فرض کرو میں وھاں جاؤں اور وھاں جھگڑا ہو جائے، پھر کیا ہو گا؟'' اس کے جواب میں قطب شاہ نے قرآن پاک پر ھاتھ رکھ کر قسم کھائی کہ تمھیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا، مگر قران پاک کے اندر کبوتر کا ایک انڈا رکھ دیا گیا تھا اس لیے وہ قسم بے معنی تھی[1]۔

سید آسموں نے اپنے ھمراہ پانچ سو سوار لیے اور قطب شاہ کے ھمراہ دلی کی طرف روانہ ہوا۔ جب وہ کرنال پہنچے تو قطب شاہ اپنی

۱۔ یہ اوھام پرستی ملاحظہ ہو۔ مرتب

قسم سے پھر گیا ۔ اس نے چینی کی رکابی میں چاندی کی زنجیریں رکھ کر سید کے سامنے پیش کیں اور اسے کہا : ''بہتر ہے کہ جب تم بادشاہ کے سامنے جاؤ ، انھیں پہن کے جاؤ''۔

سید آسموں نے جواب دیا : ''میں یہ زنجیریں نہیں پہنوں گا ؛ جیسے تم وعدہ کر کے مجھے یہاں تک لے آئے ہو ، اسی طرح مجھے آگے بادشاہ کے پاس بھی جانے دو''۔ قطب شاہ نے کہا: ''تم اپنے فرض میں کوتاہی کے مجرم ہو ، اس لیے تمھیں زنجیروں کے بغیر حاضری کا موقع نہیں ملے گا''۔

سید آسموں نے کہا : ''اگر تم نے یہ بات میرے مکان پر کہی ہوتی تو میں تمھیں بتا دیتا کہ دنیا میں (شاہ جہان کے علاوہ) اور بھی بادشاہ ہیں ۔ خیر ، اب بھی اللہ کی مہربانی سے میرے ساتھ پانچ سو سوار موجود ہیں''۔

چنانچہ وہ دلی تک گیا اور وہاں شاہی فوجوں سے اس کی جھڑپ ہو گئی مگر شاہی فوجوں کی تعداد زیادہ تھی اس لیے سید آسموں نے اپنی دلیری کے باوجود شہادت پائی ۔

کبت

اے میران سید بخاری ! جب تم نے سب سیدوں کی لاج رکھی تو تمھارا
اپنا نام روشن ہوا ۔
تمھارا اپنا نام روشن ہوا ؛ اے میران ! تم نے سب کو تمغے دیے سب
لوگ تمھاری تعریف کرتے ہیں ۔
پٹھان آیا اور اس نے قران پاک سامنے رکھ کر مجلس میں قسم کھائی ۔
قران پاک دین اور دنیا میں سچا ہے ۔ سید نے تلوار کمر سے باندھی
اور چلنے کی تیاری کی ۔
جوان سج کر دربار کی طرف روانہ ہوئے اور سب لوگ انھیں
دیکھنے لگے ۔
ان کے ھاتھوں پر باز تھے ، باجے بج رہے تھے ، پھریرے اڑ رہے تھے
اور سب سپاہی بندوقوں سے مسلح تھے ۔
وہ شاہی قلعے میں داخل ہوئے اور سمجھ لو کہ تقدیر کی لکیر مٹائے
مٹ نہیں سکتی ۔

سید آسموں نے نواب سے کہا : ''اب ہم سے کوئی نئی چال نہ چلو ۔
ہم آل رسولؐ ، اولاد علیؓ ہیں ۔ ہم سید بخاری کبھی پیچھے نہیں ہٹیں گے''۔
میں تلوار کی دھار پر خراج ادا کر دوں گا ، خواہ کچھ ہو جائے''۔
علیؓ نے سید کی حمایت کی اور اس نے کمر سے خنجر نکال کر ہاتھ میں لے لیا ۔
اس نے نواب پر تین چار وار کیے جن سے اس کی جان خطرے میں پڑ گئی ۔
لوگ دیکھ رہے تھے ، سید اس بے جگری سے لڑا کہ نواب اپنی جان بچا کر بھاگ گیا ۔
سید نے وہیں حملہ کیا ، جہاں فوج کا جمگھٹا تھا مگر وہ اس کے حملے کی تاب نہ لا کر بھاگ گئے ۔
قلعہ توڑ دیا گیا ، سپاہی زخمی ہو گئے اور دربار میں سخت لڑائی ہوئی۔
فوجیں بار بار گتھم گتھا ہوتیں اور پیچھے ہٹتیں اور سپاہیوں کے پیٹ پٹاری کی طرح کھل گئے ۔
میراں سید آسموں شہید ہوئے اور اب بھاٹ شعروں میں ان کی تعریف گاتا ہے ۔

حکایت ٥٦

سیس پال اور پردمن

بھراؤٹ ضلع میرٹھ کے ایک مشہور بھاٹ کی زبانی

موجودہ حکایت اور اس کے بعد کی دو حکایات شری کرشن کے سلسلۂ حکایات سے تعلق رکھتی ہیں۔ موجودہ حکایت میں شری کرشن کے بیٹے پرادی آھنا ، جو رکمنی کے بطن سے تھا اور اس کے عزیز راجا سیس پال والیٔ چیڈی کی جنگ کا حال بیان کیا گیا ہے۔ اس جنگ میں راجا سیس پال نے شکست کھائی تھی۔ مجھے علم نہیں کہ قدیم ادب میں کہیں اس واقعے کو بیان کیا گیا ہو۔

رکمنی ، ودربھا (برار) کے راجا بھشمکا کی بیٹی تھی۔ اس کی منگنی سیس پال سے ہو چکی تھی مگر شری کرشن اسے اٹھا لے گئے ؛ اس وجہ سے ان دونوں میں عمر بھر عداوت رہی۔ کرشن واسودیو کے بیٹے تھے ، جو یادوا تھا۔ سیس پال داما گھوش کا بیٹا تھا اور اس کی ماں سڑت دیوی واسودیو کی بہن تھی۔

مندرجہ ذیل شجرے سے شری کرشن سے متعلقہ حکایات کی خاص شخصیتوں کا باھمی رشتہ ظاھر ھو جائے گا۔ اس سے یہ بھی واضح ھو جائے گا کہ انھوں نے خاندانی جھگڑوں میں کس فریق کا ساتھ دیا۔ اس سے ھندوستانی حکایات میں اھم حصہ لینے والے کرداروں کو وقت گزرنے کے ساتھ باھمی رشتوں میں منسلک کرنے کے اس رجحان کا بھی ثبوت مل جائے گا ، جس کا ذکر جلد دوم کے پیش لفظ میں گزر چکا ھے۔ اس شجرے میں ان اشخاص کے ناموں کو زیر خط کر دیا گیا ھے ، جو ان حکایات میں فی‌الواقعہ حصہ لیتے ھیں :

(۱) رشی پراسرا = ستیہ وتی = (۲) سانتانو = گنگا

کرشن
دویپائنا

بھیشم

امبا = ویاسا ـ امبالکا

سورا ، یادوا راجا متھر

راجا متھرا

دیوکا

آگرسین

دھرِیتر شٹرا

(۲) ماوری = پانڈو = (۱) کنتی

سروتادیوی

(۲) روھنی = واسدیو =

(۱) دیوکی

کنس والیٔ متھرا

کورو

نکولا
(پانڈو)

سہادیو
(پانڈو)

داما گھوشا
راجا چیدی

سیس پال

بالا رام
(بلدیو)

کرشن =
رکمنی بیٹی
بھیشمکا
راجا ودربھا (؟بدرسال)

پرادیمنا

= راجا جرا سندھا
والیٔ مگدہ کی
دو بیٹیاں

یدھشٹر
(پانڈو)

بھیم یا بھیم سینا
(پانڈو)

ارجن
(پانڈو)

راجا سیس پال اور پردمن کی لڑائی کی کہانی

دوارکا آٹھ سو میل رقبے میں واقع ہے اور اس میں تین قلعے ہیں ۔
اس کا راجا پردمن تھا ، جس کی بہت شان و شوکت تھی ۔
اس نے سونے کے محل بنائے جن میں جواہرات
اور موتی اور ہیرے جڑے ہوئے تھے ۔
ہر محل پر سنہری کلس بنوائے ،
جو آسمان میں ستاروں کی طرح چمکتے تھے ۔
دوارکا آٹھ سو میل رقبے میں واقع ہے اور اس کے چار دروازے ہیں ۔
قلعے کے دروازے مضبوط ہیں اور زنجیروں سے بندھے رہتے ہیں ۔
راجا پردمن (ارد گرد کے) تمام راجوں کو شکست دے چکا تھا ۔
اس نے ان کے ملک چھین لیے تھے اور انھیں قید میں ڈال دیا تھا
مگر ایک راجا سیس پال باقی تھا ،
جو اپنے دربار میں فتح کا دمدمہ بجاتا تھا ۔
پردمن نے اسے ایک خط بھیجا اور اس میں سلام کے بعد لکھا :

راجا پردمن کا خط

''تم ظلم اور سرکشی چھوڑ دو اور شاھی آداب کے مطابق چلو ۔
تمام شاھی آداب بجا لاؤ ۔
تم نے آج عقل کیوں کھو دی ہے ؟
آئندہ کے لیے محتاط اور مؤدب رہو ۔
راجا سیس پال ! میرا کہنا مانو''۔

قاصد

''راجا نے ہر بات علیحدہ علیحدہ لکھ دی ہے ۔
راجا ! میرے ساتھ خود چلو ؛
آگے جو آپ کی خوشی''۔
راجا نے خط پڑھا تو وہ مضطرب ہوا ۔

راجا سیس پال کا جواب

''میں اسے دکھا دوں گا کہ راجا کیا کر سکتا ہے ؛
دوست ! تم کب سے اتنے طاقت‌ور ہو گئے ہو ؟
دایا ! یہ عجیب بات سنو ۔

یہ[1] جو ذات کا آھیر اور ناچنے گانے والا ہے ،
یہ کیا جانے راجاؤں کا طریقہ کیا ہوتا ہے ؟''

راجا سیس پال[2]

''جاؤ ، اسے میرے دل کی بات بتا دو ۔
میں اسے میدان جنگ میں قتل کروں گا اور دن کو رات بنا دوں گا[3] ۔
میں نے بن میں ایک شکار پایا ہے ۔
مہاراج ! اگر تم نے خود چڑھائی کی
تو یاد رکھنا بچ کے نہیں جا سکو گے''۔

قاصد اجازت لے کر واپس چلا گیا اور اس نادان راجا نے یہ خط لکھ دیا :

راجا سیس پال کا خط

''تم نے اپنے آپ کو کیوں بھلا دیا ہے ؟ تم نے کبھی میدان (جنگ) نہیں دیکھا ۔
تم اپنے سونے کے محل پر نازاں ہو ،
اسی لیے تم نے منہ سے یہ سخت الفاظ کہے ہیں''۔

اور اس نے قاصد سے کہا :

راجا سیس پال

''جاؤ یہ خط اس کے سامنے پھینک آؤ ۔
اس کی بات سن کر میرا سارا بدن (غصے سے) کانپ رہا ہے''۔

دوار پور[4] میں پہنچ کر قاصد نے اپنی کہانی بیان کی ۔

قاصد

''راجا ! اب تو جنگ ہو جائے گی ، وہ کبھی پیچھے نہیں ہٹے گا ۔

---

۱ - کرشن پر طنز ، کیوں کہ انھوں نے ایک گوالے کے ہاں پرورش پائی تھی ۔
۲ - قاصد سے ۔
۳ - محاورہ ہے ۔
۴ - دوارکا ۔

اس نے بہت تیاری کر رکھی ہے ، وہ کبھی تمھارے ماتحت نہیں
آئے گا ۔
وہ[1] بیٹھا بیٹھا پانی میں آگ لگا دیتا ہے ۔
اے دانش مند راجا ! اچھی طرح سمجھ لو ۔
میں نے اسے صحیح بات سمجھانے کی کوشش کی مگر وہ نہیں سنتا''۔
راجا پردمن اٹھ کھڑا ہوا ، ھاتھی اور باز سجائے گئے
اور اس نے اپنی ساری فوج کو جمع ہونے کا حکم دیا ۔

راجا پردمن[2]

''سب مل کر کام کرو اور نیکی کو پیشِ نظر رکھو ۔
تمھارا سب کا ایک ھی رنگ ھونا چاہیے ، یہی میرا حکم ہے ۔
اگر کوئی غیر تمھارے قریب آئے
تو اسے فوراً قتل کر دو اور اس طرح شہرت حاصل کرو''۔
دلیر نے چار قسم کی فوجیں جمع کر لیں ۔

راجا پردمن

''میرے کہنے کے مطابق چلو اور جرأت کو اپنے ساتھ جوت لو ۔
جرأت کو اپنے ساتھ لو اور سر پر (لڑائی کی) پگڑی باندھو ۔
ھوشیار رھو ، لڑائی میں پیٹھ نہ دکھانا ۔
جنوب کی سرزمین پر حملہ کرنے کے لیے تیار ھو جاؤ ۔
ھاں ، لڑائی کے لیے پوری تیاری کرو''۔
پھر راجا میدان میں آیا اور اس کے پھریرے (ھوا میں) اڑ رہے تھے ۔
اس کے مہلک تیروں کے سامنے سارا ملک کانپ رھا تھا ۔
اس نے اسی ہزار آدمیوں کے ساتھ دھاوا کیا
اور سب بہادر اکٹھے آگے بڑھے ۔
راجا[3] سابر اسے راستے میں ملا اور کورنش بجا لایا ۔
پہلے اس نے بہادر کے سامنے تحفے پیش کیے ،

---

۱ ۔ محاورہ ، بہت ھوشیار ہے ۔
۲ ۔ فوج کے سامنے اعلان کرتا ہے ۔
۳ ۔ بھاٹ اسے کچھ کا راجا بتاتا ہے ۔

اور پھر اپنی فوج لے کر اس کے ساتھ شامل ھو گیا ۔
وہ چندیری پھنچے اور انھوں نے وھاں خوب ڈھول پیٹے ۔
فوج نے وھاں پھنچ کر قیام کیا
اور مہاراجا نے سب کو یہ حکم دیا :

راجا پردمن

''یہ دشمن کا ملک ھے ، یہاں تمھارا کوئی دوست نہیں ،
اس لیے مل کر پوری قوت سے کام کرو''۔
سیس پال کو خبر ملی کہ راجا نے چڑھائی کر دی ھے ۔

راجا سیس پال

''میں اسے قتل کر دوں گا ، چھوڑوں گا نہیں ، میں نے لاکھ باتوں کی
ایک ھی بات کہ دی ھے''۔
پنگل[۱] اور رنگ اس کے پاس آئے ۔
انھوں نے اتنی بڑی فوج دیکھی تو گھبرا گئے
اور راجا سے اپنے دل کی بات کہی :

پنگل اور رنگ

''آقا ! اب میدان جنگ کی تیاری کرو''۔

راجا سیس پال

''کہو تو اس سے جا کر ملاقات کروں ، کہو تو جنگ کروں ۔
پنگل و رنگ! میری بات سنو اور میری مدد کرو ۔
پنگل و رنگ! تم میرے دل کے پیارے ھو ۔
دشمن اپنی سب فوج لے آیا ھے ؛
تم بھی تیاری کرو اور گولا بارود اکٹھا کر رکھو''۔
راجا سیس پال نے اپنی زبان سے حکم دے دیا ھے ۔
پنگل اور رنگ نے کہا :

پنگل و رنگ

''مہاراج ! جنگ کرو ،
یہی راجوں کا طریقہ ھے ؛ اب اپنے اوپر شرمندگی کا داغ نہ آنے دو ۔

---

۱ - سیس پال کے وزیر ۔

اے راجا ! اگر تمھیں شرمندگی کا داغ اٹھانا ہے
تو قلعہ چھوڑ کر باہر کوئی ٹھکانا ڈھونڈ لو ۔
اچھی طرح تیاری کر لو ؛
دیکھو ، تمھارے بھائی بند تمھارے پیارے ہیں ۔
مال خزانہ باہر نکالو ،
زندگی کا کچھ بھروسا نہیں ، ممکن ہے ہم آج مر جائیں یا کل''۔
فوج شہر سے باہر نکل آئی ،
جیسے گرجتے ہوئے بادل آسمان پر چھا جائیں ۔
وہ سب طرف گرجنے لگے اور جنگی ڈھول بجنے لگے
اور بہادر اور دلیر بڑھ بڑھ کر زخم کھانے لگے ۔
سیس پال نے مہاراجا پردمن سے کہا :

راجا سیس پال

''تم اھیر ہو کر راجوں کی ہمسری کرتے ہو ؛
کیا راجوں کی روایات اسی طرح پامال ہوں گی ؟
''راجا ! تم بلا وجہ موت کو دعوت دے رہے ہو ۔
تیر برسیں گے اور سخت جنگ ہوگی ۔
آج تمھاری عقل کہاں گئی ہے ؟''

راجا پردمن

''میں واپس نہیں جاؤں گا بلکہ عزت کا راستہ اختیار کروں گا ۔
موت اچانک آتی ہے ، جیسے باز تیتر پر اچانک جھپٹتا ہے ۔
باز تیتر پر پوری قوت سے حملہ کرتا ہے ۔
اسی طرح دشمن کو بھی سامنے سے وار کرنا چاہیے ۔
آج تم ایک بار ہمیشہ کے لیے میری طاقت دیکھ لو گے ۔
ہوشیار ہو جاؤ ، میں نے تمھیں سب کچھ بتا دیا ہے''۔

راجا سیس پال

''دن گزر چکا ہے ، رات آ گئی ہے ، اب صبح تک انتظار کرو ۔
میں تم سے مہا جنگ لڑوں گا ، ہمارے ہاتھ دیکھنا ۔
تم ایک ہی بار میری قوت آزما لو گے ۔
اب دیر نہ کرو اور اپنی فوج کو تیار کر لو ۔

اب حوصلہ قائم رکھو اور ہم سے مقابلہ کرو ۔
میرے دل میں اس کے سوا اور کوئی خواہش نہیں''۔
پنگل اور رنگ بتیس ہزار فوج لے کر آگے بڑھے ۔
فوجیں ایک دوسرے کے مقابل ہوئیں اور جنگ شروع ہو گئی ۔
جنگ شروع ہوئی اور رنگ نے پیش قدمی کی ۔
پنگل نے ہر شخص کو (جو اس کے سامنے آیا) موت کی نیند سلا دیا ۔
وہ سر کاٹتا ہوا آگے بڑھتا گیا ۔
وہ سامنے سے حملہ کرتا اور اس نے شہرت پائی ۔
پھر گدا[1] ڈنڈا ھاتھ میں لیے غصے سے اٹھا ۔
میدان جنگ میں ایک شور بپا ہو گیا اور دن رات میں تبدیل ہوا ؛
دن رات میں تبدیل ہو گیا ، جب سپاھی نے قتل و غارت شروع کی
اور سر کاٹ کاٹ کو زمین پر پھینکے ۔
پنگل اور رنگ نے تیر نکال لیے ۔
ھتھیار ٹکرانے لگے ، کوئی پیچھے نہیں ھٹتا تھا ۔
کتنے لوگ مارے گئے ! انھوں نے اپنی قوت استعمال کی اور تلواریں
نکال لیں ۔
خون کی ندیاں بہ نکلیں مگر کوئی شخص میدان سے نہ ھٹا ۔
وہ سامنے سے وار کرتے آگے بڑھتے گئے ۔
ھتھیار ٹکراتے رہے اور بہادر شہرت پاتے گئے ۔
گدا نے پنگل اور رنگ دونوں کو مار ڈالا ۔
دوستو ! میدان جنگ میں آھوں کا شور بپا تھا ۔
راجا (سیس پال) کو پنگل اور رنگ کی موت کا بہت صدمہ ہوا ۔

راجا سیس پال

''اب میری قسمت کو زوال آ گیا ھے ۔
اب میں تباہ ہو گیا ہوں'' اور وہ اپنا سر پٹخنے لگا ۔
''اب کون دشمن کا مقابلہ کرے گا ؟''
پھر طاقتور سیس پال خود آگے بڑھا ۔
تیر چلنے لگے اور سخت جنگ ہوئی ۔

---

۱ - کشن کا وزیر ، قدیم کہانیوں میں گدا کرشنا کا چھوٹا بھائی ھے ۔

مہاراجا پردمن نے بھی ہتھیار باندھ لیے
اور راجا سیس پال کے مقابل پہنچ کر اس پر وار کیا ۔
وہ گرجتے ہوئے بادل کی طرح اس پر تیر سے حملہ آور ہوا ۔
سب طرف سے شور بپا تھا اور زمین کانپ رہی تھی ۔
سیس پال ہوش و حواس کھو بیٹھا ۔

راجا سیس پال

''تعجب ہے میرے سب بہادر مارے گئے !''
بڑی خوفناک جنگ ہوئی اور سیس پال (اپنے دل میں) کہنے لگا :
''مہاراج پردمن کے سامنے ہونا تو موت کو دعوت دینا ہے''۔
پھر سیس پال نے اس زور سے چلہ کھینچا
کہ کمان ٹوٹ گئی ، یہ ہری (خدا) کا کرنا تھا ۔
کمان ٹکڑے ٹکڑے ہو کر زمین پر گر گئی
اور اس کی موت[1] کا وقت قریب آ گیا ۔
اس وقت پردمن نے تیر مارا ــــ آتشین تیر جس سے خوفناک شعلے نکلے ۔
سر اور بازو کٹ کٹ کر بارش کی طرح گرنے لگے ۔
وہ سامنے سے وار کرتا آگے بڑھتا گیا ۔
وہ دشمنوں کو فوراً موت کے گھاٹ آتار دیتا ، انھیں بھاگنے کی مہلت نہ دیتا ۔
پھر سیس پال اچانک آگے بڑھا ۔

راجا سیس پال

''تعجب ہے میرے سب بہادر ختم ہو گئے !''
مہاراجا پردمن نے تلوار کھینچی
اور راجا سیس پال پر جھپٹا ۔
تلوار کا وار سیس پال کے بدن پر پڑا ؛
وہ بے ہوش ہو کر منہ کے بل زمین پر گر پڑا
اور اپنے سارے طور طریقے بھول گیا ۔

---

۱ ۔ بھاٹ مبالغے سے کام لے رہا ہے ، سیس پال اس موقع پر نہیں مرا تھا ۔

وہ بے ہوش ہو گیا اور اس کا سارا غرور خاک میں مل گیا ۔
دس ہزار سپاهی ایک هی بار شہر میں داخل هو گئے ۔
گھمسان کا رن پڑا اور تلواریں ٹکرائیں ۔
مگر انھوں نے دروازے توڑ دیے اور شہر میں داخل هو گئے ۔
انھوں نے لاکھوں کا مال لوٹا اور برباد کیا ۔
گرجتے ہوئے بہادر حکم کے منتظر کھڑے تھے ۔
سر کٹ کٹ کر زمین پر گرنے لگے ۔
بعض کو انھوں نے مار دیا اور بعض کو مغلوب کر لیا اور دشمن کو مار بھگانے کا حکم دیا گیا ۔
بڑی سخت جنگ ہوئی ، جو بیان سے باھر ھے ۔
سب سپاهی اپنی روایات بھول گئے ۔
راجا سمس پال کی شہرت خاک میں مل گئی ۔
ان پر ایسا وقت آ گیا کہ وہ اپنے گھر چھوڑ کر نکل بھاگے ۔
راجا پردمن نے فتح پائی اور کامیاب ھوا ۔
راجا دھمگوس[1] نے سونے کے تھال میں موتی اور تحفے رکھے
اور هاتھی ، گھوڑے ، خچر اور قیمتی سامان ساتھ لیا ۔
سارا سامان لے کر وہ شہر سے نکل آیا
اور راجا پردمن کی خدمت میں پہنچ کر اس کی منت سماجت کی ۔

راجا دھمگوس

"مہاراج ! میں تمھاری خدمت میں پناہ لینے کے لیے آیا ھوں ۔
تم بہت طاقتور ھو ، وہ نادان لڑکا ھے ۔
میں نے اسے انتباہ کیا تھا مگر اس نے میری بات نہ سنی ، اب اسے زندہ رهنے دو ۔
اسے آج بچ کے نکل جانے دو ، میں تم سے یہ استدعا کرنے کے لیے حاضر ھوا ھوں ۔
اس نے اپنے کیے کا پھل پا لیا ھے ۔
اس کی ساری حکومت اور سلطنت لے لو
مگر اس کی خطا معاف کر دو اور اسے جانے دو ۔

---

۱ ۔ دما گھوش ۔ سیس پال کا باپ ۔

میں تمہارے لیے بے شار ہاتھی ، گھوڑے ، رتھ اور جواہرات
لایا ہوں''۔

اس نے اسے غلام بھی پیش کیے اور لونڈیاں بھی اور ساتھ ہی بہت
منت ساجت بھی کی ۔

سیس پال نے حماقت سے اپنی ساری عزت اور شان کھو دی
اور اپنی فوج بھی برباد کر لی ۔

دھمگوس نے اپنی زبان سے یہ تقریر کی :

راجا دھمگوس

''اب تو یہ بات سارے ملکوں میں پھیل چکی ہے''۔

راجا پردمن نے اس کی حکومت اور سلطنت اسے واپس دے دی ، یہ ایثار
کیا ۔

اس نے سب راجاؤں کے ملک فتح کیے ، کسی کو نہ چھوڑا ۔
اس نے اسے اس کا سارا ملک ، حکومت اور عزت واپس کر دی ؛
راجا دھمگوس سے اس نے اتنا اچھا سلوک کیا ۔
اس نے جنگ میں فتح پائی اور اپنی شان میں بڑھتا ہوا
دوارکا واپس پہنچ گیا ۔
بھرت کھنڈ[1] کا علاقہ گنگا اور جمنا کے درمیان ہے ۔
کشن لال[2] اور شب کنور اپنے پاکیزہ گھر میں اکٹھے رہتے ہیں ۔

---

۱ ۔ قدیم حکایات میں بھارت ورش سے سارا ہندوستان مراد لیا جاتا ہے ۔ بھارت ورش کا مطلب ہے بھرت کی سلطنت۔ اور بھرت مہابھارت کی جنگ میں حصہ لینے والے سب سورماؤں کا مورث اعلیٰ تھا ۔ بھارت نو کھنڈوں میں منقسم تھا ؛ غالباً بھاٹ یہاں اسی طرف الجھا سا اشارہ کر رہا ہے اور اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ ہندوستان کی پاک زمین گنگا اور جمنا کےدرمیان ہے مگر یہ حقیقت نہیں ۔

۲ ۔ اس نظم کے مصنف جو میاں بیوی ہیں ۔

حکایت ۵۷

سیس پال اور کشن

بھراؤٹ ضلع میرٹھ کے ایک مشہور بھاٹ کی زبانی

یہ حکایت سابقہ حکایت سے گہرا تعلق رکھتی ہے اور اس میں ایک مشہور واقعہ بیان کیا گیا ہے جو قدیم کہانیوں میں سیس پال بڈھا یا سیس پال کے قتل کے نام سے مشہور ہے۔ ماگھا جسے ماگھا کادیا بھی کہتے ہیں، اس نے بھی اس عنوان سے ایک الگ نظم لکھی ہے۔ مہابھارت کے ایک حصے سبھا پروا کا عنوان بھی یہی ہے مگر موجودہ حکایت اپنا الگ واقعہ بیان کرتی ہے۔

چیدی، جو سیس پال کا وطن تھا، آج کل چاندل راجپوتوں کی سر زمین بگھیل کھنڈ کے نام سے مشہور ہے۔ جسے بھاٹ چندیری کہتا ہے وہ سیندھیا کے علاقے کا ایک قصبہ ہے۔

اس کہانی میں بھیشم کو سیس پال کا وزیر اور کرشن کا دشمن بتایا گیا ہے۔ مہابھارت کی کہانی کے مطابق بھیشم نے اپنے رشتہ داروں کوروؤں، جو دھرِت راشٹر کے بیٹے تھے، اور پانڈوؤں، جو پانڈو کی اولاد تھے، دونوں کی پرورش کی، مگر جب ان میں مخالفت ہوئی اور لڑائی تک نوبت پہنچی تو اس نے کوروؤں کا ساتھ دیا۔ کرشن نے پانڈوؤں کا ساتھ دیا۔ شاید اسی سبب سے موجودہ کہانی میں بھیشم کو لایا گیا ہے اور اسے یہ عہدہ دیا گیا ہے۔ سابقہ حکایت کے شروع میں جو شجرۂ نسب دیا گیا ہے، وہ بھی دیکھیے۔

اس حکایت میں سب پانڈوؤں کا ذکر بار بار آیا ہے اور اس واقعے

کا متھرا میں پیش آنا بیان کیا گیا ہے ۔ مہابھارت میں یہ واقعہ بڑی شاہی قربان گاہ یا راجسویہ میں ، جو اندر پرست (دھلی) میں واقع تھی اور جس پر یدھشٹر کا قبضہ تھا ، پیش آنا بیان کیا گیا ہے ۔ سہادیو نے پہلی آرگیا یا قرباتی کرشن کو پیش کی جس سے سیس پال سخت برافروختہ ہوا ۔ اس سے جھگڑا شروع ہوا اور سیس پال نے رکمنی کے پرانے جھگڑے کی بنا پر کرشن کو گالیاں دینی شروع کر دیں ۔ اس پر کرشن نے غصے میں آ کر بر سر عام اپنے چکر سے سیس پال کا سر کاٹ دیا ۔ چکر ایسا ھتھیار تھا جو ایسے موقعوں کے لیے بہت مفید تھا ۔ آپ دیکھیں گے کہ قدیم کہانی موجودہ کہانی سے کہیں بہتر ہے ۔

راجا سیس پال اور راجا کشن کی لڑائی کا بیان

سیس پال شہر چندیری کا راجا تھا
اور قلعوں[1] کے سردار سب اطراف سے اس کے لیے خراج لاتے تھے ۔
راجے اس کے سب احکام ادب سے بجا لاتے تھے
اور اس کے احکام بجا لانے کے لیے ہمیشہ تیار رہتے تھے ۔
سارے ملک میں اس کے نام کا ڈنکا بجتا تھا ،
سب لوگ ادب سے اس کا حکم بجا لاتے تھے اور اس کے فرماں بردار تھے۔

وزیر بھیکھم[2]

"متھرا میں ایک کنس[3] تھا ، جو بڑا طاقتور سپاھی تھا ۔
اس کے بعد اب کشن ہے ، میں آپ کو بتائے دیتا ہوں ۔
اے راجا ! سب راجے آپ کو خراج پیش کرتے ہیں ،

---

۱ - راجے ۔
۲ - سیس پال سے ۔
۳ - کنس ، متھرا کا راجا اور کرشن کا چچا زاد تھا ، اس نے کرشن کی پیدائش کے وقت تمام بچوں کو مروا ڈالا تھا تا کہ کرشن زندہ نہ بچے ، بعد میں کرشن نے اسے مار ڈالا تھا ۔

سب آپ کا حکم بجا لاتے ہیں اور آپ کے سامنے کھڑے رہتے ہیں ۔
کرشن کنہیا[۱] جادو خاندان کا فرد ہے
اور اس کا ایک بھائی بلدیو[۲] نامی ہے''۔

راجا سیس پال

''اس نے اپنی طاقت کے غرور کے باعث یہاں دربار میں آنا چھوڑ دیا ہے ۔
بھیکھم ! جاؤ اور اسے میرے سامنے حاضر کرو ؛
اسے سمجھاؤ اور میرے پاس لے آؤ ؛
دیر نہ لگانا ، جلدی آ جانا ۔
وہ کوئی شاہی آداب بجا نہیں لاتا ؛
وہ ہوش و حواس کھو چکا ہے اور ہر روز برائی میں مشغول رہتا ہے''۔
حکم کے مطابق بھیکھم روانہ ہوا اور متھرا پہنچا
اور وہاں کشن کے پاس جا کر اسے سارا پیغام بتایا ۔

وزیر بھیکھم

''راجا سیس پال نے آپ کو جلدی بلایا ہے ۔
میں آپ کو متھرا سے لے جانے کے لیے آیا ہوں ۔
اپنے بھائی بلدیو کو بھی اپنے ساتھ لے چلیے ۔
ساری بات سن لیجیے اور روانہ ہو جائیے''۔

راجا کشن

''میں اس کے پاس نہیں جاؤں گا ، وہ کس ملک کا راجا ہے ؟
کیا اسے شرم نہیں آتی کہ وہ مجھ سے ایسی بات کرتا ہے ؟
کیا اسے یہ عجیب کام کرتے ہوئے شرم نہیں آئی ؟
وہ پوری کوشش کر دیکھے ، اسے کوئی منع نہیں کرتا ۔
میں تو اسے خراج ادا نہیں کروں گا ۔
یہاں دنیا میں اس جیسے کئی سیس پال آوارہ گردی کرتے پھرتے ہیں''۔
یہ سن کر بھیکھم نے راجا (سیس پال) سے کہا :

---

۱ - کنہیا کرشن کا لقب ہے ۔
۲ - بل راما ۔

وزیر بھیکھم

''اسے اپنی طاقت کا غرور ہے ، وہ نہیں آئے گا ۔
نہ وہ خراج ادا کرتا ہے ، نہ آپ کا حکم تسلیم کرتا ہے ۔
وہ مغرور ہے ، آپ کے پاس نہیں آئے گا ۔
مہا راج ! اب آپ اپنی مرضی کریں ؛
جنگ کی تیاری کریں اور فوجیں اکٹھی کریں''۔
یہ سن کر سیس پال نے اپنے دل میں سوچا
اور اس کے دماغ میں اتنا غرور سمایا کہ اس نے ساری شرم کو بالائے طاق رکھ دیا[1]۔

راجا سیس پال

''بھیکھم ! میرا حکم سنو اور اس کے مطابق عمل کرو ۔
ہم فوج کے لیے سامان جنگ کا بندوبست کرو ،
ضرویارت جنگ ــــ خوراک اور چارہ مہیا کرو ،
ھتھیار باندھ لو اور تیر لے لو''۔
بادشاہ کا حکم سنتے ھی اس نے زبردست تیاری کی ۔
ھاتھی ، گھوڑے اور بے شمار رتھ ؛
اس نے سب دکانیں اور بازار بھر دیے
اور سب چھتیس ہزار آدمی اکٹھے کر لیے ۔
اس نے سب انتظامات کیے اور اپنی پسندیدہ فوجوں کو بھی لے آیا ،
جیسے چاند کے گرد ستارے ہوں ۔
ایک لاکھ سپاھی آگے بڑھے ــــ جو سب جوان تھے ۔

راجا سیس پال[2]

''نیزے ، بندوقیں ، تیر اور سب ھتھیار لے لو ؛
دیر نہ کرو ، میرا حکم مانو ۔
توپوں کو بھی فوراً تیار کرو ؛
ساری فوج جو تمھارے پاس ہے ، اپنے ساتھ لے لو''۔

---

۱ - بھاٹ کی نظروں میں کرشن کے خلاف جنگ لڑنا سخت قبیح فعل ہے ۔

۲ - بھیکھم سے ۔

یہ سنتے ہی بھیکھم اٹھا اور اس نے اپنے ہتھیار باندھ لیے ۔
ایک لاکھ سپاہی بے خوف و خطر آگے بڑھے ۔
راجا اپنے ہاتھی پر سوار تھا ،
جیسے آسمان پر گرجتا ہوا بادل ہو ۔
راستے میں کیمپ اور پہرے لگاتی فوجیں آگے بڑھتی گئیں ؛
خیمے اپنی جگہوں پر نصب کر دیے گئے اور پھریرے اڑنے لگے ۔
سپاہی تیر اور کمانیں لیے اپنی اپنی جگہ پر کھڑے ہو گئے ۔
سپاہی نعرے لگاتے اور دلیر اپنی قوت کا امتحان کرتے ؛
وہ اپنے جوش میں متواتر نعرے لگا رہے تھے ۔

راجا سیس پال کی فوج

''مہاراج ! اب ہمیں حکم دو ؛
ہم خوشی سے دشمن کے ساتھ لڑیں گے''۔
راجا سیس پال نے قاصد کو بلایا اور سوچنے لگا ۔

راجا سیس پال کا خط

''کیا وجہ ہے کہ جنگ کی تیاری کے باوجود تم حملہ نہیں کرتے ؟
یا مجھے آج ہی خراج ادا کر دو ،
یا پھر تمہیں یہ جنگ لڑنی پڑے گی ،
تلواریں ٹکرائیں گی اور سخت مقابلہ ہوگا ۔
تم نے یہ بے ادبی کیوں کی تھی کہ مجھے مقابلے کے لیے پکارا تھا؟''
قاصد نے خط لیا اور متھرا پہنچ گیا
اور سیس پال کا پیغام پہنچایا ۔
بہادر ارجن اور جنگجو بھیم ،
نکل اور سہدیو اور وہ فرماں بردار
جن کا دلی میں حکم چلتا تھا ،
تلوار کے دھنی اور ویدوں کے عالم و عاں (دربار میں بیٹھے) تھے ۔

ارجن

''قاصد ! اپنے گھر جا ؛ میں ایسے میخ گاڑوں گا
کہ تیرے راجا کو (زندہ) نہیں چھوڑوں گا ؛ میں نے لاکھ باتوں جیسی
ایک ہی بات کہ دی ہے ۔

میں نے لاکھ باتوں جیسی ایک ھی بات کہ دی ھے ۔
جاؤ اسے کہ دو کہ ہم خراج ادا نہیں کریں گے ،
جنگ ہوگی اور کوئی پیچھے نہیں ہٹے گا
اور میں اپنے دشمن کو کچل کے رکھ دوں گا''۔
یہ سن کر قاصد واپس آیا اور راجا سیس پال کے سامنے آداب بجا لایا ۔

قاصد

''وہ لڑنے کے لیے تیار ھیں ، سپاھی بالکل تیار کھڑے ھیں ۔
اے (شاھی) چھتر کے مالک ! اب دیر نہ کیجیے ،
اپنی فوج کو تیاری کا حکم دے دیجیے ،
اب آپ کو ضرور متھرا پہنچ کر لڑائی لڑنی چاھیے ۔
میں آپ کا خادم ہوں ، میری بات سنیے''۔
سیس پال نے یہ بات سنی تو اس کے اندر غصے کی آگ بھڑک اٹھی ۔
جو ہونا ھے ہو کر رھے گا ، تقدیر سب کے ساتھ ھے''۔
راجا نے حکم دیا :

راجا سیس پال[1]

''تیار ہو جاؤ ،
دشمن پر ایک دم حملہ کر دو ،
کمریں باندھ لو اور اکٹھے آگے بڑھو ،
اور پہلا حملہ تم کرو ، جو میرے دوست ہو''۔
(سیس پال کے) سپاھی جوش و خروش سے جمنا کے کنارے بڑھے ۔
سب دلیر سپاھی سورج کی طرح چمک رھے تھے ۔
جنگجو فوج ہتھیار باندھے کھڑی تھی
اور ہزاروں ننگی تلواریں دھوپ میں چمک رھی تھیں ۔
(دوسری جانب) ارجن کے ساتھ اسی ہزار فوج تھی ۔
کشن اور اس کا بھائی[2] آگے بڑھے اور انہوں نے دن کو رات میں تبدیل کر دیا ۔

---

۱ ۔ اپنی فوج کے نام اعلان جاری کر رھا ھے ۔
۲ ۔ غالباً بلدیو یا بل رام مراد ھے ۔

ارجن نے جمنا کی طرف پیش قدمی کی
اور ایسا تیر پھینکا
کہ اس کی آگ نے بدن بھسم کر دیے ۔
ارجن نے پھر دوسرا حملہ کیا اور آگے بڑھتا گیا ۔
دنت باکر[1] اور جرا سندھ نے اپنے ہاتھوں میں لاٹھیاں لیں
اور بلدیو ان سے لڑنے کے لیے غصے میں آگے بڑھا ۔
بلدیو نے ان کے جسموں میں ایک تیر مارا
اور جرا سندھ اور دنت باکر دونوں میدان میں گر گئے[2] ۔
اس نے دس ہزار اور سپاہیوں کو بھی مار ڈالا
اور ان کے سر کاٹ کر بدن پھینک دیے ۔
جرا سندھ ننگی تلوار لے کر آگے بڑھا
اور اس نے بلدیو کے سر پر ضرب لگائی ؛
ضرب لگی اور اسے اپنے بدن کا کچھ ہوش نہ رہا ۔
ایسے وقت میں کون کہہ سکتا ہے کہ اس کے دل میں کیا تھا ۔
جرا سندھ نے ایک ہزار سورماؤں کو موت کے گھاٹ اتار دیا ۔
وہ سواروں کو فوراً نیچے گرا دیتا ۔
اپنا تیر کمان درست کر کے ، کرشن فوراً گرجتا ہوا آگے بڑھا
اور تیر مار کر جرا سندھ کا بازو توڑ ڈالا ۔
اس نے ایک دم پانچ اور تیر چلائے ؛
پھر اس نے اپنی تلوار سے ایسی زبردست ضرب لگائی
کہ جرا سندھ کو مار ڈالا اور
وہ بہادر ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گیا ۔
جرا سندھ[3] مر گیا اور فوج میں شور مچ گیا ۔

---

۱ - قدیم حکایات کے مطابق یہ کروشاہ (مالوا) کا راجا تھا ، جو ایک جنگ میں کرشن کے ہاتھوں مارا گیا تھا ۔

۲ - یہاں بھاٹ نے قدرے جلد بازی سے کام لیا ہے ۔

۳ - جرا سندھ مگدھ (جنوبی بہار) کا راجا تھا ، وہ کنس کا خسر تھا ۔ اس کے قتل کے انتقام کے طور پر اس نے کرشن کو متھرا سے نکال کر

باقی صفحہ ۳۳۰ پر

بدر سال[1] نے اس زور سے حملہ کیا
کہ گولیاں چلنے لگیں اور توپیں گرجنے لگیں
اور ان کی آوازوں سے ساری فوج کانپنے لگی ۔
لاشوں پر لاشے گرے اور مردہ جسم اینٹھنے لگے ۔
ان کی آنکھیں کھلی تھیں مگر زبانیں بند تھیں ۔
کشن نے تیر مارا اور بدر سال کا چھتر توڑ دیا ۔
کمان سے یوں آواز نکلی جیسے بجلی کی کڑک ہو ۔
کشن تلوار لے کر آگے لپکا ،
اس نے بدر سال کو مار ڈالا اور اس کا جسم چھید ڈالا ۔
اس نے دو ہزار اور سپاہیوں کو بھی مار ڈالا
اور ان کے سر کاٹ کر انہیں زمین پر پھینک دیا ۔
مدن نے ہاتھ میں تیر لیا اور اس کے شعلے دور تک پھیل گئے ،
جیسے اندر کے بادل موسلادھار مینہ برسائیں ۔
اس نے ہاتھیوں ، گھوڑوں اور بازوں کو موت کی نیند سلا دیا ۔
اس نے دس تیر چلائے اور سب کے بدن چھید ڈالے ۔
میدان جنگ میلوں میں پھیلا ہوا تھا ۔
مدن نے نیزوں ، بندوقوں اور تیروں سے موت کا بازار گرم کر دیا ۔
پھر بہادر بھیم لاٹھی لے کر اٹھا
اور اس نے مدن کو وہیں مار ڈالا ، ذرا آگے نہ بڑھنے دیا ؛
اس نے لاٹھی سے ایسا حملہ کیا
کہ سب باغی ایک ہی بار گر گئے ۔

بھیم[2]

''چھتری کا یہ دھرم ہے کہ وہ پیچھے نہیں ہٹتا ۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۲۹ :

دوارکا کی طرف بھیج دیا تھا ۔ اسے بل رام نے نہیں بلکہ بھیم نے اس جھگڑے کے موقع پر مارا تھا جو بڑی قربانی کے موقع پر ہوا تھا ۔

۱ - بھیشم جی ودربھا (برار) کا راجا اور رکمنی کا باپ تھا ۔

۲ - سیس پال کی فوج کو عام دعوت مقابلہ ۔

تم میں سے جو بھی اپنے سر پر پگڑی باندھتا ہے ، مقابلے کے لیے آگے آئے ''۔
لڑائی کے حالات دیکھ کر سیس پال ایک رتھ میں بیٹھ گیا
اور اس نے کشن پر حملہ کیا ۔
اس نے ایک ہی تیر سے اس کا جھنڈا نیچے گرا دیا
اور ساتھ ہی اس کا گھوڑا کٹ گیا ۔
اس نے میدان جنگ میں چکر کاٹتے ہوئے رتھ کو بھی چھید ڈالا ؛
پھر اس نے اس کے بدن پر تیر چلایا ۔
کشن نے ایک اور رتھ منگایا اور اس پر بیٹھا ۔
ان گنت تیر زور سے چلنے لگے ۔
اچانک تنکے ہوا میں اڑے اور زمین کانپی ۔
یوں معلوم ہوتا تھا جیسے میدان جنگ میں شیر گرج رہے ہوں ۔
کشن نے اپنا آتشیں چکر چلایا ۔
اب سیس پال کے لیے زندہ رہنا مشکل تھا
مگر سیس پال سنبھلا اور اس نے کشن کے رتھ کا منہ پھیر دیا ۔
اس نے رتھ کو زور سے زمین پر الٹ دیا ؛
رتھ میلوں دور جا گرا
مگر کشن نے واپس آ کر سیس پال پر تلوار سے حملہ کر دیا
اور اسے بازو سے پکڑ کر خوب گھمایا
اور کئی میل دور پھینک دیا ؛ ہاں ! اس نے ایسا ہی کیا ۔
سیس پال لاش کی طرح زمین پر گر پڑا ، اس کا یہ حال ہوا ۔
اس کا سارا بدن کانپنے لگا اور وہ اس پر قابو نہ پا سکا
لیکن اس کے باوجود وہ دوبارہ رتھ پر بیٹھ کر میدان میں آ گیا
اور اس نے زور سے چلا کھینچا ۔
کمان ٹوٹ گئی اور تیر نے دشمنوں کو چھید ڈالا ۔
اس کا بدن کانپا اور اس کے لیے جینا مشکل ہو گیا ۔
کشن نے اپنا چکر چلایا اور سیس پال کا سر کاٹ دیا ۔
جیسے پہاڑی غائب ہو جاتی ہے ، اسی طرح سیس پال کی فوج غائب ہو گئی ۔
اس کی فوج چاروں طرف تتر بتر ہو گئی ۔

راجا سیس پال کی فوج نے میدان میں شکست کھائی ۔
فوج کے کیمپ میں سے کروڑوں کا سامان لوٹ لیا گیا ،
جب سیس پال میدان جنگ میں مارا گیا ۔
ارجن ، بھیم سین اور کشن کے بھائی بلدیو نے فتح پائی
اور نکل اور سہدیو نے بھی ۔
کشن متھرا میں رہا
اور سیس پال کے مارے جانے سے اس کی مراد بر آئی ۔
پانچوں پانڈو دھلی کی طرف روانہ ہوئے
اور انھوں نے ساری حکومت اور سلطنت پر قبضہ کر لیا ۔
کشن لال اور شب کنور معرفت حاصل کر لینے کے بعد
اب خوشی اور مسرت سے دن گزارتے ھیں ، ان کے گیان نے انھیں خوش و خرم کر دیا ہے ۔

حکایت ۵۸

بانا سر کی کہانی

بھراوٹ ضلع میرٹھ کے ایک مشہور بھاٹ کی زبانی

موجودہ کہانی کرشن کے سلسلۂ حکایات میں سے ایک مشہور کہانی کے متعلق بھاٹوں کی روایت ہے؛ اس کہانی کو بار بار بطور ڈراما پیش کیا گیا ہے۔ مختصراً کہانی یوں ہے: کرشن کا پوتا، انی‌ردھا، جو وشنو بہادر تھا، سیوا کے راجا بانا یا بانا سر کی بیٹی اوشا[1] کی محبت میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اس کے باپ کو شکست دینے کے بعد اسے اس کے گھر سونتا پور سے دوراکا اٹھا لے جاتا ہے۔ اس کہانی کی شہرت کا سبب یہ ہے کہ اس میں دو قبائل کی جنگ کا بیان ہے اور اس میں دلچسپی اس سے پیدا ہوتی ہے کہ ایک قبیلے کے نوجوان کو دوسرے قبیلے کی لڑکی سے پیار ہو جاتا ہے۔

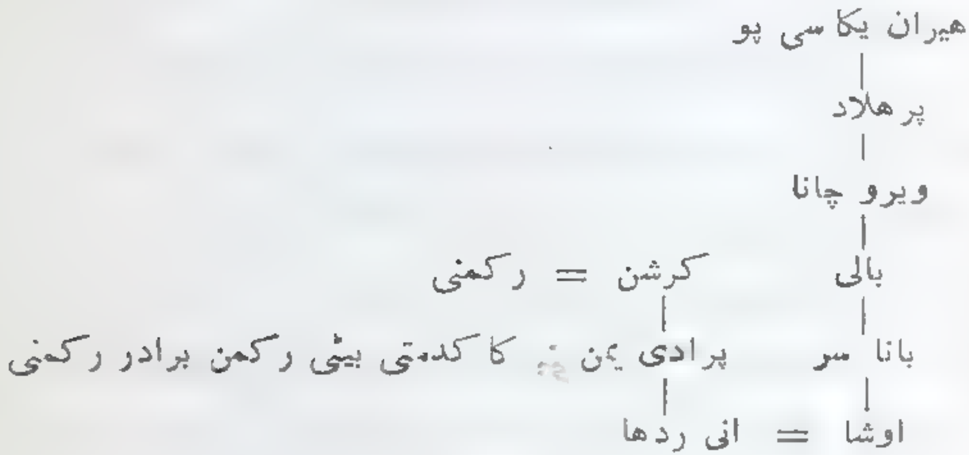
کرشن کے سلسلۂ حکایات کا محل وقوع متعین کرنا آسان نہیں کیوں کہ شمالی اور جنوبی ہند دونوں کو اس سلسلے کے بہادروں کا وطن ہونے کا دعویٰ ہے۔ موجودہ کہانی میں مشہور مقامات کے نام بدلی ہوئی صورت میں سامنے آتے ہیں۔ بھاٹ نے جو کچھ بتایا ہے اس کے مطابق اس کہانی کا محل وقوع کہیں ہمالیہ میں ہے ــــ غالباً ناداون ضلع کانگڑا کے قریب و جوار میں۔ خیال رہے کہ ضلع شملہ کی ریاست بشہر کے حکم رانوں کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ انیردھا کے باپ پرادی یمنا کی اولاد ہیں۔ پرادی یمنا کے متعلق کہا

۱۔ متن میں اس کو آکھا بیان کیا گیا ہے۔

جاتا ہے کہ اسے بانا سر کی شکست کے بعد کرشن نے ہمالیہ میں بطور حکمران چھوڑا تھا ۔

سابقہ کہانی کی طرح یہاں بھی پانڈوؤں کو اپنے بھائی انیردھا کی حمایت اور بانا سر کی مخالفت کرتے دکھایا گیا ہے ۔

مزید وضاحت کے لیے یہاں سابقہ شجرے میں کچھ اضافہ کیا جاتا ہے ۔



راجا بانا سر اور آکھا کی کہانی

سنت پور اس کا شہر تھا اور بدرام اس کا ملک تھا ۔
رانا بانا سر ہمیشہ جنگ کا طالب رہتا ،
وہ ہر وقت جنگ کا جویا رہتا ۔

راجا بانا سر[1]

''میرے خالق ! میری دعا سنو ۔
کیا تمہارے خاندان[2] میں کوئی ایسا طاقت ور راجا باقی نہیں
جو میرا بازو توڑ سکے ؟
کوئی ایسا سپاہی نہیں جو میری قوت کا مقابلہ کر سکے ؟''
آدیا ست[3] نے کہا :

---

۱ - شو سے دعا ۔
۲ - مراد ہے تیرے ماننے والوں میں سے ۔
۳ - بانا سر کا دوسرا بیٹا ۔

راج کہار آدیا ست

''بھولا[۱] مہربان ہوگا۔
وہ عجیب و غریب قوتوں والا تجھے ایک لمحے کے اندر خوش کر دے گا۔
جو کچھ تو مانگے گا ، تجھے وہی مل جائے گا ، اس کی شان نرالی ہے۔
میرا شمبھو[۲] بھولا تجھے خوش کر دے گا ؛
وہ ، جو اپنے بیل نادیا پو سوار پھرتا ہے''۔
راجا نے اس کی بات پر یقین کر لیا اور کہا :

راجا بانا سر

''آؤ ، ابھی اس کے پاس چلیں اور اس سے عاجزانہ التجا کریں ؛
اس سے عاجزانہ التجا کریں اور پھر اس کی قدرت دیکھیں''۔
چنانچہ مہاراجا شو کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس سے عرض کی :

راجا بانا سر

''تم نے مجھے حکومت ، سلطنت اور دولت دی ہے
مگر آقا ! تم نے مجھے جنگ نہیں بخشی''۔

مہا دیو[۳]

''محل میں تیری ایک بیٹی ہے ، جس کا نام آکھا ہے۔
وہ تیری خواہش پوری کر دے گی ، تسلی رکھ ؛
تسلی رکھ اور صبر سے کام لے۔
اسے جا کر وہ پہنچا دے جو میں کہتا ہوں۔
اے شاہی چھتر کے مالک ! اندیشہ نہ کر۔
تو ایک پورا شہر برباد کرے گا ''۔
بانا سر چلا آیا اور اس نے اپنی بیٹی سے کہا :

راجا بانا سر

''مہا دیو نے مجھے بتایا ہے کہ مجھے فوراً جنگ حاصل ہوگی۔

---

۱ - شو کا نام۔
۲ - شو کے نام۔
۳ - شو کا نام۔

مجھے جنگ ملے گی اور میں شہرت پاؤں گا ۔
میں ھتھیار باندھوں گا اور لڑنے کے لیے جاؤں گا ۔
میری سیانی بیٹی ! میری بات سن ۔
میرا دل جنگ کے لیے تڑپ رھا ھے''۔

راج کماری آکھا

''پتا ! گھر جا کر آرام کیجیے ، مہاراج ! میں (اس کے لیے) کوشش کرتی ھوں ؛
میں بھولا ناتھ سے دعا کروں گی کہ آپ کی خواھش پوری ھو جائے''۔
پیاری آکھا باپ کی بات سن کر چل دی
اور وہ حسینہ شنکر[1] کے پاس پہنچی ۔

راج کماری آکھا[2]

''میرے باپ کو جنگ مل جائے اور مجھے محبوب ملے !
اے آقا ! تو نے مجھے محبوب عطا نہیں کیا''۔

مہا دیو

''یہاں سے بہت دور ، سمندر کے کنارے پر
تیری اپنے محبوب سے ملاقات ھوگی ، ذرا صبر سے کام لے ۔
ماگھ کے مہینے میں چاند کی بارہ تاریخ کو
تجھے تیرا محبوب مل جائے گا ۔ اے میری بیٹی !
وہ ایک راجا ھے ، جو دشمنوں کے بازو توڑ کر انھیں نیچے پھینک دیتا ھے ۔
تالاب سوکھ جائیں گے اور تیرے باپ کا غرور خاک میں مل جائے گا[3] ''۔
آکھا خوشی خوشی واپس آ گئی ۔

راج کماری آکھا

''مہاراج ! خوش رھو !

---

۱ ۔ شو کا نام ۔
۲ ۔ شو سے دعا مانگتی ھے ۔
۳ ۔ پیش گوئی جس پر آئندہ کہانی کی بنیاد ھے ۔

رحمت میں آپ کا کوئی ثانی نہیں ۔
مہاراج ! اپنے کیلاش[1] میں خوش رہیے ۔
مجھ پر آپ کی یوں ہی نظر کرم رہے
اور آپ ہمیشہ اپنے بیل نادیا پر سوار رہیں !"
دعا مانگ کر آکھا واپس اپنے گھر آ گئی ۔

راج کماری آکھا

"میرے بھولا ناتھ نے میری خواہش پوری کر دی ہے ۔
اس نے میری دعا قبول کر کے مجھے عزت بخشی ہے ۔
اس نے میرے باپ کو جنگ دے دی ہے ؛ اس نے ایسا کر دیا ہے
اور شمبھو بھولا نے مجھے بھی ایک تحفہ عنایت کیا ہے ۔
مجھے اس نے دولت ، مال اور روپیہ دیا ہے اور خوب صورت پالکی"۔
راجا بہت خوش ہوا اور اس نے اپنی فوج تیار کی ۔
اسے جنگ اور شہرت مل گئی ، اس نے اپنا جھنڈا گاڑ دیا
اور اپنے جرنیلوں کو احکام جاری کیے ۔

راجا بانا سر

"فوجیں جمع کرو ،
ہتھیار باندھو اور جنگ کا خیر مقدم کرو ۔
شنکر نے مجھے یہ سخت حکم دیا ہے :
"اپنی فوجیں فوراً اکٹھی کر لو"۔
نصف شب کے قریب ہوشیار آکھا سو رہی تھی ،
اس نے ایک نوجوان کو خواب میں دیکھا اور شرما کر کہا ؛
اس نے شرما کر کہا :

راج کماری آکھا

"میری باندی !
جیسے بھی ہو سکے میری خواہش پوری کر ۔
میں نے ایک چاند جیسا جوان دیکھا ہے ۔
مجھے افسوس ہے کہ میں نے ایسا خواب دیکھا "۔

---

۱ - ہمالیہ میں شو کا عجیب و غریب مقام ۔

باندی نے قلم دان لیا اور صاف صاف کہنے لگی :

باندی چتر لیکھا

''میں سات جہانوں اور نو آسمانوں کی تصویر کھینچتی ہوں''۔
پیاری چتر لیکھا نے تصویر بنائی ؛
اس نے ساری دنیا کی صورتیں بنائیں ۔
بھرت کھنڈ کے پانڈوؤں اور شاندار شری کرشن کی ،
اور جادوؤں کی نسل کی ؛ اس نے سب کی الگ الگ تصویر کھینچی ۔
پھر اس نے وہ تصویر راج کماری کے سامنے رکھ دی ، جس نے اسے غور سے دیکھا ۔
اس کے ذریعے وہ دوارکا پہنچ گئی ، جو فانی دنیا کا شہر ہے ۔
پیاری آکھا وھاں بیٹھ کر چاروں طرف دیکھنے لگی ؛
وہ ھر صورت پر علیحدہ علیحدہ نظر ڈالتی ۔
جب اس نے راج کمار کو دیکھا تو شرما گئی ۔

رانی آکھا

''باندی ! دیکھو ، میں نے وہ جگہ معلوم کر لی ہے''۔

باندی چتر لیکھا

''تم نے اسے منتخب کر کے اچھا نہیں کیا ، یہ تو موت کی پکار ہے ۔
جادوؤں کی تعداد ۵۶ کروڑ تک پہنچ چکی ہے اور ان کی فوج بے شمار ہے ۔
ان کا راجا بہادر اور طاقت ور ہے ؛
ارجن ، نکل اور بھیم زبردست جنگجو ھیں ۔
سارا شہر خاک میں مل جائے گا ''۔

راج کماری آکھا

''باندی ! اسے میرے پاس لاؤ ورنہ میں مر جاؤں گی ۔
جو ھونا ہے ھو کر رہے گا ـــ یہ بات اچھی طرح سمجھ لو ۔
میرا کہا مانو اور اسے جلدی لے آؤ ۔
مجھ پر اتنا احسان کرو ، خدا تمھارا بھلا کرے !
مجھے اس سے ایسی محبت ہے

جو چکور کو چاند سے ہوتی ہے''۔
باندی نے آداب بجا لا کر آسمان[1] کی طرف رخ کیا
اور دوارکا کے فانی شہر میں جا اُتری ۔
وہاں اُتر کر اس نے ہر چیز کو دیکھا ؛
اپنی تدبیر کے مطابق اس نے کچھ نہ کھایا
مگر باندی کے بدن پر بھوک اور پیاس کا اثر نہ تھا ۔
یہ غیر ملک ہے ، یہاں میرے دل کی بات کون جان سکتا ہے ۔

مالن باغ میں آئی تو اس نے وہاں ایک پری کو بے چارگی کی حالت میں دیکھا ۔

مالن

''کس ملک سے آئی ہو ؟ مجھے بتاؤ ۔
تمہارا ملک کون سا ہے ؟ تمہارا مقصد کیا ہے ؟
مجھے بتا دو ، میری بات مان لو''۔

باندی چترلیکھا

''بدرام میرا وطن ہے اور بانا سر وہاں کا راجا ہے ،
اس کی بیٹی آکھا بہت ظالم اور تند مزاج ہے ۔
پہلے میری بات سن ،
پھر اس کا جواب دے ۔
میری پیاری (راج کماری) محل میں سو رہی تھی ،
اس نے خواب میں ایک راج کمار دیکھا اور اسے اس سے محبت ہو گئی ۔
میں اسے لینے کے لیے آئی ہوں ، جسے انرودھر[2] کہتے ہیں ۔
مجھے اس کا پتا دے ، تجھے اپنی قسم ہے''۔

مالن

''اس نے بھی خواب میں ایک حسینہ کو دیکھا تھا جو تمہاری راج کماری کی طرح تھی ۔
اس لڑکے کے علاج کے لیے لاکھوں طبیبوں کو بلا چکے ہیں ؛

---

۱ ۔ ہوا میں اڑنے لگی ۔
۲ ۔ کشن کا بیٹا ۔

اس کا بہت علاج ہوا ، اس نے بہت دوائیاں کھائیں
مگر وہ الٹا زیادہ بیمار ہو گیا ہے ، اسے ذرا افاقہ نہیں ہوا ۔
وہ دن رات روتا رہتا ہے ، کچھ کھاتا نہیں ،
اور اس کی ماں کو میں جانتی ہوں ، وہ بھی روتی رہتی ہے''۔
مالن اسے اپنے ساتھ محل میں لے آئی
اور اچھی طرح جان لے کہ مالن نے اسے اس لڑکے سے ملا دیا ۔
وہ اسے دوسروں سے علیحدہ ملی
اور اس نے اسے اس کے دل کی بات بتا دی ،
باندی نے اس سے سب وعدے کیے اور کہا :

باندی چتر لیکھا

''میرے دل کے پیارے ! دیر نہ کرو ، بلکہ ابھی میرے ساتھ چلو''۔
اس نے پانچوں کپڑے پہنے اور اپنے ہتھیار سجائے ۔
رات آدھی جا چکی تھی ، جب لڑکا تیار ہوا ۔
اس نے سمجھ دار راج کمار کو ایک پلنگ پر بٹھا لیا
اور اس محبوب جان کو آڑاتی ہوئی لے گئی ۔
وہ اسے تیسا[۱] محل میں لے آئی ۔
آکھا کے دل میں ایک خیال آیا ،
اس نے اپنی خوب صورت باندیوں کو بلایا اور ایک تدبیر کی ۔

راج کماری آکھا

''محل کو سجا دو اور میری ایک بات کو لاکھ باتوں جیسا سمجھو :
کوئی یہ خبر میرے باپ تک نہ پہنچائے ۔
خالق نے جو تقدیر لکھ دی ہے ، وہ پوری ہو کر رہے گی ۔
محل کے اندر سپاہی پگڑیاں باندھ لیں
اور سب ڈٹ کر مقابلہ کریں ، کوئی پیچھے نہ ہٹے''۔
اس کے پاس اسی ہزار فوج تھی اور اس نے وہ ساری کی ساری فوج بلا لی۔

راج کماری آکھا

''جو ہونا تھا ہو چکا ، اب تم میری مدد کرو :

---

۱ - آکھا کے محل کا نام ۔

سب بہادر میرا ساتھ دیں ،
وہ سب دلیر دوست جو یہاں موجود ہیں ۔
بھائیو! میرا حکم سنو ؛
ہوشیار رہو اور میرے حکم پر چلو"۔
آکھا نے ایک خط لکھا اور باندی کو دے دیا ۔

رانی آکھا

"میری ماں کے پاس جاؤ اور اسے میری طرف سے عاجزی کے ساتھ کہو ؛
میری ماں کو میری ساری کہانی سنا دو"۔

رانی آکھا کی چٹھی

"مجھے ایک لعل ملا ہے ، ایک خوب صورت زیور ؛
ایک حسین صورت لڑکا آیا ہے
اور آکھا کے دل کو بہت غم لگ گیا ہے"۔

باندی حکم سنتے ہی سنت پور گئی
اور آکھا کے لعل کی کہانی سنائی ۔

باندی چتر لیکھا

"تمھاری بیٹی نے بھیجا ہے ، میں تمھارے پاس آئی ہوں ؛
اس نے اس طرح پانی میں آگ لگائی ہے ،
اس نے راج کہار کو زبردستی پھانس لیا ہے ،
اس نے ذرا شرم نہیں کی ، اسے ذرا حیا نہیں"۔
رانی نے راجا سے کہا :

راجا بانا سر کی رانی

"میری بات سنو ،
آکھا کے پاس کوئی دیو ، شیطان یا بد روح ہے ،
جس نے ہماری بیٹی کو پھانس لیا ہے اور اسے ایذا دیتا ہے ۔
اس نے محل کے سارے دروازے بند کر لیے ہیں
اور اس کے سارے اسی ہزار سپاہی گرفتار کر لیے ہیں"۔

راجا نے مجلس منعقد کی اور وہاں ساری بات صحیح صحیح بیان کی :

راجا بانا سر

''کوئی ایسا تنومند سپاهی هے جو اسے پکڑ لائے ؟
کوئی جنگجو نوجوان آگے آئے'۔
دوستو ! اسے اچانک پکڑ لو ؛
میری عزت اور شان خاک میں مل چکی هے ؛
یقیناً آج ایک زهر ناک پودا بو دیا گیا هے''۔
کچھ راج[1] اٹھا اور اس نے بیڑا اٹھا لیا ۔
بتیس هزار فوج جنگ کرنے کے لیے محل کی طرف بڑھی ۔
انھوں نے محل کو سب طرف سے گھیر لیا
اور هر بهادر سپاهی اپنی اپنی جگه پر ڈٹ گیا ۔

راج کہار کچھراج[2]

''محل سے کون جوان میرے مقابلے پر آئے گا ؟
یه رتبه پانے کے لیے دیر نه کرو''۔
یه سن کر کھشتری آنرودھر نے هتهیار باندھ لیے
اور محل کا دروازہ کھول کر باهر آ گیا
اور باهر آ کر یوں کہنے لگا :

راج کہار آنرودھر

''اپنی طاقت مجتمع کر کے سامنے سے وار کرو ۔
جو کھشتری هے وہ میدان جنگ سے منه نہیں موڑے گا ۔
آج اپنی عزت کی حفاظت کے لیے سروں پر جنگی لباس پہن لو''۔
راج کہار کچھراج نے تیر کہان لیا اور تیر چلایا ۔
آنرودھر کے رتھ کا سامنے کا حصه ٹوٹ گیا اور سخت جنگ شروع هو گئی ۔
راج کہار نے بڑا سخت تیر چلایا
اور اس کے دل میں کوئی حسرت باق نه رهی ۔
پیارا آنرودھر بے هوش هو گیا ۔

---

۱ ۔ راجا بانا سر کا بڑا بیٹا ۔
۲ ۔ محل کے پہرے داروں کو مقابلے کی دعوت دیتا هے ۔

تقدیر کا لکھا کون مٹا سکتا ہے ؟

راجا انرودھر

''میری فوج ہر طرف سے چوکس رہے ، مہاراج (کچھراج) ! سنو ؛
میں لڑنے کے لیے محل سے نکل آیا ہوں''۔
اس نے پانچ تیر چلائے اور اپنی تمام فوج ہمراہ لی ؛
ساری زمین کانپنے لگی ۔
اس نے دس دس تیر دشمن فوج میں سے ہر ایک کے بدن میں مارے ۔
وہ بے ہوش ہو کر گر پڑے اور میدان جنگ میں ہر طرف لاشیں ہی
لاشیں تھیں ۔
راج کمار کچھراج نے تلوار نکالی اور اس کے مقابلے کے لیے آگے بڑھا ۔
اس نے تلوار سونتی اور رام (خدا) کا نام لے کر اس پر حملہ کر دیا ۔

راج کمار کچھراج

''میرے خالق ! میری مدد کیجیے !
آؤ میرے بہادر ، مقابلے پر آؤ''۔
اس نے تلوار نکال کر اس کے بدن پر حملہ کیا
مگر راج کمار انرودھر نے وار خالی دیا ۔
پھر اس نے دوسرا سخت وار کیا ۔
اس نے انرودھر کے ساتھیوں کو چاروں طرف کھڑے پایا ۔
بہادروں نے سامنے سے وار کیے ؛
اس عرصے میدان میں طبل جنگ بجتے رہے ۔
راج کمار کچھراج آگے بڑھا اور اس نے اپنے ہتھیاروں سے کام لیا ۔
اس نے پھر اپنا قدم پیچھے نہ ہٹایا ۔
طاقت ور اور جنگ جو انرودھر تیر کمان لیے اٹھ کھڑا ہوا
اور اس راج کمار (کچھراج) سے مقدس جنگ لڑنے لگا ۔
اس نے ایسا تیر مارا کہ ساری فوج کانپنے لگی ۔
سر کٹ کٹ کے گر رہے تھے اور بہادر دھاڑ رہے تھے ۔
کچھراج بے بس تھا یہی خدا کی تقدیر تھی ۔
دشمن طاقت ور ہو گیا اور اس کا بدن غصے سے لرزنے لگا ۔

---

۱ - راج کمار انرودھر سے ۔

تب کچھراج نے ہاتھی پر بیٹھ کر دھاوا بول دیا ۔

راج کہار کچھراج

''آج میں لڑنے کا ارادہ رکھتا ہوں ، سنتے ہو ؟''
راج کہار اس طرح گرجتا ہوا آگے بڑھا ۔

راجا کچھراج

''فوراً حملہ کر دو اور انہیں جانے نہ دو''۔
اس نے اپنی فوج کو یہ حکم دیا ۔
تب راج کہار انرودھر نے ایک تدبیر سوچی ۔
اس نے آگے بڑھ کر کچھراج کو مار ڈالا اور ساری فوج حیران رہ گئی ۔
لڑنے والے سپاھی گھبرا کر بھاگ اٹھے
اور واپس اپنے اپنے گھروں میں پہنچ گئے ۔
شہر میں ایک شور بپا تھا اور رانی رونے لگی ۔
اس نے اپنے موتیوں کی مالا توڑ کے پھینک دی اور کانچ کی مالا پہن لی[1] ۔
پھر قوی انرودھر محل میں گیا ۔
آکھا نے خوشی کے گیت گائے اور بہت کچھ دان دیا ۔
راج کہار انرودھر کی ساری فوج بھی آ گئی ۔
بہادر اور دلیر دوش بدوش کھڑے ہو گئے ۔
وہ دل میں خوش تھے اور خوشی کا اظہار کر رہے تھے ۔
بانا سر نے جو بہت زیادہ دلیر اور طاقت ور تھا ، کہا :

راجا بانا سر

''اے اھل مجلس ! غور سے سنو ، اس نے کچھ باقی نہیں چھوڑا ۔
بھائیو ! اب میری اک بات سنو ۔
خدا کی تقدیر کو موڑا نہیں جا سکتا ۔
یہ کون پہلوان ھے جو ھم پر چڑھ کے آیا ھے ؟
جس نے کچھراج کو مار کر اتنا بلند نام پایا ھے ''۔
یہ سن کر آدیاست[2] اٹھ کھڑا ہوا ۔

---

۱ - سوگ کا نشان ۔
۲ - بانا سر کا دوسرا لڑکا ۔

راج کہار آدیاست

''یہی میرا عہد ہے ؛
میں محل پر حملہ کروں گا اور انرودھر کو ایک ھی وار میں قتل
کر دوں گا''۔

باون ہزار فوج نے آگے بڑھ کر حملہ کر دیا ۔

راج کہار آدیاست[۱]
''اگر زندگی درکار ہے تو سامنے سے وار کرو''۔
فوج نے فوراً میدان میں پیش قدمی کی ۔
وہ قلعہ چھوڑ کر باھر آ گئے ۔
ایک طرف سے آدیاست بڑھا ، دوسری طرف سے راج کہار (انرودھر) آیا ۔
وہ اکیس ہزار فوج لے کر قلعے سے باھر آ گیا ۔
بہادر قلعے سے باھر نکل آیا ۔
وہ ھتھیار باندھے ہوئے کیمپ میں پہنچ گیا ۔
دوستو ! اس نے سب سپاھیوں کو جو میدان میں موجود تھے ،
لڑنے کا حکم دے دیا ۔
دلیر سپاھی فوراً آگے بڑھے ، انھوں نے ذرا دیر نہ کی
اور وہ ایک دوسرے پر سبقت لے کر وار کرنے لگے ۔
ھتھیار ٹکرائے اور بڑا زبردست معرکہ ھوا ۔
دونوں فوجیں ایک ھی وقت میں ھر محاذ پر لڑنے لگیں
اور ھاتھ اور سر کٹ کٹ کر گرنے لگے ۔
کوئی ایک قدم بھی پیچھے نہ ھٹا ، سب آگے ھی بڑھتے گئے ۔
گھمسان کا رن پڑا! اور چھتیس ہزار کھیت رہے ۔
ھر طرف لڑائی کا شور بپا تھا اور زندگی خطرے میں تھی ۔
تب انرودھر نے تیر مارا ۔
اس نے سب کے پرخچے آڑا دیے اور ھر طرف خون بہنے لگا ۔
آدیاست کو مار کر کھشتری نے فتح پائی
اور راجا کی فوج واپس بھاگ گئی ۔
کھشتری نے فتح پائی اور واپس تیسا محل میں پہنچ گیا ۔

---

۱ ۔ آنی ردھ سے کہ رھا ہے ۔

اس وقت راجا بانا[1] بہت غمگین ہوا ۔

راجا بانا سر

''میرے محل سے سو سو میل تک کوئی دشمن نہ تھا ،
میں نے ہر[2] سے یہ تحفہ لیا تھا ،
مگر اب اس نے مجھے سخت غم دیا ہے ، یہ اس نے کیا دے دیا ؟''
وہ اس عجیب و غریب صورت حال سے سخت اداس تھا ۔

راجا بانا سر

''یہ کون دیو یا شیطان ہے جو آج ہمارے شہر میں آ گیا ہے ؟
اس نے مجھ جیسے طاقت ور سے قوت چھین لی ہے ۔
یہ عجیب بات ہوئی ، میری فوج تباہ ہو گئی ہے ؛
اسی ہزار فوج نے کیسے منہ موڑ لیا ،
جیسے راہو نے چاند کو کھا لیا ہو''۔
جنگجو سنگرام جیت[3] اٹھا اور وہ دلیر یوں بولا :

راج کمار سنگرام جیت

''جب میدان میں دشمن کا سامنا ہوتا ہے ، اس وقت کوئی خاص شخص
ہی اپنا حوصلہ قائم رکھ سکتا ہے''۔
اس نے سب بہادروں کو فتح کر لیا ،
اس نے سب پر ایک ہی وقت میں قابو پا لیا ۔

راج کمار سنگرام جیت

''آج بدرام دیس کہاں ہے ؟''
اس نے کہا :

راج کمار سنگرام جیت

''اب یہ بات دنیا میں مشہور ہو جائے گی''۔
جنگجو سنگرام-جیت آگے بڑھا ۔

---

۱ ۔ بانا سر ۔
۲ ۔ 'ہر' وشنو ہے ، اصل میں اسے یہ تحفہ شو سے ملا تھا جو وشنو کا حریف ہے ۔ مرتب
۳ ۔ راجا بانا سر کا تیسرا بیٹا ۔ مرتب

راج کہار سنگرام جیت

"جیسے سورج کی روشنی
تاریکی کو دور کر دیتی ہے ، اسی طرح میں بھی ان سب کو ایک لمحے میں مار ڈالوں گا"۔
اس نے اپنے سب سپاہی ساتھ لیے ،
باون ہزار فوج نعرے لگاتی آگے بڑھی ؛
وہ طاقت ور راجا فوراً محل کی طرف بڑھا
اور اس نے وہاں چمک دار سورج (انرودھر) کو اپنے سامنے کھڑا پایا ۔
اس نے پانچوں کپڑے پہنے اور ہتھیار سجائے ؛
پھر اپنا رتھ تیار کر کے محل سے باہر آ گیا ۔
محل کے دروازے سے باہر اس کی فوج تیار کھڑی تھی ۔
سپاہیوں کی قطاریں میدان میں آمنے سامنے کھڑی ہو گئیں اور طبل بجنے لگے ؛
تیروں سے ایسے آواز نکلتی جیسے جنگل میں آگ لگی ہو ؛
بہادر ہتھیار سجائے میدان میں کھڑے تھے ۔
اس نے ایک ہی بار لڑائی کا حکم دیا
اور سب بہادروں نے آگے بڑھ کر سرخروئی حاصل کی ۔
اس نے دس تیر چلائے ؛
دشمن کے سارے سپاہی نیچے گر گئے اور میدان میں جنگ کے شعلے بھڑکنے لگے ۔
جوان کٹے ہوئے بازوؤں کے ساتھ نیچے گر رہے تھے ؛
وہاں بتیس ہزار فوج ماری گئی ۔
سنگرام جیت آگے بڑھا ، لڑائی کا میدان گونجنے لگا ،
غبار اس قدر تھا کہ اس میں سورج چھپ گیا ،
ان گنت فوج آگے بڑھی
اور جلدی سے قلعے تک پہنچ گئی ۔
بندوقیں اور توپیں چلنے لگیں ،
بڑے بڑے دلیر سپاہی میدان میں کھڑے کانپ رہے تھے ۔
انرودھر اسی ہزار فوج کے ساتھ آگے بڑھا ،

جیسے ایک ھی بار موسلا دھار بارش برسنے لگے ۔
سب سپاھی ایک ھی بار آگے بڑھے
اور سر اور بازو کاٹ کاٹ کر زمین پر پھینکنے لگے ؛
وہ ھٹ ھٹ کر سامنے آتے اور آگے بڑھتے ۔
ان میں سے ھر ایک دس دس بیس بیس کو مارتا ھوا آگے بڑھا ، وہ کسی کو بھاگنے نہ دیتے ۔
تب سنگرام جیت نے منہ سے یوں کہا
اور اس نے اپنے تمام راز فوج کے سامنے رکھ دیے :

راجا سنگرام جیت

''تو کس کا بیٹا ھے ؟ تیرا باپ کون ھے ؟
تجھے کون سا مقصد یہاں لایا ھے ؟ تو نے کیوں یہ کام کیا ھے ؟
تیرا وطن کون سا ھے؟ اپنا سب احوال کہ ۔
پیارے ! تیرے ماں باپ کون ھیں ؟''

راجا انرودھر

''دوارکا ھمارا قلعہ ھے ، بھگوان[1] میرا باپ ھے ؛
میرا بابا سری انند ھے ، میں پانڈوؤں[2] میں سے ھوں ۔
وہ سخت تیر باز اور جنگجو بہادر ھیں ،
وہ ھاتھی ، گھوڑے اور باز ھر چیز کو تباہ کر دیتے ھیں ۔
میرے اپنے قریبی رشتہ دار چھپن کروڑ ھیں ؛
جوں ھی انھیں میرا حال معلوم ھوا وہ ایک دم چڑھ دوڑیں گے''۔
سنگرام جیت نے لڑنے کے لیے ھاتھ میں لاٹھی لی ۔

راجا سنگرام جیت

''میں تجھے اپنے سامنے سے ادھر آدھر نہیں جانے دوں گا ، آٹھوں پہر تجھ سے لڑوں گا ۔
اگر کمزور ھے تو ابھی (وقت ھے) واپس چلا جا ،
اگر طاقت ور ھے تو سامنے آ کر مقابلہ کر ۔

---

۱ - کرشن ۔

۲ - یہ درست نہیں ، وہ صرف پانڈوؤں کا رشتہ دار تھا ۔

میں آج ایک بار تیری طاقت آزمانا چاهتا هوں ؛
آج مجھے لڑائی لڑنا اور تجھے کیفر کردار تک پہنچانا ہے"۔
تب طاقت ور انرودھر نے ایک آتشیں تیر چھوڑا ۔
سنگرام جیت بے ہوش ہو کر کئی میل اُدھر جا گرا ۔
وہ اپنی ساری روایات اور طور طریقے بھول گیا ۔
اس نے دوبارہ لڑنے کی تیاری کی ۔
وہ تلوار کھینچ کر چھتری (انرودھر) پر حملہ آور ہوا
مگر انرودھر نے اس کی چھاتی میں تیر مارا ۔
بہادر سنگرام جیت گر پڑا اور میدان میں کہرام مچ گیا ۔
انرودھر نے اسے ایسے اٹھا پھینکا جیسے ھاتھی اپنے گلے سے ھار اتار پھینکے ۔
سورما مارا گیا اور اس کی فوج بھاگ نکلی ،
ھاتھی اور گھوڑے رتھ چھوڑ کر بھاگ گئے ،
رانیاں محلوں میں رونے لگیں ۔
راج کمار انرودھر نے زھر کا تلخ بیج بویا ۔
بانا سر کا بدن مارے خوف کے کانپنے لگا ۔
یہ سن کر چندر بھان[1] نے کمر همت باندھی اور اٹھ کھڑا ھوا ۔
دونوں باپ بیٹا فوج لے کر آگے بڑھے ۔
راجا نے اپنی ساری فوج همراہ لی ،
وہ جلدی سے تیسا محل کی جانب بڑھے ۔
وہ چاروں طرف (لاشیں) دیکھ کر سخت حیران ہوئے ۔
تب راج کمار انرودھر نے اکیس ھزار فوج اپنے ساتھ لی ؛
وہ فوراً محل سے نیچے اترا اور اس نے سب ھتھیار جمع کیے ؛
اس نے کمان سنبھالی اور اپنے ھاتھ سے ایک تیر چلایا ۔
وہ سامنے سے وار کرتا میدان میں آگے بڑھتا گیا ۔
بہادر میدان میں بجلی کی طرح کوندنے اور بادل کی طرح آگے بڑھنے لگا ۔
تلواریں ٹکرانے لگیں اور بہادروں نے ھنس ھنس کر چہروں پر زخم کھائے ۔

---

۱ ۔ راجا بانا سر کا چوتھا بیٹا ۔

چندر بھان تقدیر کا تیر ھاتھ میں لیے آگے بڑھا ،
وہ شجیع آگے بڑھا اور اس کے ساتھ دوشیزائیں[1] آئیں ،
اور سب سپاھی لڑ لڑ کر تھک گئے ۔
پھر اس نے کہان اٹھائی اور اپنے ھاتھ سے ایک تیر چلایا
اور سب سپاھی مغلوب ھو کر مارے گئے ۔
پھر چھتری (انرودھر) نے چندر بھان کی طرف ایک سخت تیر پھینکا ؛
اس نے تڑاخ سے ایک تیر مارا
اور راج کہار چندر بھان گہن کھائے چاند کی طرح ھو گیا ۔
اس کی کہان اور تیر اس کے ھاتھوں سے گر گئے
اور اس کی ساری رعیت نے ، جو چاروں طرف کھڑی تھی ، اپنی آنکھوں سے اس کی یہ حالت دیکھی ۔
میدان جنگ سے چیخ پکار کی آوازیں ایسے اٹھ رھی تھیں جیسے بادل برس رھا ھو ۔
راجا (بانا سر) نے کہال ھوشیاری سے ایک ناگ[2] تیر اٹھایا ۔
اس نے اسے فوراً سامنے پھینکا اور وہ (انرودھر کے) رتھ پر جا کر گرا ۔
تیر لگتے دیکھ کر چھتری (انرودھر) کانپنے لگا ۔
اس کے ھاتھوں سے ھتھیار گر پڑے ، اب کون اس کی ھمت بندھائے ؟
اس طرح دانا راجا (انرودھر) دھرم کے جال میں پھنس گیا ۔
جب اس پر ناگ تیر پھینکا گیا تو اس کا بدن کانپا ۔
راجا کے آدمیوں نے راج کہار (انرودھر) کو باندھ لیا ۔
راجا کی ساری فوج شہر میں واپس آ گئی ۔
حسین دوشیزائیں محلوں پر کھڑی دیکھ رھی تھیں ۔
پیاری آکھا نے چاند صورت جوان منتخب کیا
اور سارے شہر نے خوشی منائی ۔

---

۱ ۔ اس نے آسانی دوشیزاؤں کو دشمن کی فوج میں بھیجا تا کہ ان کی پاک بازی قائم نہ رہ سکے ۔
۲ ۔ چونکہ چھتری (کھشتری) سانپ کو دیوتا سمجھتے ھیں ، اس لیے وہ اس سے نہیں لڑ سکتے ۔ آگے جو کچھ پیش آیا یہی اس کا سبب تھا ۔

گھر گھر میں حسین دوشیزائیں کھڑی تھیں ۔
کشن لال[1] کہتا ہے : ناگ تیر (فتح کا) تحفہ لایا اور گھر گھر جشن ہوا ۔
شب کنور[2] بھی یہی کہتی ہے : راجا نے جنگ جیت لی
اور شری کرشن مہاراج نے نارد[3] کو بلا بھیجا ۔

شری کشن

''میرا بیٹا کہیں چلا گیا ہے ، تم ہی اسے تلاش کرنے کا کام سر انجام دے سکتے ہو ۔
اے دوست ! تم اس کام کو اپنے ذمے لو ،
یہ وقت سخت مشکل کا ہے ۔
کوئی بھوت ، دیو یا بد روح آئی ہے
اور اسے سوتے میں اٹھا لے گئی ہے کیوں کہ وہ پھر نظر نہیں آیا ''۔

نارد برھمن

''اے قوی بہادر ! میں ابھی شمال کی جانب جاتا ہوں
اور فوراً اس کی خبر لاتا ہوں ، تم ذرا حوصلہ رکھو''۔
وہ دوارکا سے آسمان کی طرف اڑا
اور جلدی ہی نظروں سے اوجھل ہو گیا ۔
وہ حیرت انگیز کام سر انجام دینے والا سنت پور پہنچا
اور ویدوں کے اس عالم نے لڑکے کو گھر گھر تلاش کیا ۔

دیو[4]

''تم یہاں کیسے آئے ہو ؟ مجھے اپنا مقصد بتاؤ ۔
اگر دولت چاہتے ہو تو مجھ سے جتنا مال چاہو لے لو ؛
میرے پاس بے شمار ہیرے ، لعل اور جواہرات ہیں ۔

---

۱ ۔ گیت کا مصنف بھاٹ ۔
۲ ۔ بھاٹ کی بیوی ۔
۳ ۔ یہاں نارد کو برھمن بتایا گیا ہے ۔
۴ ۔ اس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ بانا سر کے ملک میں دیو بستے تھے ۔

مجھ سے یہ سب کچھ لے لو اور مجھے دعا دو ۔
مہاراج ! مجھے اپنے دل کی بات بتاؤ ۔
اس میں اگر کوئی ایسی بات ہو ، جو آپ نہ بتانا چاہیں تو بے شک
نہ بتائیں''۔

نارد برھمن

''میں کرشن کے بیٹے کے لیے آیا ہوں ، میں سارا ملک چھان
چکا ہوں ۔
میں نے کبھی ایسے پہاڑ نہیں دیکھے تھے مگر میری ساری کوشش
بے سود ثابت ہوئی ہے ۔
میری ساری کوشش رائگاں گئی ہے ، سنو ، اے دوست !
اور راجا (کشن) کے دل میں اس کے سوا اور کوئی خواہش باقی نہیں
رہی ۔
وہ دن رات روتا ہے اور اس کے ساتھ راج کہار کی ماں بھی ۔
یہ عجیب بات ہے کہ میں لڑکے کو نہیں پا سکا''۔

دیو

وہ لڑکا دن رات تیسا محل میں رہتا تھا ۔
راجا بانا نے اسے گرفتار کر لیا ہے اور وہ (لڑکا) سخت بے چین ہے ۔
لڑکا اس کے خلاف لڑا تھا اور اس نے خوب نام پایا
اور وہ تمام قلعوں[1] اور خندقوں کو پھاند گیا تھا ۔
اس نے راجا پر چار حملے کیے
مگر راجا نے اس کا غرور توڑ دیا اور اس کے جوانوں کو مار ڈالا''۔
یہ سنتے ہی نارد راجا کی مجلس میں پہنچا ۔
اس نے وہاں مفصل بات کی اور انہیں سب کچھ سمجھا دیا ۔

نارد برھمن

''راجا ! شہر میں یہ کیسا شور مچ رہا ہے ؟
مجھے جلدی بتاؤ یہاں کیا واقعہ ہوا ؟
اے راجا ! مجھے وہ راج کہار دکھاؤ

---

۱ - جن کے اندر راج کہاری اُکھا مقید تھی ۔

اور میری بات کو جلدی سے سنو''۔
راجا نے حکم دیا اور لڑکے کو بلا لیا گیا ۔
لڑکے کو راجا کی مجلس کے سامنے لایا گیا ۔
راجا نے لڑکا دکھا دیا ، پھر بڑی منت سے کہا :

راجا بانا سر

''مہاراج لے جائیے ، میں اسے آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں ۔
اگر کوئی اور خواهش ہو تو وہ بھی کہہ دیجیے ۔
اب میری بات مان لیجیے اور تخت پر بیٹھ جائیے''۔

برہمن خوش ہو گیا اور اس نے انرودھر کو چھاتی سے لگا لیا
اور اسے وہ سب کچھ بتایا جو اس کے باپ نے کہا تھا ،
اور اس کے سامنے اس کی ماں کا سارا دکھ بھی بیان کیا ۔

نارد برہمن

''تم یہاں کیسے آ گئے ؟ تم نے کہاں عقل گنوا دی ؟
اب ہوشیار ہو جاؤ کیوں کہ میں واپس جا رہا ہوں ۔
میں کیوں نہاؤں ؟ مجھے کھانا نہیں کھانا ہے[1] ''۔

راجا بانا سر

''نارد منی مہاراج ! میری بات سنیے ۔
میں نے اس لڑکے کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی
بلکہ میں نے اس کی بہت خاطر مدارات کی ہے ۔
الٹا اس نے مجھ سے بہت زیادتی کی ہے کہ میری فوج کو مار ڈالا ہے ۔
مہاراج ! بیٹھیے ، ابھی نہ جائیے ۔
لڑکے کو یہاں جیسے وہ چاہے ، کھانے پینے دیجیے''۔
نارد نے اجازت لی اور لڑکے کو سب کچھ سمجھا دیا
اور وہ آسمان میں اس طرح اڑا جیسے کوئی توپ کا گولا ہو ۔
وہ جلدی سے اڑ کر دوارکا پہنچا
اور وہاں جا کر کہنے لگا :

---

۱ ۔ جلدی واپس جانا چاہتا ہے ۔

نارد برھمن

''میں نے جگہ معلوم کر لی ھے''۔
اس نے انرودھر کی ماں کو لڑکے کی سب باتیں بتائیں
اور اپنے دل کے سارے راز بیان کر دیے ۔
انرودھر کی خبر سن کر سارا گھر خوش ھوا ؛
چھتیس قسم کے باجے بجائے گئے اور خیرات تقسیم کی گئی ؛
خیرات دی گئی اور خوشی کے گیت گائے گئے ۔
انرودھر کی خبر سن کر اس کے خاندان کے لوگ وھاں اس کے پاس پہنچے ۔
ھاتھی ، باز اور دولت لٹائی گئی ۔
اس کی ماں اپنے دل میں بہت خوش ھوئی ۔
ساری فوج گرڑ[1] پر سوار ھو کر نکلی اور کئی میلوں میں پھیل گئی ۔
کرشن کے دمامے بجنے لگے ، فوج نے ذرا دیر نہ کی ؛
کسی تاخیر کے بغیر وہ روانہ ھو گئے ۔
سب جوان آگے بڑھے ،
سارے بہادر بدرام پر چڑھ آئے
اور انھوں نے الگ الگ مقام سنبھال لیے ۔
پہاڑوں پر نوبتیں بجنے لگیں ؛
ان کی آواز سن کر راجا (بانا سر) نے کہا :

راجا بانا سر[2]

''یہ کون تاجر ھیں جو یہاں اتنا مال لائے ھیں ؟
میں ان کا مقصد نہیں سمجھ سکا ۔
جاؤ اور مجھے ان کے متعلق پوری خبر لا کر دو ؛
ان کی بات سن کر پھر مجھے اطلاغ دو''۔
ایلچی آداب بجا لایا اور جلدی سے روانہ ھو گیا ۔
وھاں اس نے ان گنت فوج دیکھی ۔

---

۱ - کرشن کی سواری ۔
۲ - اپنے سرکاری ایلچی سے ۔

ایلچی

''راجا ! ہر جانب فوجیں پڑی ہیں ،
بندوقیں اور توپیں گرج رہی ہیں ؛
دوکانوں ، بازاروں اور مکانوں میں ،
نیز تیرتھوں اور ٹھاکر دواروں میں ہر جگہ فوجی ہی فوجی نظر آتے ہیں''۔

صبح سے شام اور شام سے رات تک وہ انھیں گنتا رہا ۔
وہ جگہ جگہ پھرا مگر فوجوں کے کنارے تک نہ پہنچ سکا ۔
وہ فوجوں کے کنارے تک نہ پہنچ سکا اور اس کا دل ڈر گیا ۔
اس نے خیال کیا : ''اب راجا کا آخری وقت آ پہنچا ہے''۔
وہ اپنے دل میں بہت فکر مند اور حیران ہوا ۔
یہ سب کچھ دیکھ کر وہ راجا کے پاس واپس آیا ۔

ایلچی

''وہ تاجر تو نہیں ، میں نے وہاں ایک عجیب چیز دیکھی ہے ؛
وہاں تو بہادر جنگجو گرج رہے ہیں ، ایک زبردست فوج پہنچ چکی ہے ؛
باہر تو زبردست فوج آئی کھڑی ہے''۔
پھر اس نے کہا :

ایلچی

''میرے عقل مند راجا ! سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا ۔
راجا ! میں نے تو اس فوج کا دوسرا کنارا نہیں پایا ۔
خدا جانے یہ کس راجا نے چڑھائی کر دی ہے''۔
راجا نے اپنے دل میں بہت غور کیا ۔

راجا بانا سر[1]

''تو نے جو اس راج کمار کو قید کر لیا ہے ، یہ اسی کا خاندان آ پہنچا ہے ۔
اس کے چھپن کروڑ سپاہی آ چکے ہیں ۔

---

۱ - اپنے آپ سے ۔

انھوں نے پانی میں آگ لگا دی ھے[1] ۔
اب تیر چلیں گے اور سخت جنگ ھوگی''۔
راجا ، شنکر[2] کے پاس پہنچا ۔
دن ختم ھوا ، رات آئی اور آدھی رات ھوئی ۔

مہا دیو

''کیا دشمن کی فوج چڑھ آئی ھے ؟ تیرا سارا بدن کانپ رھا ھے ۔
تیرا بدن کانپ رھا ھے ، تیرا سارا جسم لرز رھا ھے ۔
تجھ پر کس دشمن نے حملہ کر دیا ؟
مجھے ساری بات کھول کر بتا ؛
مجھے چھوڑ کر تیرا کیا حال ھوا ؟''

راجا بانا سر

''محل میں قربانی کی رسم ادا کرنے کی تیاریاں ھیں ، دشمن چڑھ آیا ھے ۔
اے اپنے خادموں پر رحم کرنے والے ! اب میری عزت رکھنا ؛
اے رحم کرنے والے ! مجھ پر رحم کیجیے ؛
اب دیر نہ کرنا ، میری عزت آپ کے ھاتھ میں ھے ۔
یہ ساری حکومت ، سلطنت اور دولت آپ کی دی ھوئی ھے ۔
اپنی چیز سنبھالیے ، میں آپ کی خدمت میں حاضر ھو گیا ھوں''۔
اس کی بات سن کر شنکر کو رحم آ گیا ،
وہ خود اٹھا اور اپنے بیل نادیا پر سوار ھو گیا ؛
وہ نادیا پر سوار ھو کر قلعے کے اندر داخل ھوا
اور اس نے ایک عجیب کام سر انجام دیا ۔

مہا دیو

''کل ارجن کے ساتھ جنگ کرنا
اور اپنے دشمن کو مار دینا ، وہ بھاگنے نہ پائے''۔
صبح سویرے راجا اٹھا اور لڑائی کی نوبتیں بجنے لگیں ۔
راجا کے ساتھ سوا لاکھ فوج آگے بڑھی ؛

---

۱ ۔ ناممکن کام کر دیا ۔
۲ ۔ شو کا ایک نام ۔

فوج آہستہ آہستہ میدان میں پہنچ گئی ،
بہادر پہلوان گرجنے لگے :
''جو میدان سے بھاگے اسے پھانسی پر لٹکا دو ،
کیوں کہ ایسا نازک وقت پھر کبھی نہیں آئے گا ''۔
بانا سر نے میدان جنگ میں ایک زبردست تیر چلا کر جنگ کا آغاز کر دیا ۔

راجا بانا سر[1]

''مہربان رہنا اور میرا حوصلہ قائم رکھنا ؛
آگے جو آپ کی خوشی ۔
جسے بھگوان فتح دے ، اسی کو فتح ہوگی ؛
ہتھیار باندھ لو اور سامنے سے حملہ کرو ،
چوکس رہنا اور میدان میں پیٹھ نہ دکھانا[2]''۔
ارجن اپنے رتھ پر سوار تھا اور اس کے ہاتھ میں زبردست تیر تھا ۔
وہ خون کا پیاسا ہو کر میدان کے چکر کاٹ رہا تھا ۔
یوں معلوم ہوتا تھا جیسے بادل گرج رہا ہو ۔
اس نے تیر مارا اور راجا بانا سر کانپنے لگا ۔
دس بیس بازو کٹ گئے اور بہت سی فوج ماری گئی ؛
ایک ہی بار ایک لاکھ سپاہی موت کی نیند سلا دیے گئے ۔
سر اور بازو کٹ کٹ کے گرنے لگے ،
وہ سب کچھ بھول گئے اور بھاگ بھی نہ سکے ۔
پھر اس زبردست بہادر نے دوسرا تیر چلایا ،
کئی لاکھ بہادروں کے سروں پر عورتیں نظر آنے لگیں ۔
وہ ناچ رہی تھیں ، انھوں نے ان کی گردنوں میں اپنی باہیں ڈال دیں اور ان سے محبت بھری باتیں کرنے لگیں ؛
وہ ان پر نظروں کے تیر چلاتیں اور ان کی قوت آزماتیں ۔
راجا (بانا سر) نے آتشیں تیر چلایا اور وہ سب ایسے کانپنے لگے جیسے بخار میں ہوں ،

---

۱ ۔ شو سے دعا ۔
۲ ۔ یہ تین سطریں فوج سے مخاطب ہو کر کہی گئی ہیں ۔

اور وہ سب باپ بیٹے زمین پر لوٹنے لگے ۔
ارجن کا سارا غرور خاک میں مل گیا ،
وہ اپنا گھر بھول گیا ، اس کے ہوش و حواس گم ہو گئے ۔
اچانک گھمسان کا رن پڑا ؛
پھر ارجن نے ایک یخ بستہ تیر چلایا اور سب کانپنے لگے ۔
سورج کی شعاعیں ماند پڑ گئیں اور دن رات میں تبدیل ہوا ،
دھند اور سردی آگ سے لڑنے لگیں ،
یہ دیکھ کر سب لوگ بھاگ گئے ۔
اب ارجن نے بانا سر کے بدن میں تیسرا تیر مارا
اور بانا سر میدان میں گر پڑا ؛
پھر شنکر ارجن پر مہربان ہو کر اس کے پاس آ گیا ۔

مہا دیو

''اپنا حوصلہ قائم رکھو ، تمھاری تمنا بن آئی ہے''۔
بھولا نے ارجن کو اپنے بازوؤں میں لے لیا
اور امرت کا پیالہ اس کے ہونٹوں سے لگایا ، جس سے وہ باتیں کرنے لگا :

ارجن

''بہادر بانا سر ! اٹھو ، میری بات مانو ۔
اپنے دل سے برائی نکال دو اور میری بات سمجھو''۔
بانا سر کا غرور ایک لمحے میں دور ہو گیا
اور وہ عاجزی سے منت کرنے لگا :

راجا بانا سر

''آؤ ، میرے آقا !''
ارجن (بانا سر کے) مکان میں داخل ہوا اور اس کا بہت احترام کیا گیا ۔
اس کے بدن پر صندل کا ابٹنا ملا گیا ، جس سے اسے فرحت ہوئی ۔
راجا (بانا سر) نے راج کمار انرودھ کو واپس کر دیا ۔
اس نے لحاظ کیا اور ان کی بات مان لی ۔

راجا بانا سر کی رانی

''میرے خاوند آسے آکھا دے دو اور جو دستور ہے وہ پورا کر دو''۔

ھیرے اور موتی خیرات کرو اور انھیں رخصت کر دو"۔

آکھا کو بلایا گیا اور رانی نے اس سے بات کی ۔
رانی اپنی بیٹی کو دیکھ کر خوش ہوئی اور اسے سینے سے لگا لیا ۔
اس نے انرودھر کے گلے میں پھولوں کا ھار ڈال دیا
اور دوشیزائیں محل میں خوشی کے گیت گانے لگیں ۔

آکھا بیاہ دی گئی اور اسے جڑاؤ ڈولی میں بٹھایا گیا ۔
انھوں نے غلام اور باندیاں ساتھ دیں ، ان کی خوشی بے اندازہ تھی ۔
انھوں نے اپنی ساری فوج ہر طرف کر دی ۔ (انرودھر) ایسا بیٹا تھا
جیسے تاروں میں چاند ھو ۔
(بانا سر) نے اسے جواھرات ، قیمتی لباس اور سونا دیا ۔
(انرودھر) اس کے پاؤں میں گر پڑا اور آداب بجا لایا ۔
تب انرودھر نے اجازت لی اور سب نے خوشی خوشی اسے وداع کیا ۔

جادو خاندان کے چھپن کروڑ لوگ اس کے ساتھ ھی چلے گئے ۔
وہ سب گرڑوں پر سوار ھو گئے ،
وہ شاندار سپاھی ھوا میں اڑنے لگے ،
وہ سب ایمان دار اور مخیر لوگ تھے ۔
پھر وہ دوارکا شہر میں آ اترے ۔
کشن لال اور شب کنور نے یہ طویل نظم لکھی ہے ۔
ھر گھر میں مبارک باد گونجے اور سب خوشی کے گیت گائیں !

حکایت ۵۹

ملتان کی ابتدا

جسے لانگ ورتھ ڈیمز نے ایک فارسی مسودے سے لیا

ملتان کی ابتدائی تاریخ اور آغاز کا یہ مختصر بیان شور کوٹ ضلع جھنگ کے ایک قانون گو خاندان کی بیاض سے لیا گیا ہے ۔ اس خاندان کے لوگ ابھی تک (۱۹۰۰ء) قانون گوؤں کے عہدوں پر فائز ہیں ۔ یہ لوگ پہلے ہندو تھے ، پھر انھوں نے شہنشاہ اورنگ زیب (۱۶۵۸ء تا ۱۷۰۲ء) کے عہد میں اسلام قبول کر لیا ۔ جس مسودے سے یہ کہانی لی گئی ہے ، سابقہ صدی میں لکھا گیا تھا ۔

اگرچہ یہ بیان بطور تاریخ بالکل بے سود ہے مگر اس سے دو باتیں بدرجۂ اتم ظاہر ہوتی ہیں ۔ ایک یہ کہ ''پڑھے لکھے'' لوگوں کا ایسے موضوعوں کے بارے میں کیا طریق فکر ہے اور دوسرے ان موضوعوں کے سلسلے میں ہندو مسلم روایات کو کس طرح خلط ملط کر دیا گیا ہے ۔ ان ہی وجوہ کی بنا پر اسے یہاں جگہ دی گئی ہے ۔

یہ امر قابل غور ہے کہ مصنف کے ذہن میں ملتان کے ان پرانے روایتی ناموں کا کچھ تصور موجود ہے ، جنھیں البیرونی نے بہت عرصہ پیشتر محفوظ کر دیا تھا ۔

زمین و آسمان کی تخلیق کا بیان

اللہ نے پہلے مارج دیو کو آگ سے پیدا کیا ، جیسا کہ قرآن مجید

اور فرقان حمید میں لکھا گیا ہے : و خلق الجآن من مارج من نار ۔ (ترجمہ : اور اس (اللہ) نے جنوں کو آگ کے ایسے شعلے سے پیدا کیا جو دھوئیں کے بغیر تھا[1]) ۔ پھر خدا تعالیٰ نے مارج کے پہلو سے مارجہ کو پیدا کیا ۔ انھوں نے آپس میں اختلاط کیا تو ان کے ہاں دو بیٹے پیدا ہوئے ، جن میں سے ایک کا نام جن رکھا گیا ۔ پھر جن کے پہلو سے جنی پیدا ہوئی ، انھوں نے آپس میں اختلاط کیا تو ان کے ہاں بھی دو بیٹے پیدا ہوئے ۔ ایک کا نام انھوں نے عزرائیل[2] رکھا اور دوسرے کا مہادیو ؛ پھر مہادیو کے پہلو سے کورچ باری پیدا ہوئی ۔

---

۱ ۔ مرتب نے جو اس کے متعلق لکھا ہے کہ یہ قرآن پاک کی آیت نہیں بلکہ حدیث ہے ، اور اس کے ثبوت میں وہ ''لین'' کی الف لیلہ کا حوالہ دیتا ہے ، غلطی پر ہے ۔ یہ جملہ سورۂ الرحمٰن کی آیت کا ٹکڑا ہے ۔ مرتب کا باقی فٹ نوٹ درج ذیل ہے :

مسلمانوں کی روایت کے مطابق جنوں کی پانچ مختلف قسمیں ہیں : (۱) جان، (۲) جن، (۳) شیطان، (۴) عفریت، (۵) مارد ۔ مصنف نے سارے موضوع ہی کو خلط ملط کر دیا ہے ۔ اس نے اس سے یہ سمجھا ہے کہ جن مارج (مارد ہونا چاہیے) آگ سے پیدا کیا گیا ۔ خود قران میں کئی جگہ بتایا گیا ہے کہ یہ مافوق الفطرت ہستیاں آگ سے پیدا کی گئیں ، بالخصوص سورۂ بقر اور سورۂ ص میں یہ مذکور واضح طور سے موجود ہے ۔ سورۂ جن میں بھی بالواسطہ اس بات کا ذکر آتا ہے ۔ مصنف نے اپنے اندرونی شعور کی مدد سے مارج سے مارجہ اور جن سے جنی جو مؤنث بنائے ہیں ، یہ تخیل عجیب بھی ہے اور غلط بھی ۔

۲ ۔ عزرائیل یا ملک الموت مسلمانوں کی روایات میں چوتھا بڑا فرشتہ ہے ۔ ملک الموت کا بگڑا ہوا تصور اب ہندوستانی عقیدے میں بھی داخل ہو چکا ہے ۔ قران پاک کی سورۂ السجدہ میں بھی اس کا بیان موجود ہے ۔ مہادیو سے ہندوؤں کا مہادیو یا شو مراد ہے ۔ میں کورچ بری کے متعلق صرف اتنا کہ سکتا ہوں کہ یہ فارسی الفاظ گور گبر یا گورجبر کا مترادف ہے ۔ ان الفاظ سے بالعموم پرانے آتش پرست یا کافر مراد لیے جاتے ہیں ۔ مرتب

اس وقت تک زمین و آسمان کی مدت ٦,٢٨٥,٠٠٠ برس تھی - اس وقت سے ملتان آباد ہے اور چاروں دوروں سے گزر چکا ہے - پہلے دور میں اس کا نام راھنس پور[1] تھا - اس دور میں ملتان ٩٢,٣١٨,٠٠٠ برس تک آباد رہا -

ایسر مہادیو کے بارہ بیٹے تھے[2] ، جن کے نام یہ ھیں : کوئین ، نرائن ، وشن ، کشن ، براھمن ، پرمیسر، وان تنگ ، نارسنگ ، بھگوان، لات ، عزیٰ ، ایسر جگن ناتھ - علاوہ ازیں ایسر مہادیو کی بارہ بیٹیاں تھیں ، ان کے نام یہ ھیں : ماہ مائی ، دیوی ، میسری ، پرمیسری ، دیونی ، بھگوانی ، لنکا ، متھرا ، جمنا ، توتلا ، غرض - لنکا[2] -

---

۱ - یقیناً اس سے ھنسا پور مراد ہے ، جس کے متعلق کننگھم کہتا ہے کہ اسے البیرونی نے ملتان کا قدیم نام لکھا ہے - ممکن ہے فارسی مسودے میں بھی پہلے یہ عبارت اس طرح ھو : ''ملتان را ھنس پور می گفتند'' - پھر را کو ھنس سے ملا دیا گیا ھو -

۲ - ایسر مہادیو اصل میں ایشور مہادیو ہے - اس کے تقریباً سارے بیٹوں اور بیٹیوں کو پہچانا جا سکتا ہے - اس کا دوسرا بیٹا نارائن تیسرا وشنو ، چوتھا کرشن ، پانچواں برھما ، چھٹا پرمیشور ، آٹھواں نریسینا ، نواں بھگوان اور بارھواں ایشور جگن ناتھ - لات اور عزیٰ عرب کے زمانۂ جاھلیت کے مشہور بت ھیں اور دونوں مؤنث ھیں - پہلا بیٹا کوین غالباً کوی ہے جسے ھندو دیو مالا میں گورو کا درجہ حاصل ہے - اب یہ نام یا لقب کئی دیوتاؤں کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے - جہاں تک لڑکیوں کا تعلق ہے ، پہلی لڑکی درگا ہے ، دوسری دیوی ، آٹھویں متھرا اور سات تا بارہ ان ناموں کے مقامات کی مؤنث شخصیتیں بنا لی گئی ھیں - اسی طرح نویں اس دریا کی مؤنث شخصیت ہے ، جسے سنسکرت میں یمنا کہا گیا ہے - چوتھی پرمیشر کی مؤنث ہے ، تیسری محض چوتھی سے ہم قافیہ ہے - ایشائی تحریروں میں یہ رواج عام ہے - پرمیشر دو الفاظ پرم اور ایشور سے مرکب ہے ، ''پر'' اور ''میسور'' سے

باقی صفحہ ٣٦٣ پر :

جب اتنی مدت گزر گئی تو ملتان کو ماک پور کہنے لگے - ان دنوں یہاں ۱,۸۲۰,۰۰۵ برس تک فرشتے بستے رہے - باکپور (ساکپور؟) کے دور میں یہاں چالیس (بعض کے نزدیک اسّی) آدمی رہتے تھے مگر ان کے ہاں اولاد پیدا نہیں ہوتی تھی - چوتھے دور میں اس شہر کو ملتان کہنے لگے ، ان دنوں یہاں گھوڑے رہتے تھے ، ان کی تعداد ۸۰۷,۰۰۰ تھی- اس کے ۸۱۷,۰۰۰ برس بعد یہاں مہتر آدم[۱۴] پیدا کیے گئے- حضرت آدم[۴] کے زمانے سے اب تک ٦٠,۹۴۵ برس ہوئے ہیں - (یہی نقل بیان کی جاتی ہے) -

[۲]خواجہ حمید الدین ناگوری[۳] (قدس اللہ سرہ العزیز) نے بیان کیا ہے کہ جب حق تعالیٰ نے آدم[۴] کو پیدا کیا تو اس مٹی سے جو باقی بچی ، چار چیزیں پیدا کیں - اول خرما ، دوم انگور ، سوم انار ، چہارم گھوڑوں کا چہرہ - گھوڑوں کی آنکھیں حوران بہشت کے لعاب سے پیدا کی گئیں ، گھوڑوں کا جسم بہشت سے پیدا کیا گیا اور گھوڑوں کی پشت کرسی اور عرش مجید سے بنائی گئی اور گھوڑوں کے بال طوبیٰ سے بنائے گئے اور گھوڑے کی جان حق تعالیٰ نے اپنی عظمت سے پیدا کی - گھوڑے کی اسی فضیلت کے باعث حق تعالیٰ اسے اپنے سامنے رکھتا

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳٦۲ :

مرکب نہیں - پانچویں دیوی محض چھٹی بھگوانی سے جو بھگوان کی مؤنث ہے ، ہم قافیہ ہے - دسویں توتلا ، قدیم ادب کی ماتا یا چھوٹی دیوی ہے ، مگر گیارھویں ''غرض'' ایک معمہ ہے - (غرض کے معنی خواهش یا تمنا ہیں) ، ممکن ہے یہ لفظ درگا کی بگڑی ہوئی صورت گرجا سے بنائی گئی ہو -

۱ - مہتر آدم[۴] سے عیسائیوں اور یہودیوں کے آدم مراد ہیں -

۲ - یہ الگ اضافہ معلوم ہوتا ہے -

۳ - جس کتاب کا حوالہ دیا گیا ہے وہ قاضی حمید الدین ناگوری کی ایک کتاب حق تعالیٰ کے بارے میں ہے - قاضی مذکور نے ۱۲۹٦ء میں وفات پائی اور دھلی میں مشہور بزرگ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مزار کے قریب دفن ہوئے -

ہے ، دوسروں کے حوالے نہیں کرتا ۔ اسی لیے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیشہ اپنے پاس گھوڑا رکھتے تھے اور اس کے سر اور منہ کو اپنی مبارک چادر اور کپڑے سے پاک فرماتے تھے ؛ اسی کپڑے میں اسے جو کھلاتے تھے ؛ نیز گناہوں کی تعداد گھوڑے کے بالوں کے برابر ہے ۔

ختم شد